

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ



فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الجنائز

جلد پنجم

ترتیب : ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاویٰ علمائے حدیث جلد پنجم

۱۔ فتاویٰ عزیزی
۲۔ فتاویٰ اخبار اہلحدیث سوہدرہ
۳۔ فتاویٰ الاعتصام لاہور
۴۔ فتاویٰ اخبار محدث دہلی
۵۔ فتاویٰ اخبار اہل حدیث گزٹ دہلی
۶۔ فتاویٰ اخبار اہل حدیث لاہور
۷۔ فتاویٰ غزنویہ امرتسر
۸۔ فتاویٰ ماہنامہ الاسلام دہلی
۹۔ فتاویٰ شرفیہ قلمی مسودہ
۱۰۔ فتاویٰ اخبار ترجمان دہلی
۱۱۔ فتاویٰ ثنائیہ
فتاویٰ لواء الہدیٰ
۱۲۔ فتاویٰ رسالہ بدعات کی تردید
۱۳۔ فتاویٰ عمرپوری
۱۴۔ فتاویٰ ادغام المبتدعین
۱۵۔ فتاویٰ نذیریہ دہلی
۱۶۔ فتاویٰ صحیفہ اہلحدیث کراچی
۱۷۔ فتاویٰ صاعقۃ الرحمٰن خانپوری قلمی
۱۸۔ فتاویٰ اہلحدیث
۱۹۔ فتاویٰ ستاریہ
۲۰۔ زیارت قبور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
۲۱۔ فتاویٰ الدلیل الطالب علی ارجح المطالب
۲۲۔ المعتمر کراچی
فتاویٰ محدث لاہور

257

نام کتاب: فتاویٰ علماء حدیث جلد پنجم
نام مرتب: ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت: ابن منیر رقم خوشنویس چک ۱۳۲/۵ ایل بی
طباعت:
تاریخ اشاعت: ۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۵ مارچ ۱۹۷۶ء
تعداد: ایک ہزار
ناشر: مکتبہ سعیدیہ خانیوال
قیمت: ۳۵/ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)

مفتیانِ فتاویٰ

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ
۲۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث ״ ״
۳۔ سید نواب صدیق حسن خاں محدث والئی بھوپال رحمہ اللہ
۴۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
۵۔ سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ
۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز مرشد آبادی ״ ״
۷۔ حافظ عبدالرحیم مبارک پوری ״ ״
۸۔ شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ״ ״
۹۔ مولانا امام عبدالجبار الغزنوی امرتسری ״ ״
۱۰۔ سید محمد داؤد ״ ״ ״ ״
۱۱۔ بیہقی زماں حضرت مولانا شرف الدین محدث دہلی رحمہ اللہ
۱۲۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ
۱۳۔ مفتی کفایت اللہ مدرس امینیہ دہلی ״ ״
۱۴۔ ابوسعید محمد حسین بٹالوی ״ ״
۱۵۔ سید عبدالسلام محدث دہلوی ״ ״
۱۶۔ سید محمد ابوالحسن ״ ״ ״
۱۷۔ ابو حریرہ عبدالعزیز ملتانی ״ ״
۱۸۔ مولانا فتح محمد محدث دہلوی ״ ״
۱۹۔ مولانا محمد یعقوب دہلوی رحمہ اللہ
۲۰۔ مولانا ضیاء الحق مدرس امینیہ دہلی ״ ״
۲۱۔ مولانا محمد قاسم ״ ״ ״ ״
۲۲۔ مولانا عبدالغفور ״ ״ ״ ״ ״
۲۳۔ شارح مشکوٰۃ مولانا عبیداللہ مبارکپوری مدظلہ
۲۴۔ شیخ الاساتذہ مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ ״
۲۵۔ حافظ محمد اسحاق مدرسہ غزنویہ لاہور ״
۲۶۔ مولانا حافظ احمد پٹوی جڑانوالہ لائلپور رحمہ اللہ
۲۷۔ مفتی زماں حضرت مولانا محمد یوسف بگھیلوی فیروز پوری رحمہ اللہ
۲۸۔ مفتی دوراں حافظ محمد عبداللہ روپڑی والگراں لاہور رحمہ اللہ
۲۹۔ مولانا محمد یوسف ابراہیمی مدرسہ دارالعلوم امرتسری رحمہ اللہ
۳۰۔ مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ اللہ
۳۱۔ مولانا عبدالغفور رمضان بہاری رضاپوری
۳۲۔ مولانا عبدالجبار محدث عمرپوری رحمہ اللہ
۳۳۔ حافظ ریاض احمد لاہور مدظلہ
۳۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ
۳۵۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ

۳۶۔ شارح نسائی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور مدظلہ

۳۷۔ مولانا محمد علی جانباز سیالکوٹی مدظلہ

۳۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ دارالقرآن لائلپور

۳۹۔ مولانا حافظ عبداللہ مدنی مدرسہ لطیفیہ شولاپور

۴۰۔ مولانا حافظ محمد قاسم خواجہ گوجرانولہ مدظلہ

۴۱۔ مولانا محمد عبیداللہ حنیف فیروز پوری مسجد چنیانوالی لاہور

۴۲۔ مولانا حبیب الرحمٰن مالدہی مقام کٹریا کمار گنج ضلع مالدہ

۴۳۔ مولانا حافظ عبدالستار سابق امیر غربا اہلحدیث کراچی رحمہ اللہ

۴۴۔ مولانا عبدالمجید سوہدری گوجرانوالہ رحمہ اللہ

۴۵۔ مولانا تلطف حسین محدث دہلوی " "

۴۶۔ مولانا عبدالحق محدث ملتانی " "

۴۷۔ مولانا عبدالواحد محدث غزنوی لاہور " "

۴۸۔ ابوالفیض محمد عبداللہ حنفی " "

۴۹۔ احمدالدین صاحب " "

۵۰۔ مولانا رشید احمد گنگوہی " "

۵۱۔ مولانا محمد قاسم " "

۵۲۔ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی " "

۵۳۔ مولانا عزیز زبیدی واربرٹن مدظلہ

۵۴۔ مولانا محمد جوناگڑھی دہلوی مترجم تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ

۵۵۔ مولانا عبداللطیف محدث دہلوی رحمہ اللہ

۵۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ سابق امیر جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان رحمہ اللہ

۵۷۔ فقیر محمد حسین " "

۵۸۔ بقالہ ابراہیم " "

۵۹ مولانا کرامت اللہ " "

۶۰۔ عبدالحکیم " "

۶۱۔ بہ طفیل نبی الٰہی " "

۶۲۔ خادم شرع عزیز محمد عبدالعزیز " "

۶۳۔ شہود الحق بتوفیق خداباد " "

۶۴۔ ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی شارح ابوداؤد رحمہ اللہ

۶۵۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر " "

۶۶۔ مولانا محمد یعقوب بابا خیلی " "

۶۷۔ محمد حفیظ اللہ " "

۶۸۔ مولانا محمد یوسف " "

۶۹۔ غلام اکبر خاں شستی محمدی " "

۷۰۔ ہست منصور علی احمد " "

۷۱۔ مولانا محمد حسن قادری غفوری " "

۷۲۔ محمد صدیق صاحب " "

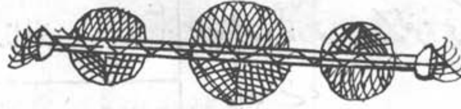
۷۳۔ مولانا جلیل الدین " "

۷۴۔ مولانا محمد شفیع مدرسہ عبدالرب دہلی " "

۷۵ اشفاق الرحمٰن فتح پوری دہلی " "

۷۶ مولانا عبدالوہاب دہلوی " "

۷۷۔ مولانا علی محمد دہلوی	رحمہ اللہ	۸۲۔ حسبنا اللہ بن حفیظ اللہ دہلوی	رحمہ اللہ
۷۸۔ مولانا ڈپٹی احسن حسن محدث دہلوی	″	۸۳۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ	″
۷۹۔ مولانا محمد بن عبداللہ الغزنوی امرتسری	″	۸۴۔ مولانا ضیاء الرحمٰن عمر پوری	″
۸۰۔ مولانا محمد اشرف	″	۸۵۔ مولانا رحیم بخش صاحب مصنف سلسلہ کتب اسلام لاہور۔ رحمہ اللہ علیہ	
۸۱۔ مولانا علم الدین حسین	″		
۸۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب جامع اثریہ لائل پور		۸۷۔ محقق شہیر مولانا عبدالقادر عارف حصاری	



فہرست مضامین

باب الجنائز

باب القبر

باب ایصال ثواب

باب سماع موتٰی

باب الروح

ضمیمہ فہرست

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اُصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشادِ خداوندی ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اُصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاویٰ، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے، جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علمائے حدیث کے فتاویٰ، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاویٰ اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ صلحائے اُمت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوے کو کتاب وسنت پر پیش کرو، اگر خلاف پاؤ تو اُسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ؎ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاویٰ میں خطاء معلوم ہو تو بجائے طعن و تشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہ ہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے، افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (القرآن پ۵)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالےٰ اور قیامت پر یقین ہے ہے

اصل دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن ... پس حدیث مصطفےٰ برجاں مسلّم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

ایک نئے اور قیمتی مآخذ کا اضافہ اور اس کا تعارف

گذشتہ سال گرمیوں میں عزیزم برخوردار حافظ عبدالرشید اظہر سلمہ اللہ اپنے احباب (پروفیسر محمد سلیمان اظہر و عبدالمجید اصلاحی) کے ہمراہ اپنے بعض کاموں سے بالاکوٹ و آزاد کشمیر کے دو سفر ذی ظفر، پر گئے، تو حسن اتفاق سے دو تین یوم ان کا قیام محترم قاضی محمد عبداللہ صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ خانفوری آف مانسہرہ کے ہاں بھی رہا، بقول ان کے انہوں نے قاضی صاحب، زیدمجدہ کے بیش قیمت علمی کتب خانہ سے جی بھر کر استفادہ کیا،

قاضی صاحب کا خاندان سرحد و ہزارہ کے علاقہ میں تحریک اہلحدیث کا مرکز اور عمل بالحدیث کا واحد علمبردار ہے، اور علاقہ بھر میں جہاں کہیں کتاب و سنت کی روشنی نظر آتی ہے، وہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ (م ۱۲۴۶ھ) کے بعد اسی عظیم المرتبت خاندان کے فیضان کا اثر ہے، ورنہ اس علاقہ میں خانقاہی نظام کا دور دورہ تھا، اور دور دور تک کہیں اللہ و رسول کی بات سنانے والا کوئی نظر نہ آتا تھا،

اس علمی خاندان کے اکثر بزرگوں کا سلسلہ تلمذ استاذ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے ملتا ہے، اور عملی طور پر ان کی تمام تر کوششیں شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک کے ساتھ رہی ہیں، ہمارے ہاں اکثر و بیشتر جب سرحد و ہزارہ میں تحریک اہلحدیث اور مسلک حدیث کی اشاعت کی بات چلتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہاں سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے، سید صاحب کے تلامذہ اسی خاندان کے بزرگ ہیں، انہیں غزنوی بزرگوں سے دلی لگاؤ ہے، اور ہمیشہ سے ان کے باہمی تعلقات رہے ہیں، ان بزرگوں میں سے درج ذیل کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں،

(۱) قاضی عبدالصمد بن قاضی محمد ارشد المتوفی ۱۲۶۸ھ (شاہ اسمٰعیل شہید سے فیضیاب ہوئے)

(۲) قاضی محمد حسن بن ابی الارشد محمد گل داماد و جانشین قاضی عبدالصمد رح المتوفی ۱۳۰۱ھ (شاہ شہید رح سے فیض یاب ہوئے)۔

(۳) قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۲۵ رجمادی الاخری ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء (سید نذیر حسین محدث دہلوی، سید عبداللہ غزنوی، اور قاضی محمد حسن رح مذکور سے فیض حاصل کیا، میاں صاحب کے معروف شاگرد ہیں، رد بدعات میں متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں،)۔

(۴) قاضی محمد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۶ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ / ۹ نومبر ۱۹۲۹ء مؤلف فتاوٰی و صاعقۃ الرحمٰن، (اساتذہ میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ، سید عبداللہ غزنوی رح، سید عبدالجبار غزنوی رح، قاضی محمد حسن رح والد خود اور مفتی عبداللہ ٹونکی قابل ذکر ہیں)۔

(۵) قاضی ابواسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن رح المتوفی یکم جون ۶ صفر ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء عربی کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے، مدح حدیث اور اہلحدیث میں کئی ایک قصائد لکھے، "عون المعبود" کی تالیف میں شریک رہے، اساتذہ میں میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی، (م ۱۳۲۰ھ) شیخ حسین بن محسن انصاری، (م ۱۳۲۷ھ) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد حسن والد خود کے نام ملتے ہیں،

(۶) حافظ محمد غوث بن حافظ محمد محسن المتوفی ۱۳۲۴ھ (اساتذہ سے صرف مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام مل سکا)۔

اس وقت اس عظیم خانوادے کی علمی و عملی یادگار محترم قاضی عبداللہ صاحب مدظلہ (ایم۔ اے۔ ایل۔ بی علیگ) بقید حیات ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، موصوف زبردست عالم، اور بلند پایہ اخلاق کے حامل ہیں، موصوف نے ان چھ بزرگوں کے حالات پر "فتح الغفور فی تراجم علماء خانفور" لکھی جو طباعت کے لئے کسی صاحب نظر کی منتظر ہے۔

ان بزرگوں کا مناظروں اور مناقشوں کا دور تھا۔ ان کی تصانیف میں بھی مناظرانہ رنگ غالب ہے "صاعقۃ الرحمان علی حزب الشیطن" بھی کسی فتاوی کا رد ہے، اور انتہائی ٹھوس اور مدلل ہے۔

انشاء اللہ مکمل مسودہ علی الترتیب "فتاوی علماء حدیث" کی جلدوں کی مناسبت سے ہدیۂ قارئین کر دیا جائے گا، آخر میں ہم محترم قاضی عبداللہ صاحب، مدظلہ کے بے حد شکر گذار ہیں، کہ ان کی عنایت سے یہ علمی و تحقیقی مواد گوشۂ گمنامی سے نکل کر قارئین تک پہنچا، نیز برخوردار حافظ عبدالرشید کے کہ انہی کی وساطت سے ہماری رسائی ہوئی، اور انہوں نے نہ صرف مطلوبہ حصہ نقل کر لیا، بلکہ اسے اردو میں بھی منتقل کر دیا۔

اللہ رب العزت سب کو عمل صالح کی توفیق بخشے، آمین،

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

علی محمد سعیدی

جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتاوٰی علمائے حدیث

جرائد اہلحدیث کی نظر میں

تبصرہ محدّث لاہور

شرعی مسائل میں علمائے کرام کے جوابات کا نام فتویٰ ہے، ان کی حیثیت مشورہ رائے اور رہنمائی کی ہوتی ہے، ان کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا، ہاں سرکاری حیثیت میں عدالتیں جو فیصلے سناتی ہیں، ان کو ایک قانونی حیثیت بھی حاصل ہوجاتی ہے، گو علماء کرام کے فتووں کو قانونی درجہ حاصل نہیں رہا، تاہم امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے انہی سے زیادہ کام لیا گیا ہے، اور ملت اسلامیہ نے بھی انہی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، کیونکہ یہ بلا مشقت مل جاتے ہیں، عدالتی نظام پر بعض اوقات غیر صالح حکمرانوں کی سرکاری دلچسپیاں اور حجوں کے ذاتی مصالح بوجھ بن جاتے ہیں، اس لئے عوام نے ان کی طرف بہت کم رجوع کیا ہے، اس سلسلے میں انہی بوریہ نشینوں کو سواد اعظم کا جتنا اعتماد حاصل رہا ہے، سرکاری عدالتوں کو نہیں رہا، بلکہ یہ عدالتیں بھی ہمیشہ انہی مبارک ہستیوں کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں، فتاوٰی کا یہ سلسلہ نزول وحی کے وقت سے جاری ہے، قرآن حکیم اور احادیث پاک میں یہ کثرت سے ملتے ہیں، اس کے بعد صحابہ تابعین اور دوسرے علمائے حق کے جو فتاوے منظر عام پر آئے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے، تو ایک دفتر بے پایاں جمع ہوجائے، بہرحال ہمارے نزدیک وہ فتاوے بالخصوص محفوظ کرنے کے قابل ہیں جو مختلف شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کی بنیاد پر مبنی نہیں، بس بلکہ کتاب وسنت اور تعامل صحابہ سے ماخوذ ہیں، کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی میراث اور امانت ہیں، زیر تبصرہ فتاوے بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی ہے، ان فتاوٰں کے مطالعہ سے رہنمائی کے علاوہ کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور انسان اس چاشنی سے شاد کام بھی ہوتا ہے، جو جعلی وساطتوں کے چکروں میں پڑ کر حاصل نہیں ہوسکتی فاضل مرتب حضرت مولانا علی محمد سعیدیؒ کے علم وعمل اور مساعی جمیلہ میں اللہ

برکت دے، انہوں نے ان مبارک فتاووں کو یک جا کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، یہ وہ امانت ہے، اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جاتی، تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوتا، علامہ موصوف نے جن فتاووں (مرتب یا غیر مرتب) کو جمع کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں،

(۱) فتاویٰ عزیزیہ
(۲) فتاویٰ نذیریہ
(۳) فتاویٰ شیخ حسین عرب
(۴) فتاویٰ غزنویہ
(۵) مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں
(۶) فتاویٰ ثنائیہ
(۷) فتاویٰ ستاریہ
(۸) فتاویٰ مولانا عبدالجبار عمر پوری
(۹) فتاویٰ دلیل الطالب
(۱۰) فتاویٰ تنظیم اہلحدیث
(۱۱) فتاویٰ الاعتصام
(۱۲) فتاویٰ اہلحدیث سوہدرہ
(۱۳) فتاویٰ اہلحدیث دہلی
(۱۴) فتاویٰ ترجمان اہلحدیث دہلی
(۱۵) فتاویٰ گزٹ اہلحدیث دہلی
(۱۶) فتاویٰ محدث دہلی
(۱۷) فتاویٰ قوانین فطرت
(۱۸) فتاویٰ صحیفہ اہلحدیث کراچی

ان کو جمع کرنا اور منتشر مواد کو فراہم کرنا آسان بات نہیں ہے، خدا جانے موصوف کو اس کے لئے کتنی محنت اور زحمت اٹھانا پڑھی ہوگی، خاص کر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، کہ موصوف نے یہ تمام مساعی جمیلہ محض اللہ کے سہارے پر انجام دی ہیں، اب وقت حالات اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، کہ ان کی نشر و اشاعت میں کھل کر ان سے تعاون کیا جائے، ان فتاووں میں اختلافِ آراء بھی پایا جاتا ہے، جو علمی استعداد کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے، اس سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نوع بہ نوع دلائل اور اسلوب استدلال کے نظارہ سے علم و تحقیق کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

تبصرہ المعارف" لاہور"

فتاویٰ علماء حدیث کا حصہ دوم پیش نگاہ ہے، جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اس میں نماز کے ب

میں تمام ضروری مسائل مع علماء کرام کے فتاویٰ اور مفصل حوالوں کے جمع کر دیئے گئے ہیں، اس میں جن علماء عظام کے فتاویٰ درج کئے گئے ہیں، ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی، مولانا سید نذیر حسین محدّث دہلوی، مولانا محمد عبدالحئی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق ڈیانوی، (صاحب عون المعبود) مولانا سید شریف حسین محدّث دہلوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا خرم علی بلہوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، سید سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا شرف الدین محدّث دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ، مولانا عبدالحق ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ، مولانا عبدالجلیل سامرودی، کے اسماء گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں،

کتاب اپنے موضوع میں بڑی اہم ہے، اور اس میں نماز سے متعلق پیش آئندہ ہر مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے، اور اس سلسلے میں فاضل مرتب کو مذکورہ بالا اصحاب افتاء میں سے جس مفتی کا جو فتویٰ ملا اس میں درج کر دیا، جس سے کتاب کی فقہی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے،

ایک خاص موضوع کے متعلق مختلف کتب و رسائل میں بکھرے ہوئے فتاویٰ کو یکجا خاص ترتیب کے ساتھ جمع کرنا بہت مشکل، اور محنت طلب کام ہے، جو مرتّب کتاب مولانا علی محمد سعیدی نے بڑی خوبصورتی، اور عمدگی سے سرانجام دیا ہے، یہ ایک خدمت دین ہے، ہم اس پر مرتّب موصوف کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، اپنے اسلاف کے ان علمی، اور فقہی کارناموں کو وہی شخص یکجا کر سکتا، اور ان کو موضوع وار ترتیب دے سکتا ہے، جو خالص علمی ذوق کا حامل ہو، خوشی کی بات ہے، کہ اس کتاب کی ترتیب میں یہ خوبی موجود ہے، کتاب میں متعدد مقامات پر ان کے حواشی ہیں، جو کتاب کی افادیت میں مزید اضافے کا باعث ہیں،

نماز کے بعض مسائل کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور عالم و فقیہہ شیخ جلال الدین احمد جہانیاں، جہاں گشت، شیخ محمد ارشد جونپوری شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری، شیخ احمد امیٹھوی، اور مرزا مظہر جان جاناں کے فقہی مسلک کی وضاحت کی گئی ہے!۔

المعارف لاہور جلد ۸ شمارہ ۸-۹ صفحہ ۱۰۵

بزائے اگست و ستمبر ۱۹۷۵ء

ترجمان اہلحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاوٰی کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِ مُو تجاوز نہ کرتے تھے، بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اُجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے اُن فتاوٰے کو جمع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوٰے نذیریہ تھا۔ جو شیخ کل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاوٰی ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوٰی ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوٰے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوٰے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوٰے مثلاً فتاوٰی نذیریہ فتاوٰے غزنویہ، فتاوٰے ثنائیہ، فتاوٰے ستاریہ سے لے کر تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی،

اہلحدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسائل کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ بیش و افتادہ
مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت و کتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور
اسے سفید کاغذ پر حسین و جمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔
ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاہور

ہندوپاک میں علماء اہلحدیث کی گرانقدر علمی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ ور مؤرخ کی نگاہِ التفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن و حدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقیہہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی و قیمتی تحریرات و دستاویزات دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو اِن کے ذہن و قلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحیٰ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا تکاد ان تحصر وظنی انہا لوجمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ صفحہ ۵ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)
حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علمائے اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کئے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسریؒ مولانا عبدالرحمٰن صاحب امبارک پوریؒ، مولانا عبید اللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ مولانا محمد داؤد صاحب غزنویؒ اور دیگر علمائے مرحومین و موجودین کے فتاوٰی شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اھلحدیث لاھور: ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر ہی کتاب وسنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا اوّلی فریضہ ہے۔

فتاوٰی علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک ہند میں علماء اہلحدیث نے قرآن وسنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوٰے تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِمو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب وسنت سے دلائل پیش کئے۔"

زیرِ تبصرہ فتاوٰے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب وسنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض و نفاس، وضو، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

ے بحمد اللہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم طبع ہو کر اہل فکر و نظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ جلد پنجم طبع ہو چکی ہے

کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوٰے عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوٰے نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاوٰے تنظیم اہلحدیث، فتاوٰے الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارعین اہلحدیث سے گذارش کریں گے کہ وُہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور)

الحمد للّٰہ وحدہٗ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ۔ اما بعد! "فتاوٰے علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابوالحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گذرا، بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرۂ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نورِ بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دُعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللّٰہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود بقلم خود الجامعۃ السلفیہ لائلپور ۱۲ر فروری ۱۹۷۴ء

تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوٰے علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوٰے سے نذرانہ پیش کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسانِ عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو شعلِ راہ بنائیں گی کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب و سنت تھا خواہ اس کے مخالف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وُہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاصکر اس دور میں جب کہ جدید علماء کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوٰے کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیق مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اجرِ عظیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب)، مدرسہ دار الحدیث اوکاڑہ ضلع ساہیوال

فتویٰ پوچھنے کا طریقہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے: فَکَانَ وَظِیْفَۃُ اَنْ یَّسْاَلَ فَقِیْھًا مَا حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسْئَلَۃٍ کَذَا وَکَذَا فَاِذَا اُخْبِرَ تَبِعَہٗ۔ یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے۔ کہ کسی عالم سے پوچھ لے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ جب خبر پاوے اُس پر عمل کرے۔

فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رحمہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے: اگر پوچھا جاوے عالم سے وُہ مسئلہ جس کو تحقیق وُہ جانتا ہے۔ ساتھ کھُلے حکم قرآن شریف یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوےٰ دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا۔

فتویٰ پر عمل کرنیکا طریقہ

شیخ ابن عربی رحمہ نے فتوحات میں لکھا ہے:۔ کہ اگر تجھ کو مفتی بتلاوے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے۔ تو اُس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میرے رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے: جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوےٰ مختلف دیا۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پر دِل کا میلان ہو اُس پر عمل کرے

تشریحات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از قلم : حضرت مولانا مولوی عبد الرحمان صاحب محدث مبارک پوری المتوفی ۱۶؍ شوال ۱۳۵۳ھ قدس اللہ سرہ العزیز صاحب تحفۃ الاحوذی و ابکار المنن و تحقیق الکلام و کتاب الجنائز وغیرہ وغیرہ۔

جنائز کے احکام و مسائل احتضار کے وقت سے لے کر دفن تک اس کثرت سے ہیں اور اس قابل ہیں کہ مستقل تصنیف میں جمع کئے جائیں یہی وجہ ہے کہ محدثین رح نے اس باب میں کتاب الجنائز کے نام سے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہمارے علم میں (واللہ تعالیٰ اعلم) محدثین میں سے اول اول جس نے اس باب میں مستقل کتاب لکھی وہ محدث عبد الوہاب ابن عطاء الخفاف بصری نزیل بغداد ہیں۔ آپ بصرہ کے مشاہیر محدثین سے ہیں فن حدیث میں خالد حذا، سلیمان تیمی، اور سعید بن عروبہ وغیرہم کے شاگرد ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رح وغیرہ کے استاذ ہیں۔ اور ابو عمرو بن علاء سے جو قراء سبعہ سے ایک مشہور قاری ہیں، فن قرأت حاصل کیا ہے۔ امام مسلم رح نے اپنے صحیح اور ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں آپکی سند سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ محدث سعید بن ابی عروبہ کی صحبت میں ایک مدت تک تھے ۲۰۴ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر رح نے آپ کی کتاب الجنائز سے فتح الباری میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں۔

محدث عبد الوہاب بن عطاء کے بعد علامہ مزنی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی (عون المعبود، حاشیہ سنن ابی داؤد) میں اس کتاب کی بعض روایتیں منقول ہیں۔ لیکن اصل کتاب سے نہیں علامہ ممدوح امام طحاوی کے ماموں اور امام شافعی رح کے مشہور شاگرد ہیں۔ نام اسمٰعیل بن یحیٰی کنیت ابو ابراہیم وطن اور مسکن مصر تھا۔ امام شافعی رح کی تائید و نصرت میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں۔ "المزنی ناصر مذہبی"، جب آپ کتاب "مختصر"، تصنیف کر رہے تھے۔ تو جس مسئلہ کی تحقیق سے فارغ ہوتے۔ اور

اس کو کتاب میں درج کرتے تو دو رکعت شکرانہ نماز پڑھتے. نماز با جماعت ادا کرنے کا اتنا التزام و اہتمام رہتا تھا کہ جب کوئی نماز جماعت کے ساتھ نہیں ملتی تو اس کو پچیس ۲۵ مرتبہ پڑھتے تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہو امام شافعی رحمہ اللہ کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اور آپ ہی نے ان کو غسل دیا تھا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ اور قرافہ صغریٰ میں امام شافعیؒ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

علامہ مزنی کے بعد محدث ابوبکر مروزی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی حافظ ابن حجر نے آپ کی اس کتاب سے تلخیص الجبیر میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں. نام احمد بن علی ہے. اور وطن اور مسکن مرو ہے جو ملک خراسان کا ایک مشہور شہر ہے. فن حدیث میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہما کے شاگرد اور امام نسائی اور ابوعوانہ و طبرانی وغیرہم کے استاذ ہیں. حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں "کان من اوعیۃ العلم وثقات المحدثین له تصانیف مفیدۃ وسانید" یعنی ابوبکر مروزی بہت بڑے عالم اور ثقات محدثین میں سے تھے. اور مفید کتابیں تصنیف کی ہیں. امام نسائی نے اپنے سنن میں آپ کی سند سے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں. شہر حمص کے عہدہ قضاء پر مامور رہتے. جب دمشق کے قاضی مقرر ہوئے. اور دمشق ہی میں ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

محدث ابوبکر کے بعد محدث ابن شاہین نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی آپ کی اس کتاب کی نسبت حافظ زیلعیؒ نصب الرایہ میں لکھتے ہیں۔ "مجلد وسط" یعنی اوسط درجہ کے حجم کی کتاب ہے۔ نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی ابن شاہین عراق کے ایک مشہور محدث ہیں۔ نام عمر بن احمد کنیت ابوحفص ہے۔ دمشق، شام، فارس اور بصرہ میں بڑے بڑے ائمۂ حدیث سے حدیث پڑھی ہے۔ ابن الفوارس کا بیان ہے۔ کہ جس قدر کتابیں ابن شاہین نے تصنیف کی ہیں۔ کسی محدث نے تصنیف نہیں کیں۔ محمد بن عمر داؤدی نے ابن شاہین سے سنا وہ کہتے تھے کہ اس وقت تک جس قدر روشنائی میں نے خریدی ہے۔ اس کا حساب کیا تو وہ سات سو درہم کی ہوئی ہے آپ کے سامنے جب مذہب کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے۔

"انا محمدی المذہب" یعنی میرا مذہب محمدی ہے۔ آپ کا سن ولادت ۳۰۶ھ ہے۔ اور سن وفات ۳۸۵ھ ہے۔ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں ابن شاہین کی کتاب الجنائز سے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ (کتاب الجنائز ص ۲ تا ۱۴)

دیگر! جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو سنت ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں۔ یعنی داہنی کروٹ پر اس طرح لٹائیں کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اگر کسی وجہ سے اس طرح نہ لٹا سکیں تو چیت لٹائیں کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوں اور سر کے نیچے تکیہ یا کوئی اور چیز رکھ کر اونچا کر دیں کہ منہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے اس طرح لٹانے میں سنت بھی ادا ہو جائے گی۔ اگر قبلہ کی طرف متوجہ کرنے میں مریض کو تکلیف ہو تو جس حالت پر ہو اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں۔

اس کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کریں یعنی اس کے پاس بیٹھ کر یہ کلمہ بآواز بلند کہیں کہ وہ سنے اور یہ کلمہ اس کو یاد آجائے اور اس کو کہے مگر ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کہیں۔ لگاتار دیر تک نہ کہتے رہیں اور نہ چلا کر شور وغل سے کہیں کیونکہ مریض پر جانکنی کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل آزردہ خاطر ہو کر کہیں زبان سے کوئی نا ملائم بات نکالے یا اس کے دل کو اس سے نفرت ہو۔

مریض جب ایک بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو پھر تلقین کی ضرورت نہیں ہاں اس کلمہ کے بعد کوئی دوسری بات بولے تو پھر تلقین کرنا چاہئے کہ وہ اس کلمہ کو پھر کہے اور اس کا آخری کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو۔

ابوداؤد میں حضرت معاذ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور مسلم میں ابوذر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ جس بندہ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا پھر اسی پر مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک جب قریب المرگ ہوئے۔ تو ایک شخص ان کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرنے لگا اور اس کلمہ کو بار بار کہنے لگا۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ جب میں اس کلمہ کو ایک بار کہہ لوں۔ تو میں اسی پر ہوں جب تک کہ میں کوئی اور بات نہ بولوں۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی مراد وہ حدیث ہے۔ کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہاں مجھے ابوزرعہ محدث کا قصہ یاد آگیا۔ حافظ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ جب ابوزرعہ قریب المرگ ہوئے۔ تو لوگوں نے ان کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرنی چاہی۔ اور باہم حضرت معاذ کی حدیث کا تذکرہ

کرنے لگے۔ جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ پس ابو زرعہ نے حضرت معاذ کی حدیث کو مع الاسناد پڑھنا اور سنانا شروع کیا جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر پہنچے اور اس کو زبان سے کہہ چکے۔ بس اسی وقت ان کی روح قبض ہو گئی۔ سُبْحَانَ اللّٰہ کیسی اچھی موت ہوئی اور کیسا اچھا خاتمہ ہوا اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ الْخَاتِمَۃِ وَاجْعَلْ اٰخِرَ کَلَامِنَا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اٰمِیْن جانکنی کے وقت مریض کے پاس سورۃ یاسین پڑھنے کا بھی حکم ہے۔

جب روح قبض ہو جائے تو آنکھیں بند کر دی جائیں اور ہاتھ پیر سیدھے کر دیئے جائیں۔ اور تمام بدن کپڑے سے ڈھانک دیا جائے۔ اور میت کے لئے اور اپنے لئے دعا واستغفار کریں۔ اور کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالیں کیونکہ اس وقت جو کچھ کہا جاتا ہے۔ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ پر داخل ہوئے اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ تو آپ نے ان کو بند کر دیا۔ پس ان کے گھر کے بعض لوگ رونے چلانے لگے۔ آپ نے فرمایا اپنی جانوں کے لئے بجز نیک دعا کے بددعا نہ کرو اس واسطے کہ جو تم لوگ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے ابو سلمہ کے لئے یوں دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ۔ یعنی اے اللہ تو ابو سلمہ کو بخش دے۔ اور ہدایت والوں میں اس کا درجہ بلند کر اور اس کے پس ماندوں میں اس کا خلیفہ بن یعنی ان کا محافظ و نگہبان رہ اور ہم لوگوں کی۔ اور اس کی مغفرت کر یارب العلمین اور اس کے واسطے اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے واسطے اس کی قبر میں روشنی کر روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے پس روح قبض ہو جانے کے بعد اہل میت کو یہ پڑھنی چاہیئے۔ اور بجائے ابی سلمہ کے اپنی میت کا نام لینا چاہیئے۔ مثلاً میت کا نام عبداللہ ہے تو یوں کہنا چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰہِ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ موت کے صدمہ کے وقت صبر کرنا چاہیئے۔ اور یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے حضرت ام سلمہ کہتی ہیں۔ کہ جب

(میرے شوہر اول) ابوسلمہ نے وفات پائی تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہو گا۔ یہ اس خاندان میں پہلے شخص تھے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہلے ہجرت کی تھی پھر میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے اس سے بہتر شخص (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ کو عطا فرمایا روایت کیا اس کو مسلم نے جو لوگ مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ یعنی خوشخبری دیدے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بخششیں اور رحمتیں ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو راہ پائے ہوئے ہیں۔

میت پر نوحہ کرنا اور زور زور سے رونا بڑا گناہ ہے۔ آہستہ آہستہ رونا اور آنسو بہانا منع نہیں ہے بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت والوں کے نوحہ کرنے اور زور زور سے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب کیا جاتا ہے۔ اور بخاری مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس شخص سے بیزار ہوں جو مصیبت کے وقت سر منڈائے اور چلا کر روئے۔ اور کپڑوں کو پھاڑے" بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم میں سے وہ نہیں جو اپنے گالوں کو پیٹے اور گریبانوں کو پھاڑے اور جاہلیت کی پکار پکارے۔ یعنی رونے کے وقت زبان سے ایسی باتیں نکالے جو جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صدمہ موت کے وقت صبر جمیل کی توفیق بخشے اور بے صبری کے تمام کاموں سے بچائے۔

فائدہ! تلقین کی حدیث سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ تلقین کے وقت فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا چاہئے مگر حافظ ابن فرد وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مراد شہادت کے دونوں کلمے ہیں یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دونوں کلموں کی تلقین کرنا چاہیے وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

فائدہ! مرنے کے وقت ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظنی یعنی نیک گمان رکھنا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ

کی وسیع رحمت اور اس کے کرم عام پر نظر کر کے یہ امید اور گمان رکھنا چاہئے۔ کہ وہ میرے گناہوں کو بخشے گا۔ اور مجھے جنت میں داخل کریگا۔ اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ پر ہرگز بدگمان نہیں رکھنا چاہئے۔ یعنی ہرگز یہ گمان نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ میری مغفرت نہیں کرے گا۔

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِیْ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں۔ یعنی میرے ساتھ جیسا گمان نیک یا بد رکھے گا۔ میں اس کے ویسے ہی گمان کے نزدیک ہوں۔ اور اس کے اسی گمان نیک یا بد کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرونگا۔ اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں سے ہر ایک شخص کو بس اسی حالت میں مرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، ہاں اپنے گناہوں سے نڈر بھی نہیں ہونا چاہئے۔ جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے۔ اور وہ جان کنی کی حالت میں تھا۔ پس آپ نے فرمایا تو اپنے کو کیسا پاتا ہے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسے وقت میں جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دیتا ہے۔ جس کی وہ امید رکھتا ہے۔ اور بے خوف کرتا ہے۔ اس چیز سے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

فائدہ! موت کی سختی اور سکرات کی شدت کو مکروہ سمجھنا اور ناپسند کرنا نہیں چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موت کی سختی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینے پر ٹھیک دیئے ہوئے انتقال فرمایا پس میں آپ کے بعد کسی شخص کے واسطے موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی (بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی موت کی سختی دیکھنے کے بعد کسی شخص کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی (جامع ترمذی)

فائدہ! ناگہانی موت کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی نہیں ہے۔ ابوداؤد میں عبید بن خالد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی موت غضب کی پکڑ ہے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناگہانی موت اچھی ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ کہ ناگہانی موت مومن کے واسطے راحت ہے۔ اور

فاجر کے واسطے غضب ہے علماء حدیث نے ان حدیثوں میں اس طرح جمع و تطبیق بیان کی ہے۔ کہ جو شخص موت سے غافل نہ ہو اور مرنے کے لئے ہر وقت تیار و مستعد و آمادہ رہتا ہو۔ اس کے لئے ناگہانی موت اچھی ہے۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو اس کے لئے اچھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ! جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی موت بہت اچھی ہے۔ جامع ترمذی ص ۱۸۰ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مر گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچائے گا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن اس کی تائید متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے الحمد للہ کہ میرے والد مرحوم نے جمعہ ہی کے دن بعد نماز جمعہ اس دار ناپائیدار سے دار البقاء کو رحلت فرمائی ہے۔ اور وہ جمعہ بھی رمضان المبارک کے آخیر عشرہ کا جمعہ تھا غفر اللہ لہ و رضی عنہ دوشنبہ کے دن کی بھی موت اچھی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دوشنبہ ہی کے دن انتقال فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اپنے مرض الموت میں دوشنبہ کے دن اپنے مرنے کی تمنا ظاہر کی تھی، مگر انکا انتقال منگل کی رات کو ہوا۔

فائدہ! قبر میں ہر ایک شخص سے سوال ہوگا۔ مگر چند لوگ ایسے ہیں جن سے سوال نہیں ہوگا۔ از انجملہ ایک شہید فی سبیل اللہ ہے۔ اور ایک مرابط یعنی وہ شخص جو سرحد اسلام کی حفاظت کرے۔ اور ایک وہ شخص جس کی موت جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو ہوئی ہو۔ جیسا کہ اوپر ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوا۔ حافظ ابن حجر نے "بذل الماعون" میں لکھا ہے کہ جو شخص طاعون میں مبتلا ہو کر مرے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا کیونکہ وہ نظیر شہید فی المعرکہ ہے۔ اور اسی طرح جو شخص طاعون میں صابراً محتسباً ٹھہرا رہے۔ اور طاعون مقام سے نہ بھاگے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر نہ مرا ہو کیونکہ وہ نظیر مرابط ہے۔

فائدہ! بعض موتیں شہادت کی موتیں ہوتی ہیں۔ ان موتوں سے مرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید فرمایا ہے۔ موطا امام مالکؒ اور ابوداؤد اور نسائی میں جابر بن عتیق رضی اللہ عنہ، سے شہید ہونے کے علاوہ شہادت کی سات[۱] قسمیں ہیں۔ جو طاعون سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو ڈوب[۲] کر مرا وہ شہید ہے اور جو ذات الجنب[۳] سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو پیٹ[۴] کی بیماری سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو آگ[۵] میں جل کر مرا وہ شہید ہے۔ اور جو دیوار[۶] یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر مرا وہ شہید ہے۔ اور جو عورت ولادت[۷] کے وقت مری وہ شہید ہے۔ اور ابن ماجہ

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ مسافر کی موت شہادت ہے۔ اسی طرح پرا ور بھی چند موتوں کا شہادت ہو
احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن ان موتوں سے مرنے والے حکمی شہید ہیں۔ اصلی شہید اور حکمی شہیدوں کے
درمیان احکام جنائز کے متعلق کئی باتوں کا فرق ہے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید بغیر غسل کے دفن کیے جا
ہیں۔ اور ان حکمی شہیدوں کو غسل دینا چاہیئے۔ اور ازانجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید پر جنازہ کی نماز پڑھنے کے بار
میں حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ اسی وجہ سے اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ پڑھ
چاہیئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اور ان حکمی شہیدوں پر جنازہ کی نماز بالاتفاق پڑھ
ضروری ہے۔

فائدہ! اگر کوئی شخص کسی قریب المرگ سے یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا فلاں شخص سے
میرا اسلام کہہ دینا تو اس میں کچھ حرج نہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔

فائدہ! کسی مصیبت اور تکلیف پہنچنے کی وجہ سے موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے۔ حضرت انس
سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں کوئی شخص کسی مصیبت پہنچنے کی وجہ سے ہرگز مو
کی آرزو نہ کرے۔ اگر اس کو آرزو کرنا ہی ہے۔ یوں کہیے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِیْ
وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِیْ (متفق علیہ) یعنی اے اللہ مجھ کو زندہ رکھ جب تک میر
لئے زندگی بہتر ہو اور مجھ کو وفات دے۔ جب میرے لئے وفات بہتر ہو۔

جب روح قبض ہو جائے تو فوراً تجہیز و تکفین کا سامان کرنا چاہیئے۔ حضرت حصین بن وحوح سے روای
ہے کہ طلحہ بن براء مریض ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ پس آپ نے
فرمایا کہ میرا تو بس یہی گمان ہے کہ طلحہ کی موت آپہنچی تو ان کے مرنے کی مجھے خبر دینا اور تجہیز و تکفین میں جلدی
کرنا اس واسطے کہ مسلمان کی لاش کو اس کے لوگوں میں روکنا مناسب و سزاوار نہیں۔ روایت کیا اس کو
ابوداؤد نے۔

اگر کوئی رات کو مرے اور رات ہی کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ ہو سکے تو رات ہی کو دفن کر دیں۔ دن کا
انتظار نہ کریں۔ رات کو مردے کا دفن کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات ہی
کو دفن کیے گئے ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رات ہی کو دفن کی گئی ہیں۔ اور اگر رات کے وقت

تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ نہ ہو سکے۔ تو البتہ دن کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور جمعہ کے دن اگر نماز جمعہ کے قبل تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ سے فراغت ہو سکے تو قبل ہی فارغ ہو جانا چاہیئے۔ اور نماز جنازہ میں زیادہ لوگوں کے شریک ہونے کے خیال سے نماز جمعہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ قرابت مند اور دوست احباب کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے موت کی خبر دینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ نے باہم ایک دوسرے کو موت کی خبر دی ہے۔ اور حدیث میں جو نعی کی ممانعت آئی ہے۔ سو نعی کے متعلق موت کی خبر دینا مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح پر موت کی خبر دینا مراد ہے۔ جس طرح بزمانہ جاہلیت میں دستور تھا۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کوئی مرتا تو کسی کو محلوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں بھیجتے وہ گشت کر کے باآواز بلند اس کے مرنے کی خبر کرتا اور نہایہ جزری وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب کوئی شریف آدمی مرتا یا قتل کیا جاتا تو قبیلوں میں ایک سوار کو بھیجتے جو چلا کر اس کی موت کی خبر کرتا کہ فلاں شخص مر گیا یا فلاں شخص کے مرنے سے عرب ہلاک ہو گیا۔ پس موت کی خبر جاہلیت کے اس طریقے پر دینا ممنوع اور ناجائز ہے اور مجرد موت کی خبر دینا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ نے باہم ایک دوسرے کو دی ہے منع نہیں۔

کوئی شخص مر گیا اور اس نے اپنی بیوی کا دین مہر ادا نہیں کیا اور کچھ مال بھی نہیں چھوڑا تو اس صورت میں اس کی بیوی اگر اپنا دین مہر خوشی سے معاف کر دے تو بڑے ثواب کی بات ہے اور اپنے شوہر متوفی پر بہت بڑا احسان کرنا ہے۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی بیوی سے خواہ مخواہ دین معاف کرانا جائز نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ورثا کو لازم ہے کہ اس کی بیوی کا دین مہر اور دوسرے قرض خواہوں کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ جامع ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ یعنی مومن کی روح اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا قرض اس کی طرف سے ادا کیا جائے یعنی مومن قرض دار کی روح جنت میں نہیں داخل ہوتی۔ جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔ مسند احمد میں محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔

اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں نہیں داخل ہو گا۔ یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ نیز مسند احمد میں سعد بن اطول سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا بھائی مرگیا۔ اور تین سو اشرفیاں چھوڑ گیا۔ اور چھوٹے بچوں کو چھوڑا۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ ان اشرفیوں کو ان بچوں پر خرچ کروں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا بھائی اپنے قرض کے ساتھ مقید ہے۔ سو تو اس کا قرض ادا کر سعد بن اطول کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کا کل قرض ادا کر دیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرض دار مرے اور مال چھوڑ جائے۔ تو اس کے وارثوں کو لازم ہے۔ کہ اس کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا ہے۔ تو اگر قرض خواہ لوگ قرض معاف کر دیں یا وارث لوگ یا کوئی اور صاحب اپنی طرف سے ادا کر دیں تو خود بھی بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور میت قرض دار کو بھی قرض کی قید سے رہائی ہو جائے۔

مسلم میں ابو الیسرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْہُ اَظَلَّہُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یعنی جس شخص نے کسی محتاج قرض دار کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا۔ تو اللہ تعالےٰ اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ اور ابو قتادہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں سے اس کو نجات دے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے ایسے شخص کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے جو قرض دار مرتا اور مال نہ چھوڑ جاتا جس سے اس کا قرض ادا کیا جاتا۔ بلکہ صحابہ کو فرماتے کہ تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو۔ پھر جب فتوحات ہوئی۔ اور غنیمت کے مال آئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی قرض دار میت کا قرض خود اپنی طرف سے ادا فرماتے اور اس پہ جنازہ نماز پڑھتے۔

(کتاب الجنائز از صـ ۸ تا صـ ۲۱) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۵۲۲)

مولانا مبارکپوری

ابو العلی عبد الرحمان بن حافظ عبد الرحیم، مبارک پوری مولد و منشا ہے، اساتذہ میں حضرت حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم غازی پوری، حضرت میاں صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ حسین بن محسن انصاری یعنی قابل ذکر ہیں، آپ کے تلامذہ میں مولانا عبید اللہ محدث مبارکپوری شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی اور مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی جیسی نادر روزگار شخصیتیں ہیں، آپ بہت بلند پایہ اخلاق کے مالک تھے، آپ کی ساری عمر نصرت حدیث میں صرف ہوئی، "تحفۃ الاحوذی"، "ابکار المنن"، اور تحقیق الکلام کی تصنیف آپ کے زندہ و جاوید کارنامے ہیں، جماعت اہلحدیث انکے بار احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصانیف ہیں، ۱۶ ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شعر۔ ابو العلی کان فردًا فی محاسنہ عن وصفہا لا وربی یقصر القلم

اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

باب التمنی للموت

سوال۔ شرح الصدور میں یہ حدیث ہے لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِلَّا اَنْ یَّثِقَ بِعَمَلِہٖ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر جب اس کو اپنے عمل پر وثوق ہو دے۔ تو ظاہراً اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنا جو اس وقت جائز قرار دیا گیا ہے۔ کہ جب اپنے عمل پر وثوق ہو دے تو یہ تعلیق محال ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ۔ یعنی پس نکل جاؤ اطراف سے زمین اور آسمان کے اور نہ نکلو گے۔ مگر قوت سے یعنی لیکن تم کو قوت نہیں کہ نکل سکو گے یعنی عمل قبول ہونے کا دارو مدار اخلاق پر ہے۔ اور اخلاق کا دارو مدار اس پر ہے کہ عجب اور ریا نہ ہووے اور اس سے بچنا دشوار ہے تو ثابت ہوا کہ محال ہے کہ عمل پہ وثوق ہو دے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ اور بعضے علما زمانہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیق محال کے ساتھ نہیں اور عمل پہ وثوق ہونا ممکن ہے اور اس وقت جائز ہے کہ موت کی تمنا کی جاوے

جواب۔ یہ جو حدیث شریف میں ہے لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِلَّا اَنْ یَّثِقَ بِعَمَلِہٖ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر اس وقت کہ اپنے عمل پہ وثوق ہووے تو اس حدیث کا ظاہری یہی معنے ہیں کہ تحریر فرمایا ہے یعنی تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے اور اس کی تین دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ روایت صحاح میں نہیں۔ دوسری کتاب میں ہے۔ اور عموم نہی کی روایت صحاح میں ہے تو عموم بہتر ہوا۔ تو چاہیئے کہ یہ روایت تعلیق بالمحال پہ حمل کی جائے۔ تا دونوں طرح کی روایات میں تا امکان تطبیق ہووے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ صحاح میں عموم نہی کی جو روایات ہیں ان کی علت عام ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو اپنے عمل پہ وثوق ہوے۔

نہ کہ اس کے حق میں بھی منع ہے۔ کہ موت کی تمنا کرے۔ اور جو حکم ایسا ہووے کہ شارح کے کلام میں اس کی عام علت مذکور ہووے تو اس حکم کی تخصیص جائز نہیں اور وہ روایت کہ اس میں عام علت مذکور ہے یہ کہ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ يَنْزِلُ بِهٖ اِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَتُوْبَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے۔ موت کی تم میں سے کوئی سبب کسی تکلیف کے کہ اس پر واقع ہوئے اس واسطے کہ وہ شخص یا گناہ گار ہے۔ تو شاید آئندہ توبہ کرے۔ اور یا نیک ہے تو شاید اس کی نیکی اور زیادہ ہوئے یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ جس کو اپنے عمل پر وثوق ہوگا۔ ضرور ہے کہ وہ اپنے کو نیک جانتا ہوگا۔ اور نیک کے حق میں بھی موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ اس واسطے کہ پھر موت کے بعد ممکن نہ ہوگا۔ کہ نیکی میں زیادتی ہوئے۔ اور یہ علت اس شخص کے حق میں موجود ہے کہ اس کو اپنے عمل پر وثوق ہوئے، تو اس کے حق میں بھی نہی ثابت ہوئی البتہ اگر نہی کی علت ہوتی کہ اس میں تردد ہوئے کہ موت کے بعد کیا حال ہوگا یعنی عذاب ہوگا۔ یا راحت ہوگی۔ تو اس صورت میں اگر عمل پر وثوق ہوئے۔ تو نہی کی علت منتفی ہو جاتی ہے۔ لیکن فی الواقع نہی کی علت یہ ہے کہ موت کے بعد عمل موقوف ہو جائیگا، تو اس علت میں عمل پر وثوق ہونے کو کچھ دخل نہیں تو یہی امر متعین ہوا کہ سوال میں جو حدیث مذکور ہے اس میں تعلیق بالمحال ہے۔ اور تیسری[2] دلیل یہ ہے کہ اگرچہ از روئے عقل کے محال نہیں عمل پر وثوق ہوئے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ باعتبار عادت کے ضرور محال ہے۔ چنانچہ یہ مخفی نہیں اور اگر فرض کیا جائے کہ عادۃً بھی محال نہیں تو اس صورت میں بھی ضرور ہے کہ شرعاً محال ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يُنَجِّيْ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجات نہ دے گا تم میں سے کسی کو عمل اس کا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کا عمل بھی آپکے نجات کے لئے کافی نہ ہوگا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ چشم پوشی کرے۔ اللہ میرے حق میں اپنی رحمت کے سبب سے اور حسن بصری نے کہا ہے لَا يَخَافُ النِّفَاقَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يَاْمَنُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ یعنی نفاق سے کوئی نہیں ڈرتا ہے۔ مگر مؤمن ڈرتا ہے۔ اور نفاق سے کوئی بے خوف نہیں ہوتا ہے۔

مگر منافق بے خوف ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی بخاری کی تعلیقات میں ہے قاصد نہایت مستعجل تھا۔ لہذا اپنے حسب خواہ تفصیل فقیر لکھ نہ سکا۔ فقط فتاویٰ عزیزی جلد ۲ ص ۱۵۸/۱۵۹۔

موت کی دعا کرنا

(شیخ الحدیث حضرت مولٰنا عبد السلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ)

سوال۔ مصیبتوں میں گر کر موت کی دعا کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ موت مانگنے سے موت نہیں آیا کرتی۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے کہ إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ اس وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موت کے آنے کے لئے دعا کرنا قبل از وقت فضول ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا یتمنیٰ احدکم الموت اما محسنا فلعلہ ان یزداد خیرا و اما مسیئا فلعلہ ان یستعتب (رواہ البخاری) کوئی شخص تم میں سے مرنے کی آرزو نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو درازی عمر کی وجہ سے ممکن ہے زیادہ بھلائی کرے اور اگر بُرا ہے تو توبہ و استغفار کر کے خدا کو راضی کرے اور ایک حدیث میں اس طرح سے فرمایا۔ لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لابد فاعلا فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیوۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی۔ (بخاری و مسلم) جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مرنے کی آرزو نہ کرے۔ اور اگر وہ آرزو کرتا ہے۔ تو اس طرح کر سکتا ہے کہ اے اللہ اگر میرا زندہ رہنا میرے حق میں اچھا ہے۔ تو زندہ رکھ۔ اور اگر مر جانا میرے حق میں بہتر ہے تو مجھے موت دے دے۔

ان حدیثوں سے موت کی آرزو کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن فتنے کے خوف کی وجہ سے آرزو جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ (بخاری) اے اللہ تو اپنے راستے میں مجھے شہادت نصیب فرما۔ اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت کر۔

اور حب لقاء اللہ کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی

تھی۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ یا حضرت مریمؑ نے کہا تھا۔ یَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا اور معاذؓ کی حدیث میں ہے وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ اور مسند احمد میں حدیث ہے یکرہ الموت والموت خیر للمؤمن من الفتن حضرت علیؓ نے ہجوم فتن کے وقت دعا کی اَللّٰهُمَّ خُذْنِيْ اِلَيْكَ فَقَدْ سَئِمْتُهُمْ وَسَئِمُوْنِيْ امام بخاریؒ کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِيْ اِلَيْكَ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گذرے گا۔ اور فتن وزلازل کو دیکھ کر کہے گا۔ يَا لَيْتَنِيْ مَكَانَكَ کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف) اے زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا دنیا اور آخرت میں کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام پر مار اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں فرمایا تھا۔ اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى۔ خلاصہ یہ کہ حدیث اور قرآن مجید کے اشارو سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی حالت میں موت کے لئے دعا کر سکتا ہے لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا۔ الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۴۰۔

حالات مولانا عبد السلام بستوی مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں ریاض نبوت علی صاحبہا السلام کے کے پھول بکھیرنے والے اس شیخ الحدیث نے حضرت مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی سے بھی کسب فیض کیا تھا، اور علاوہ ازیں دیگر اساتذہ سے بھی حدیث کی سند حاصل کی تھی خود ہی اپنے حالات مشکوٰۃ شریف کی اپنی اردو شرح "انوار المصابیح" میں قلمبند فرماتے ہیں کئی تبلیغی واصلاحی کتابوں کے مصنف ہیں "اسلامی خطبات" ان کی بڑی معروف کتاب مدت تک رسالہ "الاسلام" کے ذریعے توحید وسنت کی اشاعت کرتے رہے دہلی مرحوم میں قال اللہ وقال الرسول کی آخری آواز اور عظمت رفتہ کی یادگار شخصیت تھی ۱۳۹۲ھ میں وفات پا گئے شاہ ولی اللہ سے لیکر میاں نذیر حسین محدث تک دہلی میں جو صدا گونجتی رہی تھی اس شخصیت وہ خاموش ہوگئی۔ وغلب الخمدون کے ...

باب المحتضر

سوال۔ جب کسی شخص کو مرض الموت میں گمان ہو جائے کہ اب زندگی کی امید نہیں دو ایک روز میں یا اس سے کچھ زیادہ دن میں فوت ہو جائے گا۔ تو اس وقت موت کے قبل جب تک مریض کا ہوش و حواس باقی رہے۔ اس کو کیا کرنا چاہیئے یا ورثہ مریض کو اسکی رفاہیت اور نجات کے لیئے کیا کرنا چاہیئے۔

جواب۔ جب مریض زندگی سے مایوس ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب جلد موت ہو جائے گی۔ تو اس کے وارثوں کو چاہیئے کہ پہلے غسل یا وضو یا تیمم کے ذریعہ سے بخوبی پاک کریں اور اس کو چارپائی پر قبلہ رو لٹا دیویں۔ اور اُس کے نزدیک نشست و شود وغیرہ کر کے پاک صاف کر دیویں اور اُس کے نزدیک گلاب چھڑکیں۔ اور وہاں عطر و خوشبو سے معطر کریں۔ دنیا اور باقی ماندہ لوگوں کا ذکر و فکر اس کے سامنے موقوف کریں۔ گریہ زاری ہرگز نہ کریں۔ اور زن و فرزند وغیرہ اس کے متعلقین کو اس کے روبرو نہ کریں۔ اگر وہ خود یاد کرے۔ تو دو ایک مرتبہ ان لوگوں کو اُس کے سامنے لے آویں۔ اور اس کے سامنے ہمیشہ کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھتے رہیں۔ تا خود اس کو یاد آجائے۔ اور وہ بھی پڑھے اور اس کو تاکید نہ کریں کہ کلمہ اور استغفار پڑھو۔ بلکہ خود وقتاً فوقتاً کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھا کریں تا اس کو یاد آجاوے اور قبر کی سختی اور حساب کا خوف اور آخرت کی شدت اُس کے سامنے ذکر نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالے کی وسعت رحمت کا ذکر کریں۔ اور گناہوں کی بخشش کا تذکرہ کریں۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت کا ذکر کریں۔ اور ارواح صالحین خصوصاً مشائخ اور پیرانِ

طریقت کا تذکرہ اُس کے روبرو کریں۔ اور وہ امور ذکر کریں کہ اس سے گناہ گاروں کے گناہ زائل ہوتے ہیں۔ اور یہ ذکر کریں کہ قلیل اعمال بھی قبول ہو جاتا ہے۔ تا خوف پر اُس کی امید غالب ہووے۔ اور جو کچھ اُس وقت وصیت کرے۔ وہ خوشی دلی سے قبول کریں۔ اور ضامن ہو جاویں۔ کہ یہ وصیت ضرور ضرور بجا لائیں گے۔ تا اس کا دل متردد نہ ہووے اور اُس کے روبرو سورۂ یٰسٓ اور سورۃ الحمد اور سورۂ قل ہو اللہ احد پڑھیں۔ اور گاہ گاہ سورتیں اور آیات قرآنی پڑھا کریں۔ (فتاوی عزیزی جلد ۱ صـ ۴۲۲/۴۲۳)

سوال۔ کیا یہ بھی ممکن ہے۔ مالک ملک ملک الموت کو کسی بندے کی طرف بھیجتا ہے۔ بندہ بجائے یقین حکم کے ملک الموت کو طمانچہ مارے اس کی آنکھ پھوڑ دے۔ پھر وہ فرشتہ خدا کے پاس جائے۔ اور خدا ان کی آنکھ ٹھیک کر دے۔ پھر اس کو اسی کی طرف ارسال فرمائے۔ جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ (پارہ ۵ ۔ باب الجنائز)

جواب۔ بخاری شریف کی حدیث، جس کو آپ نے نقل کیا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عزرائیل کسی نبی کی جان اس کے اذن کے بغیر قبض نہیں کر سکتا۔ اس واسطے تعمیل حکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابھی ملک الموت نے جان قبض کرنے کا۔ اذن نہیں لیا تھا۔ حقیقت میں تو اللہ تعالےٰ ہی جان قبض کرتا ہے۔ ملک الموت کی طرف بھی جان قبض کرنے کی نسبت آتی ہے۔ کیونکہ حاکم ملک الموت اَلَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ الآیۃ (السجدہ) پھر جب فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ تو اس وقت اس کے اعضاء مثالی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ مثالی صورت جو سامنے نمودار ہوتی ہے تو اس کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ فرشتہ عناصر ہی سے شکل بنالیتا ہے۔ اب شکل عنصری جو ملک الموت نے بنائی تھی۔ اس میں نقص پیدا نہ ہوا ممکن ہے کہ اب شکل کا اثر مستعل کی ذات پر کبھی پڑا ہو۔

الاعتصام جلد ۱۱ ۔ شمارہ ۱۲۔

حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی

باب الغسل والکفن والدفن

سوال: ہر شخص کے حق میں یہ سنّت ہے یا نہیں کہ کفن کے واسطے کپڑا اپنے پاس رکھے، بعض کا یہ قول ہے کہ ایک برس سے زیادہ کفن کا کپڑا نہ رکھنا چاہیئے جب ایک سال گزر جائے تو وُہ کپڑا کسی دوسرے کو دیدے اور دوسرا کپڑا کفن کے واسطے اپنے پاس رکھے؟

جواب: اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک ہی کپڑا برسوں رہ جائے مگر ایسا پرانا نہ ہو جاوے کہ مردہ کو اسمیں لپیٹنے سے اس کے پھٹ جانے کا خوف ہو۔ جب ایسا پُرانا ہو جاوے تو اسکو فقیر کو دیدے یا اپنے مصرف میں لے آوے اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ صحیح بخاری میں سہیل سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک چادر بنی ہوئی لے آئی اسمیں حاشیہ بھی تھا، اس عورت نے یہ کہا کہ میں نے یہ چادر اپنے ہاتھ سے بُنی ہے، اس امید سے یہ چادر لے آئی ہوں کہ آپ اس کو اپنے مصرف میں متصرف فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وُہ چادر لے لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اس چادر بطور لُنگی کے پہنے ہوئے اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے، حاضرین مجلس میں سے ایک اصحابی نے اس چادر کی بڑی تعریف کی اور یہ کہا کہ مجھ کو دے دیجئے، یہ چادر بہت بہتر ہے لوگوں نے اس سے کہا کہ آپؓ نے یہ اچھا نہ کیا آنحضرتؐ سے یہ چادر مانگی اور آپ یہ جانتے تھے کہ آنحضرت سوال کو رد نہیں فرماتے، انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ چادر اس غرض سے مانگی ہے کہ بالفعل اس کو میں اپنے مصرف میں لے آؤں اس غرض سے مانگی ہے کہ میرے کفن میں یہ چادر کام آوے۔ سہیلؓ نے کہا کہ وُہ چادر ان کے کفن میں کام آئی۔ (فتاوٰے عزیزی صہ ۱۹ جلد اوّل)

سوال: بعض بعض جہلا کہتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ سے کوئی انتقال کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اُس کو غسل دیتے ہیں اور دفن کرنے کے لیے آتے ہیں۔ تو جو لوگ ایسا اعتقاد رکھیں اُن کے بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

جواب : اُن لوگوں کا یہ قول بلا دلیل ہے قبول نہ کرنا چاہیئے اور اس قول کے قائل کو جاننا چاہیئے کہ مسائل میں جائل ہے۔ (فتاوٰی عزیزی جلد ۲ صہ ۲۶۴)

سوال : عورت کے جنازہ پر سوائے کپڑوں مقررہ کے جو ایک دوسری چادر بلحاظ پردہ کے اوپر ڈالی جاتی ہے اور وقتِ دفن کے اُتار لی جاتی ہے اِس کا ثبوت ہے یا نہیں ؟

جواب : اس چادر کا احادیث سے کہیں پتہ و نشان نہیں ملتا۔ اس کا منشا محض لوگوں کا رسم و رواج معلوم ہوتا ہے بہر حال اِس چادر کو مقررہ کپڑوں کے مانند ضروری قرار دینا یا مسنون باعثِ حصول ثواب خیال کرنا بالکل غلط جہالت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

(مولانا) عبد الجبار عمر پوری (فتاوٰے عمر پوری صہ ۱۲)

توضیح الکلام : عدم ذکر مستلزم عدم جواز کو نہیں ہے، یہ چادر مسنون یا باعثِ ثواب یا کفن کی جز خیال کرکے نہیں ڈالی جاتی، چادر بغیر میت بدنما معلوم ہوتی ہے۔

ہاں یہ منقش چادر جس پر آیاتِ قرآن بھی لکھی ہوتی ہیں باعثِ برکت اور ثواب کے ڈالی جاتی ہے، بدعت اور باعثِ بے ادبی ہے۔ فافہم وتدبر (سعیدی)

سوال ۱: کیا یہ صحیح درست اور صحیح ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں ؟

۲: کیا مالِ زکوٰۃ کو میت کی فاتحہ اور درود وغیرہ دوسرے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں ؟

۳: کیا مالِ زکوٰۃ اس میت کی فاتحہ وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں جس مرے ہوئے کو مدت ہوگئی۔

۴: کیا انبیاء کرام خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاءِ عظام کی فاتحہ وغیرہ میں مالِ زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں

جواب : ہاں یہ درست اور صحیح ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے کسی میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں ہے۔ ولا یجوز ا یکفن بها میت ولا یقضی بها دین المیت کذا فی التبیین۔ (عالمگیری)

۲، ۳، ۴ مروجہ فاتحہ یعنی آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا اور اس کا ثواب اموات ک پہنچانا بدعت ہے۔ جس سے اجتناب ضروری ہے، ہاں بغیر اس طریقہ کے للہ فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑ

پہنا کر اس کا ثواب میت کو پہنچانے کی نیت کرنا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن مال زکوٰۃ کو کسی میت قدیم یا جدید یا ولی یا نبی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کے لیے خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کیے گئے ہیں۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ میت کو ثواب پہنچانا ان مصارف ہشتگانہ میں داخل نہیں ہے۔ پس مالِ زکوٰۃ سے ایصالِ ثواب اموات ناجائز ہے۔ (محدث دہلی جلد ۲ ش ۱۷)

توضیح الکلام فتاویٰ علمائے کرام: علامہ مجیب نے جواب ۱ میں قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ سے کوئی دلیل پیش نہیں کی، صرف فتاوےٰ عالمگیری کی مجمل عبارت پر اکتفاء کیا ہے جس کے حجت ہونے پر نظر ہے اور آیت "انما الصدقات للفقراء" میں فقہاء نے لام تملیک کے لیے مراد لیا ہے۔ وہ بھی بے سند اور بے دلیل ہے کیوں کہ لام کے اکیس بائیس معنی آتے ہیں۔ لام استحقاق کے لیے بھی آتا ہے اور لام بمعنی فی آتا ہے اور لام بیان کا بھی آتا ہے۔ لہٰذا یہ لام مشترک المعنی ہوا، جیسا کہ اصولِ فقہ میں ہے۔ اور لفظ مشترک المعنی کو بلا دلیل معین کرنا جائز نہیں اور لام تملیک مراد لینا اس حدیث کے خلاف ہے۔ اما خالد فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتادہ فی سبیل اللہ۔ اور آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ میں لام بیان کے لیے ہے نہ تملیک کے لیے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: وفیه مصیر منه الی ان اللام فی قوله للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک (فتح الباری ۲۳۱) جس محتاج کے لیے زندگی میں عشر زکوٰۃ حلال اور جائز ہے تو اس کے مرنے کے وقت کے وقت کفن دفن میں عشر زکوٰۃ استعمال کرنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب (سعیدی)

سوال: اگر کسی کے منہ میں مصنوعی دانت لگے ہوں اور وہ اسی حالت میں فوت ہو جائے تو کیا غسل کے وقت ان دانتوں کو نکال دیا جائے یا اسی طرح اس میت کو دفنا دیا جائے؟

جواب: اگر میت کا منہ بآسانی کھل جائے تو مصنوعی دانتوں کو نکال دینا چاہیے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے، جس طرح کہ مرد و عورت کے زیورات وغیرہ اتار لیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۲۱

سوال: آج کل جنگی مصائب کا جو حال ہے وُہ کسی سے مخفی نہیں ہے، مُردوں کے لیے بر وقت کفن ملنا بعض مقامات میں بہت ہی دشوار ہے۔ بمشکل اگر ملتا ہے تو لٹّھا نہیں ملتا، بلکہ اَور کپڑے ملتے ہیں۔ بعض دفعہ سیاہ یا سُرخ کپڑا دستیاب ہوجاتا ہے لیکن سفید نہیں ملتا ہے۔ بعض دفعہ کپڑا اس قدر کم ملتا ہے کہ کفن کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں کفن کے لیے کیا صورت ہونی چاہیئے، اگر تین کپڑے یا دو نہ مِل سکیں تو کیا صرف ایک ہی کپڑے سے کفن دینا جائز ہوگا؟

جواب: حدیث میں سفید کپڑے سے کفن دینے کی فضیلت آتی ہے۔ لیکن اگر سفید کپڑے وقت پر مہیا نہ ہوں، تو رنگین کپڑے میں کفن دیا جا سکتا ہے۔ پُرانے استعمال شدہ سے بھی کفن دینا جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا، کہ مجھے میرے پُرانے کپڑوں میں کفن دینا۔ (بخاری شریف) اگر پورے کپڑے کفن کے لیے وقت پر نہ مل سکیں تو صرف ایک ہی کپڑا کفن میں دیا جاسکتا ہے۔ جنگ احد میں ستر صحابہ کرام شہید ہوگئے تھے ان کے ہمراہ مصعب بن عُمیر رضؓ بھی شہید ہوئے۔ مُسلمانوں میں اس قدر غربت تھی، کہ شہداء کے پورے کفن کا انتظام نہ کرسکے حضرت مصعب رضؓ کو صرف ان کی ایک کمبل میں کفنایا گیا۔ وُہ اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سر کی طرف سے اُن پر اُٹھائی گئی، تو دونوں پیر کھُل گئے اَور جب پیر کی طرف لگائی گئی تو سر کھُل گیا تو اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا سر اَور اگلا حصّہ کمبل سے ڈھانک دو اَور دونوں پیروں کی طرف گھاس لگا کر دفن کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آج کل خدانخواستہ اگر ایسی مجبوریاں پیش آجائیں تو صورت مرقومہ بالا سے جو بھی میسّر ہوجائے اسی طرح کفن دیکر دفن کردینا چاہیئے۔

مولانا محمد یونس صاحب دہلوی رحؒ — اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۱۳

سوال: ایک عورت عرصہ طویل بیمار رہ کر فوت ہوگئی اس کے بال زیر ناف کے متعلق کیا حکم ہے، مونڈنے چاہیئے یا اسیطرح دفن کردیں، مرد، عورت دونوں کے متعلق وضاحت فرمادیں؟

جواب: ویسے ہی دفن کردینا چاہیئے، کیوں کہ مرنے کے بعد اعمال ختم ہوجاتے ہیں۔ صرف غسل پر اکتفا کرنا چاہیئے اِذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ صرف تین چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ صدقہ جاریہ، اَور نیک اولاد جو اس کے دُعا کرے اَور علم جو چھوڑ جائے۔ اگر یہ امر ضروری ہوجائے تو شارع سے اس کا ثبوت ہونا چاہیئے۔ صرف مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے۔ اَور باقی تین ائمہ اس کے قائل نہیں۔ (دیکھو فقہ المذاہب الاربعہ) (الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۳۸)

سوال : والدہ کی میت کو اس کے بیٹے نے غسل دیا، باوجودیکہ اس کے بیٹے کی بیوی موجود تھیں، ایسی صورت میں بیٹے نے ماں کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب : سبل السلام میں ہے: واما فی الاجانب فانہ اخرج ابوداؤد فی المراسیل من حدیث ابی بکر بن عیاش عن محمد بن ابی سہل عن مکحول قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ماتت المرأۃ مع الرجال لیس فیہم امرأۃ غیرھا والرجل مع النساء لیس معھن رجل غیرہ فانھما یتیممان ویدفنان وھما بمنزلۃ من لا یجد الماء انتھی محمد بن سہل ھذا ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال البخاری لا یتابع علی حدیثہ وعن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وفی اسنادہ اختلاف ص۱۹۳۔

یعنی مکحولؒ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت مر جائے اور کوئی دوسری عورت وہاں نہ ہو یا مرد مر جائے اور کوئی دوسرا مرد وہاں نہ ہو تو تیمم کر کے دفن کر دیے جائیں اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ران ننگی نہ کر اور کسی کی ران کی طرف نہ دیکھو خواہ زندہ ہو یا مردہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی کے سوا کوئی مرد عورت کو اور کوئی عورت مرد کو غسل نہ دے جس شخص نے ماں کو غسل دیا ہے اُس نے بہت بُرا کیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوے اہلحدیث روپڑ ص ۴۵۴/۲)

سوال : ایک عورت مر گئی، اس کو خاوند نے غسل دیا، باوجودیکہ اس کی قریبی عورتیں اس مجمع میں موجود تھیں ایسی موجودہ صورت میں اس کے خاوند کا اس عورت کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب : خاوند بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا تھا۔ منتقی میں ہے: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جنازۃ بالبقیع وانا اجد صداعاً فی رأسی واقول وارأساہ فقال بل انا وارأساہ ما ضرک لو مت قبلی لغسلتک وکفنتک ثم صلیت علیک ودفنتک رواہ احمد وابن ماجۃ وعن عائشۃ انھا کانت تقول لو استقبلت من الامر ما استدبرت ما غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا نساءہ۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ وقد ذکرنا ان الصدیق اوصی اسماء زوجتہ ان تغسلہ فغسلتہ۔ (باب ماجاء فی غسل احد الزوجین للآخر)

یعنی عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ سے لوٹے اور میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلکہ میرے سر میں درد ہوتا ہے اگر تو مجھ سے پہلے مرجاتی تو میں تجھے غسل دیتا اور کفن دیتا، پھر تجھ پر نماز جنازہ پڑھتا اور تجھے دفن کرتا۔ نیز عائشہ رضہ سے روایت ہے فرماتی تھیں اگر ہمیں پہلے خیال آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا اور حضرت ابوبکر صدیق رض نے وفات کے وقت اپنی بیوی اسماء کو وصیت کی کہ وہ غسل دے، پس اس نے حضرت ابوبکر صدیق رض کو غسل دیا نیل الاوطار میں ہے، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اَنَّ الْمَرْأَةَ يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا اِذَا مَاتَتْ وَهِيَ تُغَسِّلُهُ قِيَاسًا وَلِغَسْلِ اَسْمَاءَ لِاَبِي بَكْرٍ كَمَا تَقَدَّمَ وَعَلِيٍّ لِفَاطِمَةَ كَمَا اَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَاَبُوْنُعَيْمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ وَلَمْ يَقَعْ مِنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ اِنْكَارٌ عَلَى عَلِيٍّ وَاَسْمَاءَ فَكَانَ اجْمَاعًا۔ جلد ۳ ص۲۵۷۔ یعنی اس دلیل ہے کہ مرد اپنی عورت کو غسل دے سکتا ہے اور عورت بھی اسی دلیل سے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیوں کہ خاوند بیوی کا ایک پردہ ہے، جیسے مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے، عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ نیز اسماء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے حضرت ابوبکر رض کو غسل دیا اور حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ رض کو غسل دیا اور صحابہ سے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، پس اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ عبداللہ روپڑی (فتاوے اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص۴۳۱)

سوال: موتی کے دفن کرنے میں جلدی کی جائے یا دیر، زید کہتا ہے کہ جلدی کرنا چاہیے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تین کاموں میں جلدی کیا کرو، جس میں سے ایک جنازہ بھی ہے۔ مگر بکر کہتا ہے کہ دیر کی جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دو دن کے بعد دفن کی گئی، اگر یونہی ہوتا تو صحابہ رض جو حدیث کے یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کو بغیر دفن کیے ہوئے دو دن تک کیوں رکھتے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا کہنا ٹھیک ہے یا بکر کا؟

جواب: حدیث میں حکم یہی ہے کہ میت کو جلدی دفن کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے میں اس لیے دیر ہوئی تھی، کہ نعش مبارک حجرے میں تھی جہاں دفن ہونی تھی لوگ جوق در جوق آتے اور باری باری نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ اس سے اصل حکم میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

شرفیہ: صرف جنازہ پڑھنے کی وجہ یہ نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ شاہی دستور ہے کہ جب تک جانشین نہ مقرر ہوجائے تب تک نعش شاہی دفن نہیں کی جاتی۔ اور اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق پر نہ تھا، مگر رسالت اور خصوصاً آپ کی رسالت جو اَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ کَآفَّۃً الایۃ عام تھی کہ آپ کے بعد خلافت راشدہ شاہان دُنیا سے اعلیٰ تھی۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ خلیفہ کے تعین و تقرر میں مشغول تھے ملاحظہ ہو بخاری ص۵۱۸ ج۱ ابوسعید شرف الدین دہلوی فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل ص۵۳۱

سوال: شوہر اپنی بیوی مرحوم، یا بیوی شوہر مرحوم کو بعد انتقال غسل بلا عذر دے سکتے ہیں یا نہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعد موت عورت مرد پر یا مرد عورت پر حرام ہوجاتی ہے اس وجہ سے غسل دینا کیا معنی چھونا تک حرام ہے؟

جواب: جائز ہے۔ حضرت علی رضؓ نے فاطمۃ الزہراؓ کو غسل دیا تھا۔ اللہ اعلم

تعاقب (مولانا محمد یونس صاحب محدث دہلوی) جواب طلب یہ امر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمۃ الزہراؓ کو غسل دینے کا ثبوت جس حدیث میں مرقوم ہے کتب حدیث کا حوالہ مکمل ومفصل تحریر فرمادیں۔ میرے ایک دوست حنفی بھائی نے اعتراض کیا ہے۔ کہ کس حدیث میں حضرت علیؓ کے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو غسل دینے کا مرقوم ہے۔ جواب مدلل ہونا چاہیئے۔

جواب: حضرت علی رضؓ والی روایت مسند امام شافعی اور دار قطنی میں ہے[1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو فرمایا تھا اگر تو میرے سامنے فوت ہوئی تو میں تجھے غسل دوں گا۔ (ابن ماجہ) اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۳۱)

تعاقب: (مولانا محمد یونس صاحب محدث دہلویؒ) کسی سائل نے مُردہ مرد و عورت کے کفن کے متعلق دریافت کیا ہے۔ جس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔ مُردہ مرد کو تین چادریں فقط نیچے اوپر۔ اور عورت کو تین چادریں ایک سینہ بند ایک سربند کفنی وغیرہ وغیرہ نہیں، بس یہی سنت ہے۔ یہی افضل ہے۔

اس جواب میں آپ نے مُردہ عورت کو کفنی، کرتہ دینے سے انکار کیا ہے۔ حالاں کہ کرتہ مُردہ عورت کو کفن

---

[1] صہ ۴۹۱ مع تعلیق انصاری دہلوی

میں دینا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسند امام احمد و سنن ابی داود میں ہے: عن لیلی بنت قانف الثقفیة قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند وفاتها وکان اول ما اعطانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد ذالک فی الثوب الاخر قالت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس عند الباب معه کفنها یناولنا ثوبا ثوبا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علاوہ سربند و سینہ بند و دو چادروں کے کرتہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں روایت روایت کے نیچے لکھتے ہیں والحدیث یدل علی المشروع فی کفن المراة ان یکون ازاراً و درعاً و خماراً و ملحفة و ددجا۔ نیز اسی طرح فقہاء احناف بھی کرتہ دینے کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو، ہدایہ اوّلین صـ ۱۵۹ و دیگر کتب فقہ، خلاصہ یہ کہ عورت کو دو چادر اور ایک کرتہ کفنی اور ایک تہہ بند یعنی سینہ بند اور ایک سربند کفن میں دینا مسنون ہے۔

جواب تعاقب مفتی حدیث پیش کردہ باوجود مجروح ہونے کے مجھے مسلم ہے۔ (فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل صـ ۵۳۱)

سوال: میت کو قبر میں دفن کرنے کے وقت ایک صاحب نے پیر کی جانب سے مٹی دی، دوسرے صاحبوں نے اسکو جماعت سے الگ کر دیا۔ کیا پیر کی طرف سے مٹی دینا گناہ ہے؟

جواب: پیر کی جانب سے مٹی ڈالنا منع نہیں ایسا کرنا (جماعت سے الگ کرنا) بالکل بے جا ہے۔

(فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل صـ ۵۴۴)

سوال: اپنی مرنے والی بیوی کو مرد قبر میں اُتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اُتار سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو فرمایا اگر تو میرے سامنے مرے تو میں تجھے غسل دوں گا۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا تھا۔ اُتارنا تو بہت آسان ہے۔ (فتاوٰی ثنائیہ جـ ۱ صـ ۵۴۴)

سوال: بعد دفن میت کونسی دُعا پڑھی جائے بعض لوگ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ الخ اور بعض سورۃ بقر کا اوّل و آخر سرہانے و پائیں پڑھتے ہیں۔ ان کا ذکر شرع شریف میں ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

قبر پر کھڑے ہو کر دیر تک یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل صد ۵۴۵)

سوال: کیا میّت کے غسل دینے والے پر کیا خود بھی غسل کرنا واجب ہے؟

جواب: ایک حدیث میں ہے جو میّت کو غسل دے وُہ غسل کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے واجب نہیں۔ **شرفیہ**: الحدیث الذی فیه امر الغسل رواه الخمسة لکن فی رفعه و وقفه صحته اختلاف وایضا فیه الاثار التی تدل علی عدم الوجوب فلهذا حمله العلماء علی الاستحباب کما فی نیل الاوطار

ابوسعید شرف الدین دهلوی (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صد ۵۴۳)

سوال: مُردے کے گھڑے کو دفن کرنا مع کپڑوں کے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ کوئی حکم نہیں، بلکہ منع ہے۔ جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کو قبر کے اندر رکھنا منع ہے، دوم مال کا ضائع کرنا ہے۔ فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل صد ۵۴۲

سوال: دو تین مُردوں کو ایک قبر میں بغیر جہاد کے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جہاد کے سوا کسی اَور موقع پر ایسا ہونا مجھے یاد نہیں۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل صد ۵۴۲)

توضیح الکلام: جہاد کے موقع پر کئی مردوں کو ایک قبر میں دفن کرنا نص صریح سے ثابت ہے، ہیضہ طاعون وغیرہ کی وجہ سے بکثرت اموات ہو جائیں تو کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے کیوں کہ جو علّت جہاد کے موقع پر جمع کرنے کی ہے وہی علّت ان بیماریوں میں ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

سوال: عورت کے لیے تہہ بند، چادر، لفافہ، کرُتہ وغیرہ پانچ کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے، اس صورت میں کس طرح تہہ بند دیا جائے لفافہ کے اوپر یا نیچے؟

جواب: عورت کے پانچ کپڑے یہ ہیں: تین چادریں، ایک سینہ بند، ایک سر کے بالوں کے باندھنے کا، ان میں تہہ بند کوئی نہیں۔ اللہ اعلم (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل صد ۵۴۱)

سوال : ایک مومن اور ایک کافر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں۔ اس مکان میں آگ لگ گئی اور دونوں ایسے جلے کہ شناخت نہیں ملتی۔ اب ان کی تجہیز و تکفین جنازہ کیسے کیا جاوے؟

جواب : حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں کافر اور مومن دونوں ہوتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سلام علیکم کہدیا کرتے تھے۔ اس قاعدہ کے مطابق دونوں کو غسل دیکر سامنے رکھ کر جنازہ پڑھیں اور یہ نیت کریں کہ جو ان میں سے جنازہ کے لائق ہے اس کا پڑھتے ہیں۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۵۴۴)

سوال : ایام چھ سات ماہ میں اگر بچہ پیدا ہوا اور وقت تولد وہ مُردہ ہو، تو اس حالت میں اسکو غسل کفن نماز وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب : حدیث شریف میں ہے جو بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر آواز دے کر مرے اس کا جنازہ پڑھا جائے جو آتنا بھی نہ ہو، اس کو یونہی دفن کر دینا چاہیئے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۵۴۵)

سوال : میت کو بوقت غسل تین بار اُٹھا کر بٹھلانا اور کلوخ کرانا کیسا ہے۔ غسلِ میت کس طرح ہے؟

جواب : میت کو بٹھلانا اور کلوخ دینا کوئی سنّت امر نہیں، غسل مسنونہ یہی ہے کہ پہلے میت کو اعضائے وضو دھوئے، پھر سارے بدن پر پانی بہا دیا جائے اور بس۔ (فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۵۴۵)

سوال : میت کو عمامہ پہنانا کیسا ہے بعض آدمی میت کو عمامہ دیتے ہیں؟

جواب : میت کو عمامہ پہنانا قرونِ خیر سے ثابت نہیں، لہٰذا بدعت ہے۔ میت کو صرف چادروں میں لپیٹنا چاہیئے تین چادریں ہوں یا دو۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۵۵۰)

سوال : شیعہ اور دیگر اہل بدعت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب : شیعہ کے کئی فرقے ہیں، ایک زیدی کہلاتے ہیں۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہؓ کو گالی نہیں دیتے نہ ان کو منافق کہتے ہیں، بلکہ صرف حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ و دیگر صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ تو ایسے شیعہ

کافر نہیں۔ ان کا جنازہ اگر کوئی پڑھے تو کوئی حرج نہیں، لیکن پڑھنا اچھا نہیں، کیوں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت نہیں رہتی۔ بلکہ ان کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ کے لیے مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے زیدی شیعہ تو اس سے کئی درجہ بُرے ہیں۔ ان کا جنازہ بطریق اولےٰ نہ پڑھنا چاہیئے اور جو شیعہ حضرات ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو گالی دیتے ہیں اور کہتے ہیں ان کا ایمان منافقانہ تھا۔ تو ایسے شیعہ کافر ہیں اور کافروں کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکَافِرِیْنَ (المص رکوع ۶) یعنی کافروں پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔ اسی طرح مُشرک کی بابت فرمایا ہے۔ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ۔ (سورۃ مائدۃ رکوع ۱۰) یعنی جو شرک کرے اس پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کر دی" جب جنت حرام ہے تو نماز جنازہ کاہے کے لیے ہوگی۔ دوسری آیت میں ہے: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحَابُ الْجَحِیْمِ (پارہ ۱۱ رکوع ۳) یعنی نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں، خواہ ان کے رشتہ دار ہوں جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں" اس آیت میں مشرکوں کے لیے بخشش نہ مانگنے کی وجہ بتائی ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ یعنی ان کو دوزخ سے کسی وقت نجات نہیں۔ پس جس شخص کی کسی وقت نجات کی امید نہ ہو، اس کے لیے بخشش کی دُعا کرنی منع ہے۔ اور شیعہ مذکور چونکہ کافر ہے۔ اس کی نجات کی بھی امید نہیں۔ پس اس کی بابت بھی بخشش کی دُعا منع ہے، حدیث میں ہے: اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوْسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ رواہ احمد وابو داؤد مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر۔ یعنی تقدیر سے انکار کرنے والے اُمت کے مجوسی ہیں اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پُرسی نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے کفن دفن اور جنازہ میں حاضر نہ ہو۔

جیسے تقدیر کے منکروں کو اس حدیث میں اس امت کے مجوس قرار دیا ہے۔ اس طرح شیعہ کو ایک اور حدیث میں اس اُمت کے نصاریٰ قرار دیا ہے۔ مشکوٰۃ باب مناقب علیؓ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا تیری یحیٰی علیہ السلام کی مثال ہے۔ یہود نے اس سے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی، یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا کہ جو اس کے لائق نہ تھا۔ یعنی ایک بغض میں ہلاک ہو گئے ایک محبت میں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھ سے محبت میں افراط کرنے والا بھی ہلاک ہو جائے گا اور مجھ سے بغض رکھنے والا بھی ہلاک ہو جائے گا۔ جس کو میرا بغض بہتان پر آمادہ

کرتا ہے۔ سو یہ پیش گوئی ہو کر ہی رہی۔ خارجی حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہیں۔ گویا کہ وہ اس اُمت کے یہود ہیں اور شیعہ محبت میں افراط کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی محبت کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بغض رکھتے ہیں۔ تو گویا کہ اس امت کے نصارٰے ہوئے۔ پس جیسے قدریہ کا جنازہ جائز نہیں کیوں کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اس طرح شیعہ اور خارجیہ کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ کیوں کہ وہ اس امت کے یہود و نصارٰے ہیں۔ جس امام نے جنازہ پڑھا ہے۔ اُس کو امامت سے معزول کر دینا چاہیئے اس لیے کہ اس جنازہ ایک کافر کا جنازہ پڑھ دیا۔

(حافظ محمد) عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ (فتاوٰے اہلحدیث روپڑ جلد ۲ صفحہ ۴۴۴)

سوال: بچہ بھی قبل بلوغ معصوم ہوتا ہے اور شہید بھی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بچہ کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کا جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ مگر شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کا سبب اور اس میں فرق کیوں ہے؟

جواب: شہید نے چونکہ اپنے عمل سے یہ درجہ پایا ہے اس لیے اُس کی بزرگی اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا۔ بچے نے اپنے اعمال سے کچھ حاصل نہیں کیا، بلکہ خدا نے اپنے فضل سے اس سے قلم اُٹھایا ہوا ہے۔ کہ اُس کے گناہ نہیں لکھے جاتے اس لیے اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵۱)

سوال: ایک آدمی کے گھر دو عورتیں نکاحی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کے گھر زنا کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ چار پانچ ماہ کا ہو کر مر گیا۔ امام مسجد کو جنازہ کے لیے بلایا گیا۔ امام مسجد نے جواب دیا کہ میں اس کا جنازہ نہیں پڑھتا، تاکہ اس کو کچھ عبرت حاصل ہو۔ لوگ امام مسجد کو ملامت کرتے ہیں کہ پاک جان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ اب سوال یہ ہے کہ امام لائق ملامت ہے یا نہیں؟

جواب: بچہ معصوم ہے۔ معصوم کا جنازہ پڑھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قصور ماں باپ کا ہے۔ ماں باپ کو تنبیہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کا بھانڈا پھیک دیا جائے۔ مگر اب امام کو بھی ملامت نہ کرنی چاہیئے کیوں کہ اس کی نیت بھی نیک ہے لیکن آئندہ کے لیے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ظلم کسی کا ہو اور زیادتی کسی پر ہو، یہ مناسب نہیں

عبداللہ امرتسری از روپڑ (فتاوے اہلحدیث جلد اول صفحہ ۴۵۲)

سوال : قبرستان میں جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : عن ابی ھریرۃ ان امرأۃ سوداء کانت تقم المسجد اوشاب ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسئال عنہا اوعنہ فقالوا مات قال افلا اذنتمونی قال فکانہم صغروا امرھا او امرہ فقال دلونی علی قبرہ فدلوہ فصلی علیہا (مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ) یعنی ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ ایک حبشیہ یا جوان مرد مسجد کو جھاڑو دیتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا، آپؐ نے اسکی بابت پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ مرگیا ہے۔ فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہ دی۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ انہوں نے قبر بتائی تو آپ نے قبر پہ جاکر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر فرمایا یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہیں، میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگا۔

(حافظ محمد) عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوے اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۴۴۵)

سوال : اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک گوشت نہ آنے دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : یہ کام چونکہ خاص طور پر ہندوؤں کے ہاں ہوتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی مسلمان اُن کی مشابہت کرے گا تو انہیں میں شامل ہوگا۔ حدیث میں ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو کسی قوم سے مشابہت کرے وُہ انہیں میں سے ہے۔ اس قسم کی روایتیں بہت ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لیے ہم ایک آدھ حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ مشکوۃ میں ہے:

عن عمران بن حصین وابی برزۃ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فرائی قوما قوطرحوا اردیتہم یمشون فی قمص فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افبفعل الجاھلیۃ تأخذون او بصنیع الجاھلیۃ تشبہون لقد ھممت ان ادعو علیکم دعوۃ ترجعون فی غیر صورکم قال فاخذوا اردیتہم ولم یعودوا لذلک۔ یعنی عمران بن حصین اور ابی برزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے (ڈانٹ کر) فرمایا کیا جاہلیت کا فعل لیتے ہو کیا جاہلیت سے مشابہت کرتے ہو۔ میں نے قصد کیا کہ تم پر ایسی بددعا کروں جس سے تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ڈانٹنے پر انہوں نے چادریں لے لیں اور پھر اس کام کے لیے نہیں لوٹے۔ (رسالہ بدعات کی تردید صہ۴)

سوال: اسقاط میت جائز ہے یا نہ، کیونکہ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ میت کے گناہ صاف کر دیے جاتے ہیں؟

جواب: اسقاط میت تین وجہوں سے ناجائز ہے۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیر القرون میں یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں اسقاط کا نام و نشان نہ تھا۔ حالانکہ ہمیشہ اس زمانہ مسعود میں اموات ہوتے تھے مگر باوجود اس کے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے نہ تابعین سے نہ تبع تابعین سے نہ ائمہ دین سے۔ اگر اس طریق سے گناہ معاف ہوتے تو کیا ان کو گناہ کی معافی کی ضرورت نہ تھی۔ یا وہ میت کے خیر خواہ نہ تھے، یا ان کو نیک کاموں کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب باتیں تھیں بلکہ ہم سے بڑھ کر وہ ایسی باتوں کا خیال رکھتے تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسقاط سے میت کے گناہ نہیں ہوتے اور جب میت کے گناہ معاف نہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" (مشکوٰۃ) یعنی جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھانہ آگ میں بنائے۔

دوسری وجہ یہ کہ جس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت ہوا اور اس کے کرنے سے کوئی مانع بھی نہ ہو، پھر اس کو کو[illegible]رے تو وہ قطعی بدعت ہوتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (مشکوٰۃ) یعنی جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ ایسا شخص لعنتی ہے۔ بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام دین میں مردود ہے۔ خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو پس اسقاط کرنے والوں کو چاہیے کہ یا تو خیر القرون سے اس کا ثبوت دیں یا خدا سے ڈریں اور ایسے کاموں سے باز آئیں جو بجائے ثواب کے خدا کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (مشکوٰۃ) یعنی اللہ تعالےٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں وہ بات قدر رکھتی ہے۔ جو دل سے ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسقاط میں جب قرآن مجید پھیرا یا جاتا ہے

تو دل سے نیت بخشنے کی نہیں ہوتی، کیوں کہ اگر حکر پُورا نہ ہُوا اور درمیان میں ہی ایک شخص نے کہ چلا گیا اور کہے کہ جب مجھے بخش دیا گیا ہے تو میری مرضی کسی کو بخشوں یا نہ۔ اسقاط کرنے والے اس کو بُرا منائیں گے بلکہ کہیں گے کہ اسقاط نہیں ہوا۔ پس معلوم ہُوا کہ یہ بخشنا برائے نام ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کو ایک طرح کا دھوکہ دینا ہے۔ بھلا ایسے عمل سے اللہ خوش ہوگا یا ناراض۔

بمبئی کی طرف بہت لوگ حیلوں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تمام روپوں کی زکوٰۃ نکال کر ایک گھڑے میں ڈال کر اوپر سے گیہوں سے بھر کر فقیر کو دے دیتے ہیں۔ پھر فقیر کو کہتے ہیں کہ تم ان دانوں کو کیا کرو گے۔ روپیہ دو روپیہ سے ہم کو فروخت کر دو۔ فقیر بیچارے کو کیا معلوم کہ دانوں کے نیچے روپے ہیں۔ وُہ بیچارہ روپیہ دو روپیہ غنیمت سمجھ کر بڑی خوشی سے فروخت کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی، کیوں کہ ایک مرتبہ فقیر کے سپرد کر دی ہے۔ آگے وُہ اپنی خوشی سے جس کو چاہے فروخت کر دے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اس دھوکہ سے فقیر تو دھوکہ کھا سکتا ہے۔ مگر علام الغیوب تو دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اب اسقاط کرنے والے بھی خُدا کو دھوکہ سے خوش کرنا چاہتے ہیں کہ لفظ بخشش کا بولتے ہیں اور اندر نیت نہیں ہوتی۔ مگر یاد رہے کہ جو خُدا سے دھوکہ کرے گا وُہ خود دھوکہ میں ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ یعنی وُہ اللہ تعالےٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ کا بدلہ دیتا ہے۔ یعنی وُہ اس فعل کے سبب سے دھوکے میں ہیں۔

(رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص۲۲ از مولانا عبداللہ محدث روپڑی)

سوال: میت کے وارثوں کا چار روز کے بعد دریا پر جا کر بغرض پاک وصاف ہونے کے نہانا اور کپڑے دھونا جائز ہے یا نہ؟

جواب: چوتھے روز دریا پر کپڑے دھونے کی وجہ یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ ماتم کو نجاست کا سبب سمجھتے ہیں تو اس بنا پر بدن پہلے ہی پلید ہوں گے کیوں کہ ماتم کا اثر پہلے بدن پر پڑتا ہے پھر کپڑوں پر، تو یہ لوگ اتنے روز تک پلید بدن اور پلید کپڑوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہوں گے اور اسی طرح پلیدی کی حالت میں مسجدوں میں آتے جاتے ہوں گے۔ بلکہ ان کے نزدیک میت کا بدن اور کفن بطریقِ اولیٰ پلید ہوتا ہوگا۔ یہاں تک کہ غسل سے بھی پاک نہیں ہوتا ہوگا۔ کیوں کہ ماتم اُسی کی جانب سے آیا ہے۔ اور اس سے معاذ اللہ لازم آئے گا کہ سب بزرگ پلید

ہی دفن ہوتے ہیں اور پلیدی ہی کی حالت میں ان کا جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح معاذ اللہ ماتم کے دنوں کا کھانا پینا پلید ہوگا۔ کیا یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں جن کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ماتم کو سبب طہارت گناہ قرار دیتے ہیں یہ لوگ نجاست سمجھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے، ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ یعنی مسلمان کو کوئی تھکان کوئی بیماری کوئی فکر کوئی صدمہ کوئی تکلیف کوئی غم نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کے ساتھ اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ یعنی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ..... دیکھئے مصیبتوں کے ساتھ انسان کیسا پاک ہوتا ہے اب جو اس کے الٹ عقیدہ رکھتے وہ رسول کے ماننے والا ہوا یا منکر۔ (رسالہ مذکور ص ۲)

سوال: میت کو دفن کرکے قبرستان سے باہر آکر چالیس قدم، یا ستر قدم، پر دعائے خیر کرنا جائز ہے یا نہ؟

جواب: ابو داؤد میں حدیث ہے عن عثمان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا له التثبیت فانه الان یسئل: یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے ہوتے تو اس پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہے کہ سنت طریق یہ ہے کہ وہیں (قبر کے گرد) کھڑے ہو کر بخشش کی دعا مانگی جائے اور ثابت قدمی کا سوال کیا جائے۔ چالیس قدم یا ستر قدم، پر آکر دعا کرنا سنت کے خلاف ہے اور بدعت ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی طریقہ جاری کرے رسول کی امت (وطریقہ) سے نہیں مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ تین شخصوں نے عہد کیا ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھوں گا، یعنی سوؤں گا نہیں دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کرونگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ڈانٹا اور کہا میں تم سے زیادہ پرہیز گار ہوں پھر میں سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں کیا تم مجھ سے پرہیز گار بننا چاہتے ہوں۔ پھر آخر میں فرمایا، مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ یعنی جو میرے طریقہ سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

(رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص ۳)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر میت کو حائضہ غسل دے۔ تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب۔ حائضہ کو غسل دینا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ حائضہ ہوتی تھیں ونیز آپ حضرت عائشہؓ سے جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ مصلے وغیرہ طلب کرتے تھے۔ تو یہ بدرجہ اولی جائز ہوگا واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو بلا شبہ جائز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنے سر مبارک کو مسجد سے نکالتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں بیٹھی ہوئی حالت حیض میں آپ کے سر کو دھوتیں۔ صحیح بخاری میں ہے وکان[1] یخرج راسه وهو معتكف فاغسله وانا حائض پس جب حائضہ کو زندہ کا بعض عضو دھونا جائز ہے۔ تو میت کو غسل دینا بھی بلا شبہ جائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۱۴۱)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ دہلی میں کفن پر تین بند باندھنے اور قبر میں دو بند کھولنے اور کمر کے بند نہ کھولنے کی رسم ہے اور مٹی دیتے وقت آیت مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ الخ پڑھتے ہیں۔ اور کفن کو کھول کر قبلہ رخ میت کا منہ موڑ دینے کا رواج ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ شرع شریف میں بند باندھنے کی صورت اور وقت اور موقع کیا لکھا ہے۔ اور کس چیز سے باندھنے کا حکم ہے۔ اور جب کہ بند باندھنا ضروری نہیں تو تمام ملک میں اس کا رواج لازمی طور سے کیوں ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ کسی آیت یا حدیث میں کفن پر بند باندھنے کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے۔ نہ اس کی صورت کا کچھ ذکر آیا ہے۔ اور نہ اس کے وقت اور موقع کا کچھ تذکرہ آیا ہے۔ اور نہ اس کا بیان آیا ہے کہ کس چیز سے باندھنا اور کے بند باندھنا چاہیے۔ ہاں فقہاءؒ لکھتے ہیں کہ اگر کفن کے منتشر ہونے اور

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مسجد سے حجرہ کے اندر کر دیتے اور میں سر دھو دیتی۔ حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

میت کے کھل جانے کا خوف ہو تو کفن کو دھجی سے باندھ دیں۔ اور قبر میں رکھنے کے بعد کفن منتشر ہونے کا خوف نہیں رہتا اس وجہ سے قبر میں بند کھول دینے کو لکھا ہے۔ ہدایہ میں ہے وان خافوا ان ینتشر الکفن عنہ عقدوہ بخرقۃ صیانۃ عن الکشف واذا وضع فی لحدہ یحل العقدۃ لوقوع الامن من الانتشار انتہی ملخصًا اور آیہ منہا خلقناکم الخ کا مٹی دیتے وقت پڑھنا معلوم نہیں ہوتا۔ اور میت کو لحد میں قبلہ رخ متوجہ کر دینا حدیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ واما التوجہ الی القبلۃ ففیہ حدیث ابی ھریرۃ وقتادۃ ان البراء بن معرور لما توفی اوصی ان یوجہ الی القبلۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصاب صححہ الحاکم۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ کفن پر بند باندھنے اور اس کو قبر میں کھول دینے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نظر سے نہیں گزری۔ ہاں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک اثر اس بارے میں دیکھنے میں آیا ہے شرح معانی الآثار صفحہ ۲۹۲ جلد ۱ میں عثمان بن حجاش سے روایت ہے۔ کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا انتقال کر گیا تو انہوں نے اس کو غسل دیا، اور کفنایا پھر اپنے غلام سے کہا کہ اسے دفن کے لئے لے جاؤ اور جب اس کو قبر میں رکھنا تو بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ کہنا پھر اس کے سر کی گرہ اور اس کے پیر کی گرہ کھول دینا۔[1] لفظہ ھکذا فغسل بین یدیہ وکفن بین یدیہ ثم قال لمولاہ انطلق بہ الی حفرتہ فاذا وضعتہ فی لحدہ فقل بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اطلق عقد راسہ وعقد رجلیہ۔ اور علمائے حنفیہ وشافعیہ نے لکھا ہے کہ مٹی دیتے وقت آیت منہا خلقناکم الخ پڑھنا مستحب ہے علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۲۲۲ جلد ۳ میں لکھتے ہیں۔ قولہ[2] من قبل راسہ فیہ دلیل علی ان

---

[1] اس کو غسل اور کفن دیا پھر اپنے غلام کو کہا اس کو قبر میں لے جا کر دفن کر دو جب اسے لحد میں رکھو تو کہو اللہ کے نام اور رسول اللہ کی سنت پر پھر اس کا پاؤں اور سر کا بند کھول دینا۔ [2] اس میں یہ ہے کہ میت پر مٹی سر کی جانب سے ڈالنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس وقت یہ آیت پڑھے (اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے۔ اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالیں گے اس کو امام شافعی کے اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

المشر د۱۶ ان یحثی علی المیت من جہۃ راسہ ویستحب ان یقول عند ذلک مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ذکرہ اصحاب الشافعی انتہی اور اسی طرح سبل السلام میں بھی لکھا ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ وروی احمد باسناد ضعیف انہ یقول مع الاولی مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ ومع الثانیۃ وفیہا نعیدکم ومع الثالثۃ ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہلی بار مٹی ڈالنے کے وقت مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ پڑھتے اور دوسری بار میں وفیہا نعیدکم پڑھتے اور تیسری بار میں وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ. پڑھتے اور ایک حدیث ضعیف میں میت کو قبر میں رکھنے کے وقت بھی اس آیت کا پڑھنا آیا ہے۔ نیل الاوطار صفحہ ۳۲۱ جلد میں ہے وعن ابی امامۃ عند الحاکم والبیہقی بلفظ لما وضعت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ الحدیث وسندہ ضعیف انتہی۔ واللہ تعالےٰ اعلم

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۱۶)

سوال ۔ درنیو لابسبب ناواقفیت دریں مسئلہ بسیار احتمال افتادہ است کہ برائے دفن کردن یک قبر میکنند۔ چون نوبت بہ تیار شدن قبر افتادہ نشان قبر کہنہ پدید آمد یعنی استخوان دست و پا و تمام بدن موجود بودند باز آن قبر را بند کردہ دیگر جا قبر کندیدند آنجا نیز ہمان طور بظہور آمد آن را نیز دفن کردند بار سوم قبرے کندیدند آنجا ہم نشان مردہ بظہور رسید باز چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نعش میت را در آنجا دفن کنند یا نکنند جواب مسئلہ ہذا از روئے کتب معتبرہ احادیث ترقیم فرمایند ومع امثلہ وحدیث نگارش نمایند فقط۔

جواب۔ درصورت مرقومہ ہرگاہ در ہر جا قبر کنند یدند دو دست و پا مردہ بر آمد وہمہ جائے مقبرہ خالی از اعضاء سردہ نمی یابند پس در وقت لاچاری اگر در یک قبر کہ در آن اعضاء میت ممو دار می شود میت نو را دفن کنند مضائقہ ندارد زیرا کہ بر وقت ضرورت دفن کردن دو میت و سہ میت در یک قبر جائز است چنانکہ در شہداء احد ہمیں طور بوقوع آمد کہ آنحضرت صلعم دو سہ میت در یک قبر دفن کردند چنانچہ در کتب احادیث مذکور است واز فتاوے عالم گیریہ مستفادہ می شود لا یدفن اثنان او ثلثۃ فی قبر واحد الا عند الحاجۃ انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریہ واگر جائے دیگر کہ خالی از میت باشد قبر کندیدہ دفن کنند بہتر واولی است دہر وقت نیافتن جائے خالی از اعضاء میت پس در قبر کہنہ کہ اعضاء ظاہر می شود میت نو را دران درحالت لاچاری دفن کردن مضائقہ ندارد۔ الضرورات تبیح المحظورات واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین کہ اس علاقہ میں ایک قبر کھودی گئی۔ اتفاق سے وہاں کسی مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں۔ اس کو دفن کر کے پھر دوسری جگہ قبر کھودی گئی وہاں بھی یہی معاملہ ہوا پھر تیسری جگہ قبر کھودی گئی پھر وہی کیفیت ہوئی بتایا جائے کہ اس صورت میں کسی پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟ مسئلہ ہذا کتب معتبرہ سے تحریر فرمادیں اور اشد بھی بیان فرمادیں۔

جواب۔ جب ہر جگہ سے قبر برآمد ہوئی اور قبرستان میں کوئی خالی جگہ نہیں ملتی تو اس صورت میں پرانی قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔ احد کے شہیدوں کو ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کیا گیا تھا۔ فتاوے عالم گیری میں ہے بوضرورت کے سوا دو یا تین آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن نہ کیا جائے، اور اگر کسی اور خالی جگہ میں تازہ میت کو دفن کردیا جائے۔ تو بہتر ہے ورنہ مجبوری کی حالت میں کسی پرانی قبر میں دفن کردینا جائز ہے۔

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز مردہ را تجہیز و تکفین و دفن نکنند و بریں طور اگر مردہ را سہ روز یا کم زیادہ دفن نکنند گندہ و منتفخ باشد یا نہ حکم صلوۃ جنازہ چگونہ است بینوا توجروا۔

جواب۔ در تجہیز و تکفین و دفن میت عجلت و شتابی بہ ضرور است بدلیل حدیث ابوداؤد عن حصین بن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لااری الاقد حدث بہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ ودر بدر التمام ومسک الختام شرح بلوغ المرام نقل می کنند از فتح الباری حدیث عبداللہ بن عمر را کہ شنیدم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم را کہ می فرمود چون بمیرد یکے از شما پس حبس نکنید

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض لوگ جب تک اچھی طرح کھانا تیار نہ ہو جائے۔ مردہ کو دفن نہیں کرتے اگر اسی طرح دو تین روز تک مردہ کو دفن نہ کیا جائے۔ اور وہ پھول جائے یا نہ بھی پھولے تو ایسے آدمی کا جنازہ پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔ ؟؟

جواب۔ میت کو دفن کرنے میں بڑی جلدی کرنی چاہیئے حدیث میں ہے کہ طلحہ بن براء بیمار تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا میرے خیال میں ان پر اب موت آیا ہی چاہتی ہے جب موت ہو جائے۔ تو مجھ کو اطلاع دینا اور جلدی کرنا یہ درست نہیں کہ مسلمان کی لاش گھر والوں کے سامنے پڑی رہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے۔ اس کو روک نہ رکھنا چاہیئے۔ اس کی قبر کی جلد از جلد تیاری کرنی چاہیئے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت کو جلد از جلد دفن کرنا چاہیئے۔ اور روکنا نہ چاہیئے۔ اور کھانا پکانے کے لئے میت کو روک رکھنا ایک عجیب سی بات ہے۔ اور یہ طریقہ خلاف حدیث ہے۔ قرون ثلاثہ میں اس کا نام ونشان نہیں علماء مجتہدین اس کے بر خلاف ہیں۔ اور مطابق حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد یہ کام مردود ہے۔ اور یہ جاہل اماموں کی اختراع ہے۔ جو حرام طریقہ سے لوگوں کے مال کھاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

اورا و شتابی کیند بوئے لسوئے قبر دے اخرجہ الطبرانی باسناد حسن انتہی پس حدیث ابوداود وطبرانی مخبر است بر تعجیل و شتابی تجہیز و تکفین و دفن میت واین چہ معنی کہ تاوقتیکہ نان بوجہ خوب مہیا نشود ہرگز تکفین و تجہیز و دفن نہ کردہ شود مردہ این طریقہ خلاف حدیث ماثور و مخالف تعامل قرون ثلثہ و عمل مجتہدین و محدثین است و داخل در وعید این حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری پس حبس میت برائے مہیا و موجود شدن نان از بدعت ضلالت و گمراہی است واین امر قبیح از اختراع اماماں جہلہ مساجد است کہ ازین بہانہ مال مردم می خورند۔ نعوذ باللہ من ہذہ الجراۃ الشنیعۃ۔

(فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۷)

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو۔ عمرو اس مسئلہ کی تفسیر کا متلاشی ہے از روئے شرع شریف کے جواب عنایت فرمائیں۔

جواب۔ رات کے وقت مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت کے زمانہ میں ایک شخص تھے کہ رات کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اور رات ہی کو لوگوں نے ان کو دفن بھی کر دیا۔ پھر صبح ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ کو کیوں خبر نہ کی۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ان پر جنازہ کی نماز پڑھی متفق ہیں ہے عن[1] ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فمات باللیل فدفن لیلا فلما اصبح اخبروہ فقال ما منعکم ان تعلمونی قالوا کان اللیل فکرھنا وکانت ظلمۃ ان نشق علیک

---

[1] عبداللہ بن عباس نے کہا ایک آدمی رات کو فوت ہو گیا (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت (بیمار پرسی) کرتے تھے۔ اور رات ہی کو اس کو دفن کر دیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی انہوں نے کہا رات تھی۔ اور اندھیرا تھا آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا پھر آپ اس کی قبر پر آئے۔ اور نماز پڑھی۔

فاتی قبرہ فصلی علیہ رواہ البخاری وابن ماجۃ وقال البخاری ودفن ابو بکر لیلا جب لوگوں نے رات کو دفن کرنے کا اپنا واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں نہ خبر کی میں بھی تمہارے دفن میں شریک ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے۔ ہاں البتہ بعض حدیث سے ممانعت کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن[1] جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض وکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد لیکن فی الحقیقت اس سے ممانعت نہیں ثابت ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ یوں ہے فزجر النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ اس جملہ سے صاف ثابت ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ بغیر نماز کے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے۔ لہٰذا زید کا مطلقاً یہ کہنا کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو صحیح نہیں ہے۔ ہاں البتہ بغیر نماز پڑھے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث سے ثابت ہے خلاصہ یہ کہ رات کو مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ اگر رات کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ ہو سکے، تو رات کو دفن کرنا بلاشبہ جائز و درست ہے کما یدل علیہ حدیث ابن عباسؓ المذکور وحضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رات ہی کو

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اور معمولی قسم کا کفن دیا گیا ہے۔ اور اسے رات ہی میں دفن کیا گیا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر منع فرمایا کہ کسی آدمی کو رات کو دفن نہ کیا جائے تاکہ اس پر جنازہ کی نماز کثرت سے پڑھی جائے۔ ہاں اگر مجبوری ہو تو علیحدہ بات ہے اور فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔

دفن کیے گئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رات ہی کو دفن کی گئی تھیں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ استدل المصنف (ای الامام بخاریؒ) [لہ] للجواز ای لجواز الدفن باللیل) بما ذکرہ من حدیث ابن عباس ولم ینکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم دفنہم ایاہ باللیل بل انکر علیہم عدم اعلامہم بامرہ وایدہ ذلک بما صنع الصحابۃ بابی بکر وکان ذلک کالاجماع منہم علی الجواز وصح ان علیا دفن فاطمۃ لیلا انتہی ملخصاً قاضی شوکانی نیل صفحہ ۱۳۱ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ [لہ] والاحادیث المذکورۃ فی الباب تدل علی جواز الدفن باللیل وبہ قال الجمہور وکرہہ الحسن البصری واستدل بحدیث ابی قتادۃ [ء] وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجران یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ واجیب عنہ ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوٰۃ لا للدفن باللیل اولاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءۃ الکفن فالزجر انما ہو لما کان الدفن باللیل مظنۃ اساءۃ الکفن کما تقدم فاذا لم یقع تقصیر فی الصلوٰۃ علی المیت وتکفینہ فلا باس بالدفن لیلا۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۹)

محمد شمس الحق

[لہ] امام بخاری نے ابن عباس کی حدیث سے رات کو دفن کرنے کے متعلق استدلال کیا ہے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے زجر کی اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتا ہے کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر کو رات کے وقت دفن کیا تو یہ ایک طرح کا اجماع ہوا اور حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ کو رات کے وقت دفن کیا۔ [لہ] اس باب میں مندرجہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رات کو مردے کو دفن کرنا جائز ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حسن بصری اسے مکروہ جانتے ہیں۔ اور انہوں نے ابوقتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نماز کی وجہ سے ممانعت کی ہے نہ کہ رات کو دفن کرنے سے اور اس لئے بھی رات کو وہ ردی سا کفن دے دیا کرتے تھے اور جب نماز جنازہ اور کفن میں تقصیر نہ ہو تو پھر رات کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[ء] قولہ بحدیث ابی قتادۃ کذا فی النیل والصواب بحدیث جابر کما لایخفی علی من طالع فی النیل باب استحباب احسان الکفن وباب الدفن لیلا ۱۲ عبدالرحمن مبارکپوری عفی عنہ۔

سوال۔ بر پیشانی میت بسم اللہ از انگشت نوشتن و چیزے از قسم تبرک مثل پردہ مکہ معظمہ بر کفن میت بستن جائز است یا نہ۔

جواب۔ بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی میت از کتاب اللہ تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و اجماع امت و قیاس مجتہدین ثابت نیست و ہرچہ کہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت نباشد کردنش روا نیست و ہمچنین ادعیہ و اذکار نوشتن بکفن یا عمامہ یا دیگر اعضائے میت ہم جائز نیست و اگر گوئی کہ در بعض کتب فقہ روایت جواز ہم یافتہ می شود پس چگونہ عدول ازاں کردہ شود چنانکہ علامہ فقیہ محمد بن محمد بزازی در فتاوے بزازیہ گفتہ و ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبہۃ المیت او علی عمامۃ او کفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر انتہی و در فتاوے تاتارخانیہ گفتہ حکی عن بعض انہ اوصی ابنہ اذا مت وغسلت فاکتب فی جبہتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ففعلت ثم رایتہ فی المنام وسألت عن حالہ فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبہتی وصدری بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا امنت من العذاب انتہی و ابراہیم حلبی در صغیری شرح منیہ گفتہ و ذکر

سوال۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا اور کوئی متبرک چیز مثلاً غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا کتاب الہٰی و سنت رسول و اجماع صحابہ و قیاس مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور جو ان چار دلیلوں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو وہ کام کرنا منع ہے اور اسی طرح کفن پر کوئی چیز لکھنا یا کسی متبرک چیز کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ فقہ کی بعض کتابوں سے لکھنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ محمد بن محمد بزازی نے فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ صفار نے کہا ہے کہ اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو بخش دے۔ اور تاتار خانیہ میں ہے کہ کسی نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب

البزازی عن الصفار لو کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالیٰ سبحانه الی ان قال وعن بعض المتقدمین انه اوصی ان یکتب فی جبهته وصدره بسم الله الرحمٰن الرحیم الخ وعلاؤالدین حصکفی در درمختار گفته کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله للمیت واوصی بعضهم ان یکتب فی جبهته وفی صدره بسم الله الرحمٰن الرحیم ففعل ثم روئی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائكة العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبهتی بسم الله الرحمٰن الرحیم قالوا امنت من عذاب الله انتهی وابن عابدین در ردالمحتار گفته قوله یرجی الخ مفاده الاباحة او الندب وفی البزازیة قبیل کتاب الجنایات وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت ویجعله امنا من العذاب قال نصیر هذه روایة فی تجویز ذلك وان الفقیه ابن عجیل کان یامر به ثم افتی بجواز کتابته قیاسا علی کتابته لله فی ابل الزکوٰة واقره بعضهم انتهی مختصرا ونیز در

میں مرجاؤں اور غسل دے دیا جائے، تو میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر خواب میں باپ کو دیکھا اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے۔ جب انہوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو کہنے لگے۔ تو عذاب سے بچ گیا۔ اور ابراہیم نے صغیری شرح منیہ میں اور علاؤالدین حصکفے نے درمختار میں اور ابن عابدین نے ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے اس عبارت کو لکھا ہے۔ اور جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ابن عجیل پہلے اس کا فتوے دیتے تھے۔ بعدازاں صدقہ کے اونٹوں پر جو لفظ "اللہ" لکھا جاتا ہے۔ اس پر قیاس کر کے لکھنے کا فتوے بھی دینے لگے۔ اور اسی طرح شرجی کے حوالہ سے بعض محشین نے سینہ پر انگلی سے بسم اللہ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنا نقل کیا ہے۔ اور یہی فتویٰ محمد اسحٰق دہلوی نے مائۃ مسائل میں اور مفتاح الجنان وکفایہ شعبی میں درج ہے تو اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا

رد المحتار گفتہ نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالا صبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و علی الصدر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ و ذلک بعد الغسل قبل التکفین انتہی و در مائۃ المسائل مولانا محمد اسحٰق مذکور است و در کتاب درہم الکیس فارسی مرقوم است و بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد با نگشت انتہی و ہم چنین است در مفتاح الجنان و کفایہ شعبی پس ازیں روایات معلوم شد کہ نوشتن بر پیشانی میت با نگشت بغیر سیاہی یا بسیاہی بسم اللہ و غیر آن و ہمچنین بر سینہ و کفن جائز و درست و موجب نجات میت از عذاب است گویم بفضل اللہ العلام اصل این از ادلہ اربعہ ثابت نیست و بنا این بر قیاس فاسد است و مدار این بر رویا منام است اما بیان امر اول این است کہ ادعیہ و اذکار و ہیئات ادا آن توقیفی اند پس ادا کردن آن را بر غیر ہیئات مخصوصہ ثابتہ از صاحب شرع چگونہ روا باشد و ہمچنین حکم کردن بہ ترتب اجر و مقدار آن از شان او تعالیٰ و رسول او است صلے اللہ علیہ وسلم کسے را نمیرسد کہ حکم بر آن کند شیخ جلال الدین سیوطی در فتوے خود گفتہ الاذکار توقیفیۃ و ترتب الاجر علیھا و مقدارھا توقیفی فمن اتی بذکر او دعاء لم یرد فلیس لاحد ان یحکم علیہ بشیٔ من الاجر بمقدار معین لان ذلک مرجعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحدہ انتہی و در رد المحتار گفتہ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک انتہی ما

ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی مذکورہ کتابوں میں نقل نہیں کی گئی اور اس کی بنا قیاس فاسد پر ہے۔ یا پھر خواب پر قیاس کے متعلق غرض یہ ہے کہ اذکار اور ادعیہ اور ان کی ہیئت کذائی سب توقیفی (جن میں قیاس کو دخل نہ ہو) ہیں ان کو از خود تجویز کرتے اور ان پر اجر مرتب کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے۔ یہ حق صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا ہے بعض چیزیں بظاہر دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ منقول نہیں ہیں۔ لہذا منع ہیں۔ دیکھئے صبح طلوع ہونے کے بعد آنحضرت سے صرف دو رکعت سنت ثابت ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ پڑھے تو ناجائز ہوگا۔ حالانکہ نماز فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے عیدگاہ میں نفل چونکہ آنحضرت سے ثابت نہیں

فی کتاب الجنائز فی مطلب فیما یکتب علی کفن المیت ولبسیاری از افعال اند کہ بظاہر عبادت و موجب اجر معلوم می شوند و ہر اجزاء او ہم احسن و نیکو اند مگر مجموعہ ان باین ہیئت مخصوصہ ثابت از صاحب شرع نیستند پس کردنش روا نہ باشد چنانکہ علامہ فقیہ برہان الدین مرغینانی در ہدایہ گفتہ یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوٰۃ انتہی ونیز دران گفتہ لا یتنفل فی المصلی قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوٰۃ انتہی۔ ودر فتاوی عالمگیری مرقوم است قراءۃ الکٰفِرُوْنَ الی الاخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلك عن الصحابۃ والتابعین کذا فی المحیط انتہی۔ وبیان امر ثانی این است کہ قیاس کردن این را بر صدقہ ابل قیاس مع الفارق است چرا کہ ہر صدقۃ ابل کتابت لفظ اللہ برائے علامت و تمیز است ونوشتن بسم اللہ خواہ بانگشت بلا سیاہی خواہ بسیاہی بر پیشانی یا کفن میت برائے تبرک است و موافق زعم ایشان موجب نجات است فاین القیاس ابن العابدین در رد المحتار گفتہ والقیاس المذکور ممنوع بان القصد ثَمَّ التمیز وھنا التبرك فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالہا فلا

ہیں۔ اگر وہاں نفل پڑھے تو جائز نہ ہوگا۔ فتاوے عالم گیری میں ہے کہ سورۃ قل یا ایہا الکفرون سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں نہ پڑھے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے ثابت نہیں ہے۔ اور صدقہ کے اونٹوں پر قیاس کرکے لکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے۔ وہ علامت کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور یہاں جو کچھ لکھا جاتا ہے۔ وہ تبرک اور نجات کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور پھر وہاں بے ادبی کا امکان نہیں۔ اور یہاں پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا یقین ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان کہتے ہیں کہ وہ اس کی زندگی کی ابتدا تھی اسی پر انتہا کو قیاس کرکے بعض لوگوں نے دفن کے وقت بھی اذان کہنا شروع کر دی تو فقہا نے اس پر انکار کیا چنانچہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اور ابن حجر نے اپنے فتاوی میں اس کو بدعت لکھا۔ عبد

یجوز تحریضھا للنجاستہ انتہی وبہمین کہ قیاس کردن اذان راکہ بعد دفن میت مبید ہندیہ اذان مولود بظاہر صحیح معلوم مےشود وبعض کسان برین قیاس کردہ حکم جواز ہم دادہ اند۔چنانکہ بجائے خود مصرح است مگر چونکہ این اذان بالخصوص درین موضع ثابت نیست حکم بجوازش دادن خلاف امر حق ست لہذا اکثر علما این اذان را محدث فی الدین قرار دادہ اند ابن عابدین در رد المحتار گفتہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ بدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی ندبھا للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتداءہ فلم یصب انتہی وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوۃ مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذاک الا لکونھا لم توثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیھا فیہ توھم العوام بانھا سنۃ فیہ ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوۃ الرغائب التی احدثھا بعض المتعبدین لانھا لم توثر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلوۃ خیر موضوع انتہی۔ وچنیں تصریح فرمودہ اند عمدۃ المحدثین استاذ الاستاذ مولانا محمد اسحٰق الدہلوی در مائۃ المسائل۔ وبیان امر ثالث این کہ رویائے غیر انبیاء صلے اللہ علیہ والسلام حجۃ شرعیہ نیست وازان ثبوت احکام شرعیہ نمی توان شد شیخ الاسلام جمال المسلمین علامہ شمس الدین کرمانی در کواکب الدراری شرح

اور جمعہ کی نماز کے بعد بعض لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ توگو مصافحہ فی نفسہ بری چیز نہیں لیکن فقہاء نے اس کا انکار کیا کیونکہ یہ اس موقع میں ثابت نہیں۔ صلوٰۃ الرغائب کہ جس کو بعض بدعتی لوگوں نے جاری کر دیا ہے اس کے خلاف فقہاء نے آواز سنایا۔

باقی رہا خواب کا معاملہ تو نبی کی خواب کے سوا کسی کی خواب حجت شرعی نہیں ہے۔ اور اس سے احکام کا استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے علامہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت کہ ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ تھی۔ اس نے ابولہب کو آنحضرت کی پیدائش کی جب خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا۔ پھر ثویبہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا جب ابولہب مرگیا۔ تو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اس کو

صحیح البخاری تحت حدیث قال عروۃ وثویبۃ مولاۃ لابی لہب کان ابولہب اعتقہا فارضعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما مات ابولہب رآہ بعض اہلہ الخ گفتہ فان قلت فیہ دلیل علی ان الکافر ینفعہ العمل فقد قال اللہ تعالیٰ فجعلناہ ہباء اقلت لا اذ الرؤیا لیست بدلیل انتہی وحجۃ الاسلام۔ حافظ ابن حجر در فتح الباری شرح صحیح بخاری گفتہ وفی الحدیث دلالۃ علی ان الکافر قد ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ لکنہ مخالف بظاہر القرآن قال اللہ تعالیٰ وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا واجیب اولا بان الخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجۃ فیہ انتہی۔ وعلامہ قسطلانی در ارشاد الساری گفتہ استدل بھذا علی ان الکافر ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ وھو مردود بظاہر قولہ وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا لا سیما والخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ بہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فلا یحتج بہ اذ ھو رؤیا منام لا یثبت بہ حکم شرعی انتہی۔ ودر الشراحات حالیہ شرح منار النسفی گفتہ ولا اعتبار بالہام غیر النبی ودویاہ انتہی وجملہ کسان مذکورین ناقلین جواز اعنی ابراہیم حلبی وعلاؤ الدین حصکفی و صاحب تاتارخانیہ وصاحب فوائد الشرجی وصاحب درہم الکیس وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ ناقل وآخذ از صاحب فتاوے بزازیہ کہ خود بران مواخذہ دلیل است ہستند وکدامے دلیل از ادلہ اربعہ قائم نہ کردہ اند فلا یلتفت الیہ وصواب کرد علامہ حافظ عثمان بن عبد الرحمٰن الشہیر با بن الصلاح کہ فتوے بعدم جواز داد چنانکہ در رد المحتار است وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان

خواب میں دیکھا الخ اگر کہا جائے کہ اس میں دلیل ہے کہ کافروں کو بھی نیک اعمال نفع دیتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ قرآن مجید کی آیت فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا کے مخالف ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث سے دلیل نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ مرسل ہے۔ اس کو عروہ نے بیان کیا ہے۔ اور کسی سے سنی ہے۔ یہ بیان نہیں کرتا۔ اور اگر بالفرض یہ حدیث موصول بھی ہوتی تو ایک خواب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ قسطلانی بھی یہی کہتے ہیں۔ بلکہ نسفی کی طرح منار میں

یکتب علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت انتہی۔ ونیز در رد المحتار است وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح بانہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ فالمنع ھھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت انتہی و سید احمد طحطاوی در حاشیہ در المختار گفتہ قولہ کتب علی جبھۃ الخ اخذ من ذلک جواز الکتابۃ ولو بالقرآن ولم یعتبروا کون مالہ الی التنجس بما یسیل من المیت وانظر ھذا مع کراھتھم الکتابۃ علی الدراھم وجدار المساجد وہم چنیں تصریح بعدم جواز کردہ در فوائد الفوادلیس برائے ثبوت مطلب عنی بعدم جواز کتابت بر پیشانی وصدر وکفن بسیاہی یا بغیر سیاہی بانگشت قول مذکور ابن عابدین فالمنع ھھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت کافی است اگرچہ ابن عابدین این عبارت را در صورت کتابت بمداد گفتہ لیکن حق صریح ہمیں است کہ برائے ہر امور متعلقہ دین اجازت از شرع شریف باید وبغیر آں کار بند نباید شد اگرچہ بظاہر صورت حسن نمایاں شود ھذا غایۃ التحقیق فی ھذا الباب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال وجواب تحقیقی صورت ثانیہ این است کہ از روایات معلوم مے شود کہ وجود استار کعبہ معظمہ در زمانہ خلفاء رضوان اللہ علیہم بود و کسے انکار بران نہ کرد چنانکہ علامہ کرمانی در شرح صحیح بخاری تحت باب کسوۃ الکعبہ گفتہ قلت لعل الکعبۃ کانت مکسوۃ وقت جلوس عمر فحیث لم ینکرہ وقررھا دل علی جوازھا انتہی۔ وہم چنیں از روایت آئندہ عینی ظاہر مے شود مگر در خریدن و فروختن

تو یہاں تک لکھا ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کا الہام بھی حجت نہیں ہے۔ اور نہ کسی کی خواب حجت ہے۔ باقی یہ جتنی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے بزازیہ سے نقل کیا ہے۔ اور بزازیہ نے اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کی ہے۔ لہٰذا وہ توجہ دینے کے قابل نہیں۔ ابن صلاح اور صاحب در مختار نے بہت صحیح لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ کا نام یا قرآن کی کوئی سورت میت پر یا کفن پر لکھنا تو درکنار۔ روپیہ۔ حلقہ۔ دیوار اور فرش پر بھی نہیں لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بے ادبی کا احتمال ہے۔ اور کفن پر لکھنے میں تو

و قطع کردن و نقل کردن استار کعبہ از مکہ معظمہ بجائے دیگر اختلاف علماء اعلام است بعض قائل بجواز و بعض بعدم جواز اند چنانکہ علامہ بدر الدین عینی در عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری تحت ہمان باب گفتہ قال صاحب التلخیص لایجوز بیع استار الکعبۃ المشرفۃ و کذا قال ابو الفضل بن عبدان لایجوز قطع استارھا ولا قطع شیء من ذلک ولایجوز نقله و بیعه ولا شراؤه وما یفعله العامة یشترون من بنی شیبة لزم رده ووافقه علی ذلك الرافعی وقال ابن الصلاح الامر فیها الی الامام یصرفه فی مصارف بیت المال بیعاً وعطاء واحتج بما ذکره الازرقی ان عمر کان ینزع کسوۃ الکعبة کل سنة فیقسمها علی الحاج وعند الازرقی عن ابن عباس وعائشة انهما قالا لا باس ان یلبس کسوتها من صارت الیه من حائض وجنب وغیرهما انتهی پس آنانکہ بجواز بیع و شراء و قطع و نقل استار کعبہ رفتہ اند نزد ایشان لبس آن استار متبرکہ و تکفین میت ازان جائز است و کفن دادن میت را در جامہ متبرکہ از احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثابت است حافظ الحدیث حجۃ اللہ فی الارض امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل البخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہا در صحیح خود روایت فرمودہ عن عبد الله بن عمر ان عبد الله بن ابی لما توفی جاء ابنه الی النبی صلے الله علیه وسلم فقال اعطنی قمیصك اکفنه فیه وصل علیه واستغفر له

بے ادبی کا یقین ہے۔ پس ایسی صورت میں یہ لکھنا کیسے جائز ہو جائے گا۔

اور کفن میں متبرک شئے کا اضافہ کرنے کے متعلق تحقیقی جواب یہ ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانا درست ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کو خریدنا یا فروخت کرنا اور دوسرے ممالک میں بطور تبرک لے جانا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں اسی باب کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا بیچنا اور دوسرے ممالک میں لے جانا جائز نہیں ہے۔ اور فضل بن عدلان کا فتوے بھی یہی ہے۔ ابن صلاح نے کہا کہ اگر اس کا خریدنا یا فروخت کرنا جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کی فروخت سے جو مال بیسّر ہو اس کو بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے۔ ازرقی نے بھی لکھا ہے۔

فاعطاہ قمیصہ رواہ البخاری عن سہل ان امرأۃ جاءت النبی صلے اللہ علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیہا حاشیتہا تدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتہا بیدی فجئت لاکسوکہا فاخذہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم محتاجًا الیہا واتہا ازارہ فحسنہا فلان فقال اکسنیہا ما احسنہا فقال القوم ما احسنت لبسہا النبی صلے اللہ علیہ وسلم محتاجا الیہا ثم سالتہ وعلمت انہ لا یرد سائلا قال انی واللہ ما سالتہ لالبسہ وانما سالتہ لتکون کفنی فکانت کفنہ رواہ البخاری قال عمرو سمعت جابر بن عبداللہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی بعد ما ادخل حفرتہ فامر بہ فاخرج فوضعہ علی رکبتیہ ونفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ رواہ البخاری عن ام عطیۃ قالت توفیت احدے بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اغسلنہا بالسدر وترا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذنی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فضفرنا شعرہا ثلاثۃ قرون والقینا ہا خلفہا رواہ البخاری اما زیادتی برکفن مسنونہ اگرچہ بیک پارہ جامہ باشد خلاف امر مسنون است نمی بینی کہ عمامہ بستن بر سر میت بجہت عدم ثبوتش علماء کرام تصریح بکراہت کردہ اند بخاری از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی ثلثۃ اثواب بیض لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ رواہ البخاری قاضی حسن بن منصور۔ ورقتا وے

حضرت عباس اور عائشہ صدیقہ کا فتوے ہے کہ خانہ کعبہ سے اتر جانے کے بعد جنبی اور حائضہ اس کو پہن سکتے ہیں، جو اس کی خرید وفروخت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک کعبہ کے اترے ہوئے غلاف کا کفن دینا جائز ہے۔ اور متبرک کپڑے کا کفن دینا حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی منافق جب مرگیا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنی قمیص عنایت فرماویں۔ تاکہ اس میں اس کو کفن دیا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے قمیص دے دی ایک عورت نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑا بن کر دیا۔ آپ نے اس کو پہن لیا پھر کچھ مدت کے بعد اس نے حضور سے

قاضی خان گفتہ اکثر ما یکفن فیہ الرجل ثلثۃ اثواب لیس فیہا عمامۃ عندنا انتہی۔ وعلامہ زین بن نجیم در بحر الرائق شرح کنز الدقائق گفتہ وفی المجتبی وتکرہ العمامۃ فی الاصح انتہی۔ ومحمد بن عبد اللہ الغزی در تنویر الابصار گفتہ وتکرہ العمامۃ للمیت فی الاصح و قہستانی در جامع الرموز گفتہ والاصح انہ یکرہ العمامۃ کما فی الزاھدی انتہی پس پارہ از پردہ کعبہ معظمہ سوائے کفن در کفن میت بستن جائز نیست چراکہ نہ داشتن چیزے در قبر جز کفن کہ ہمراہ میت است سنت حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و داشتن ایں پردہ ہمراہ کفن رافع آں سنت است پس نباشد ایں مگر بدعت و ازینجا ظاہر شد کہ شجرہ وغیرہ در قبر داشتن کہ معمول بہا مشائخین تصوف است آن ہم بدعت است بدلیل مذکورہ و در حدیث شریف آمدہ عن غضیف بن الحارث الثمالی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک السنۃ خیر من احداث بدعۃ رواہ احمد خلاصہ ہر دو جواب این شد کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا غیر آن نوشتن بر جبہہ میت یا صدر یا کفن با نگشت یا بلب

کپڑا مانگا۔ آپؐ نے دے دیا۔ اس نے اس کپڑے کو اپنے کفن کے لئے رکھ لیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی فوت ہوئیں۔ تو کفن کے لئے آپؐ نے اپنا تہبند اتار کر دے دیا۔ ان روایات سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ متبرک کپڑے میں کفن دینا درست ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسنون کفن کے بعد اس پر متبرک کپڑے کا اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ میت کو پگڑی پہنانے کے خلاف فقہا نے فتویٰ دیا۔ کیونکہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے کہ کفن تین کپڑے ہیں۔ جن میں ہمارے مذہب کے مطابق پگڑی نہیں ہے۔ بحر الرائق۔ مجتبیٰ تنویر الابصار۔ قہستانی۔ جامع الرموز۔ زاہدی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے۔ تو کفن کے ہمراہ غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھنا ایک زائد چیز ہوگی۔ جو سنت کے خلاف ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جب کوئی قوم کوئی بدعت رائج کرتی ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلے ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں تو سنت کا تھام لینا بدعت کے جاری

ور پردہ کعبہ معظمہ بستن بر کفن علاوہ کفن میت بدعت است چراکہ در موت مسلم ہماں باید کرد کہ معہود از سنت است واین ہمہ معہود از سنت نیست اماماں حافظان حجتان بخاری ومسلم از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ اند عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد متفق علیہ من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ ابن ماجۃ فقط۔ العبد الفقیر ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفا عنہ ذنوبہ رب الفلق العظیم آبادی

ابو طیب محمد شمس الحق ۱۲۶۵ھ		علیم الدین حسین ۱۲۸۲ھ
المجیب مصیب　محمد اشرف ۱۲۹۵ھ	الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱ھ
سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ھ	قد اصاب من اجاب　الجواب صحیح	ز شرف سید کونین شریف حسین ۱۲۹۲ھ
	سید احمد حسن ۱۲۸۹ھ	
	بہ طفیل نبی الٰہی بخش ۱۲۹۲ھ	(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۴۲۶)

کرنے سے بہتر ہے،، خلاصہ یہ کہ بسم اللہ کا انگلی سے پیشانی پر لکھنا اور غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر رکھنا دونوں بدعت ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو کوئی دین میں کوئی نیا کام جاری کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے۔ تو وہ کام مردود ہے،، اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا ”دو چیزیں ہیں۔ کلام اور ہدایت تو بہترین کلام اللہ تعالےٰ کی کلام ہے۔ اور بہترین راستہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم کا راستہ ہے۔ تم نئے کاموں سے بچنا کہ بدترین کام نئے کام ہیں۔ اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے واللہ اعلم۔

سوال۔ کیا مردہ کو دفن کے بعد قبر پہ کھڑے ہو کر تلقین[1] کرنی درست ہے۔ امام شوکانیؒ نے جو اس کو بدعت کہا اور مطلقاً احادیث ضعیفہ کو متروک العمل قرار دینا محدثین میں سے کس کا مذہب ہے۔ حالانکہ محدثین صحاح ستہ کئی جگہ احادیث ضعیفہ پر باب باندھتے ہیں۔ اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حدیث مردود السند تو ہوتی ہے لیکن مقبول المعانی ہوتی ہے۔

جواب۔ حدیث تلقین کی بابت صاحب سبل السلام لکھتے ہیں۔

ویتحصل من کلام ائمة التحقیق انه حدیث ضعیف والعمل به بدعة ولا یغتر بکثرة من یفعله۔ (سبل السلام ص۲۰۳)

یعنی ائمہ تحقیق کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ اور بہت لوگوں کے قول سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ اکثر دنیا بھیڑ چال ہے۔ امام عراقی کہتے۔ الفاظ جرح کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ راوی مطعون کے حق کہا جائے۔ کذاب یہ راوی بہت جھوٹا ہے یا کہا جائے وضاع یعنی اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے۔ متہم بالکذب۔ اس راوی کو کذب کی تہمت لگی ہے۔ یا یوں کہیں متہم بالوضع اس راوی کو حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگی ہے۔ یا یوں کہیں ھالک یا یوں کہیں متروک یا یوں کہیں ساقط تیسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہیں مردود الحدیث یا کہیں واہ ان قسموں سے نہ تو احتجاج کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی استشہاد واعتبار (تائید) میں ان کی حدیث لی جاتی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے ضعیف الحدیث یا یوں کہا جائے منکر الحدیث یا اس طرح کہا جائے مضطرب الحدیث۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے فیه ضعف یا اسی طرح کہا جائے۔

---

[1] یعنی میت کو دفن کر کے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو منکر نکیر کے جواب کی تلقین کرنا یا یاد دہانی کرانا۔

وهو سيئ الحفظ یا یوں کہا جائے ليس بالقوی یا یوں کہا جائے هو لين یا اس کو ایسا کہیں فيه ادنی مقال ان پچھلے درجوں کی حدیث اخذ بھی کی جاتی ہے۔ اور اعتبار و استشہاد کے واسطے اس میں نظر بھی کی جاتی ہے۔

شیخ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں جو حدیث راوی کے فسق کے سبب ضعیف ہو وہ متعدد سندوں سے قبل احتجاج نہیں ہو سکتی (حاشیہ شرح نخبہ) حدیث تلقین چونکہ اخیر کے درجوں سے نہیں۔ اس لئے اس پر عمل بدعت ہے اگر یہ کچھ قابل عمل ہوتی تو خیر القرون میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوا۔ کیا اس وقت حاجت نہ تھی یا کوئی مردہ دفن نہ ہوتا تھا۔ یا ان کو اس پر عمل کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب باتیں مفقود ہیں تو اس حدیث کی حقیقت واضح ہے کہ یہ بالکل ساقط ہے۔ قابل عمل نہیں۔ (حافظ) عبداللہ روپڑی

(فتاوی اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۴۴۲)

سوال۔ کیا میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنا سنت ہے۔ اور نہ کرنے والا گناہ گار ہے (صوفی نیک محمد)

جواب۔ نہ معلوم تلقین سے مراد کیا ہے۔ بہر کیف مرنے کے بعد اس کے لئے دعا یا ایصال الثواب تو جائز ہے۔ تلقین کا ثبوت نہیں ملتا۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۹)

حالات مولانا عبدالمجید سوہدری

جماعت اہل حدیث کی بڑی قابل قدر و فخر شخصیت تھے۔ جید عالم بہترین مقرر اور اعلیٰ درجے کے حکیم و طبیب اور کامیاب مصنف تھے۔ عمر بھر جماعت اہل حدیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ کئی رسائل جاری کئے اور خود ہی ان کے ایڈیٹر رہے (۱) اہلحدیث سوہدرہ (۲) مسلمان۔ نیز ایک طبی ماہوار رسالہ بھی نکالا کرتے تھے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی کتاب درراہبر کامل، بڑی خوبصورت اور ان کی محبت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بہترین آئینہ دار ہے۔ ۱۳۷۹ھ میں وفات پائی اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

میت کے ناخن یا مونچھیں اگر بڑھ گئی ہوں۔ زوجین کا ایک دوسرے کو غسل دینا

۱:۔ ایک لمبا بیمار مر جاتا ہے، اس کی حجامت بنانے والی ہوتی ہے، یوں ہی دیکھا جائے، تو اس کی شکل اور ڈراؤنی لگتی ہے، اگر اس کے لب وغیرہ درست کر دیئے جائیں، تو کیا جائز ہے؟۔

۲:۔ خاوند یا بیوی میں سے کوئی مر جائے، تو کیا وہ ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں ایک صاحب اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ صحیح کیا ہے؟۔

الجواب:۔ میت کے ناخن وغیرہ :۔ میت گو اب دنیا کے تکلفات اور زیب پرست سے دور چلی گئی ہے، اور بہت دور تاہم ہمیں حکم ہے کہ اسے انسان سمجھیں اور اس کے ساتھ شائستہ، باوقار اور شایانِ شان معاملہ کریں، مثلاً یہ کہ اس کو نہلا کر خوشبو لگائی جائے، کفن سفید اور ستھرا دیا جائے، اس کو اچھے نام سے یاد کیا جائے، اس کی قبر پر نہ بیٹھا جائے، اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں، وغیرہ وغیرہ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اب بھی اس کی شکل وصورت اور صفائی کا خیال رکھا جائے۔ تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے،

حضرت زینب (حضور کی صاحبزادی) کا انتقال ہوا تو ان کے بالوں کو کنگھی کی گئی۔

ان ام عطیۃ قالت مشطنا ھا ثلثۃ قرون (بخاری ج ۱ ص ۱۶۷)

ولمسلم من روایۃ ایوب عن حفصۃ عن ام عطیۃ مشطنا ھا ثلثۃ قرون

وفیہ حجۃ للشافعی ومن وافقہ علی استحباب تسریح الشعر (فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۳) وفی روایۃ مشطتہا ثلثۃ قرون (ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۵۱ ورواہ ایضاً ابن ماجۃ والنسائی وغیرھما)

حضرت حسن کا ارشاد ہے کہ میت کے ناخن کاٹے جائیں۔

عن منصور عن الحسن قال تقلم اظفار المیت (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۴۷)

مصنف عبد الرزاق کے الفاظ یہ ہیں۔

عن معمر عن الحسن فی شعر عانۃ المیت انکان وافرا؛ قال یؤخذ منہ (محلی لابن حزم ج ۵ ص ۱۸۲)

ابو الملیح الہذلی نے وصیت کی تھی کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو اس کے ناخن اور بال کاٹے جائیں۔

اوصاهم فقال اذا مات ان یاخذوا من شعرہ وا ظفارہ (مصنف ج ۳ ص۲۴۷)

ابو الملیح ہذلی، حضرت اسامہ بن عمیر (والد)، حضرت انس اور حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں۔ ۹۸ھ میں وفات پائی ہے (خلاصہ ص۲۹۶)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کے شاگرد حضرت بکر بن عبداللہ المزنی (احد الاعلام) کا یہ دستور تھا کہ جب کسی میت کے بال اور ناخن بڑھے ہوتے تو وہ انہیں کاٹ دیتے۔

عن حمید عن بکر انه کان اذا رای من المیت شیئاً فاحشا من شعر وظفر اخذہ و قلمہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص۲۴۷)

اگر میت کے زیر ناف کے بال بھی بڑھے ہوتے تو حضرت سعد بن ابی وقاص استرا منگوا کر اسے مونڈ دیتے تھے،

عن ابی قلابۃ ان سعدا غسل میتا فدعا بموسی فحلقہ (ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۴۷)

مصنف عبدالرزاق میں اس کی تصریح آئی ہے کہ، یہ سعد، حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں۔ (ملاحظہ ہو محلی ج۵ ص۱۸۲)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کنگھی کرنے کو فرماتی تھیں۔

انها قالت سرح شعر المیت فانه یجعل معہ (مصنف ج ۳ ص۲۴۸)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق فطرت سے ہے، اس لئے فطرت کی صورت میں اسے رب کے پاس بھیجا جائے،

وصح بان کل ذلك من الفطرۃ فلا یجوز ان یجہز الی ربه تعالی الا علی الفطرۃ التی مات علیها (محلی ج ۵ ص۱۸۱)

نیز لکھتے ہیں کہ اس کے جو مخالف ہیں، وہ ایسے صحابی کی مخالفت کو عظیم جرم تصور کرتے ہیں، جن کا کوئی مخالف نہ ہو، یہاں بھی یہی بات ہے کہ حضرت سعد کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے: گویا یہ اجماع سکوتی ہے،

وهم یعظمون مخالفة الصاحب الذی لایعرف له مخالف من الصحابة رضی اللہ عنهم

وھذا صاحب لا یعرف له منہم مخالف (محلی ص۱۸۲/۵)

احناف کے نزدیک یہ کام جائز نہیں ہیں۔

ولا یسرح شعر المیت ولا لحیتہ ولا یقص ظفرہ ولا شعرہ لقول عائشۃ علام تنقصون میتکم و لان ھذہ الاشیاء للزینۃ وقد استغنی المیت عنہا (ھدایۃ باب الجنائز ج ۱ ص۱۴۹)

مگر حضرت عائشہ والی روایت منقطع ہے:۔ وھو منقطع بین ابراھیم وعائشۃ (درایۃ باب من کور)

باقی رہی زینت کی بات؟ سو مردہ بھی ایک حد تک اس کا مستحق ہے، آخر اس کو نہلایا جاتا ہے، اچھا کفن دیا جاتا ہے، اس کو خوشبو بھی لگائی جاتی ہے، بہرحال زینت نہ سہی، اس کو بری حالت میں خدا کے ہاں بھیجنا مناسب نہیں محسوس ہوتا۔ واللہ اعلم۔

خاوند بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا، اس مسئلہ پر تو اجماع ہے کہ جب شوہر مر جائے، تو عورت اس کو غسل دے سکتی ہے۔

نقل ابن المنذر وغیرہ الاجماع علی جواز غسل المرأۃ زوجہا (التعلیق المجد ج ۵ ص۱۲۹)

قال الشاہ ولی اللہ، واتفقوا علی جواز غسل المرأۃ زوجہا (مسوی شرح مؤطا ج ۱ ص۱۹۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، جب فوت ہوئے، تو آپ کی زوجہ محترمہ (حضرت اسماء بنت عمیس) نے صحابہ کی موجودگی میں غسل دیا۔

ان اسماء بنت عمیس امرأۃ ابی بکر الصدیق غسلت ابا بکر الصدیق حین توفی ثم خرجت فسألت من حضرھا من المہاجرین فقالت انی صائمۃ وان ھذا یوم شدید البرد قالوا، لا (مؤطا مالک ج ۱ ص۱۹۱ و مؤطا محمد ص۱۲۹)

اس کی بھی وصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے کی تھی۔ عن ابی ملیکۃ، ان ابا بکر الصدیق حین حضرتہ الوفاۃ اوصی اسماء بنت عمیس ان تغسلہ وکذا قال ابن شداد (مصنف ص۲۴۹/۳ ابن ابی شیبۃ باب فی المرأۃ تغسل زوجہا)

حضرت جابر بن زید نے اپنی بیوی کو وصیت کی تھی، کہ وہ ان کو غسل دے۔

انہ اوصیٰ ان تغسلہ امرأتہ (ابن ابی شیبۃ ص ۲۴۹/۳)

حضرت ابوموسیٰ کو اس کی اہلیہ نے غسل دیا تھا۔ (ایضاً ج ۳ ص ۲۴۹)

عن ابراھیم بن مھاجر ان اباموسیٰ غسلتہ امرأتہ (ایضاً ص ۲۵۰/۳)

حضرت عبدالرحمان بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عورتوں میں مرد مرجائے تو اس کی اہلیہ اس کو غسل دے۔

فی الرجل یموت مع النساء قال تغسلہ امرأتہ' (ایضاً)

حضرت عطا فرماتے ہیں، کہ اس کی بیوی اسے غسل دے

تغسل المرأۃ زوجھا (ایضاً)

ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دے یا نہ؟ احناف اس کو جائز نہیں سمجھتے، مگر یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ بات صحیح حدیث کے خلاف ہے، حضور نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اگر آپ کا مجھ سے پہلے انتقال ہوگیا تو آپ کو غسل بھی میں دوں گا، اور کفن بھی میں پہناؤں گا۔

لومت قبلی لغسلتک وکفنتک (احمد والدارمی وابن ماجۃ وابن حبان والدارقطنی والبیھقی۔ (تلخیص الحبیر ص ۱۵۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں، محمد بن اسحاق مدلّس ہے، یہاں عنعنہ ہے، امام ابن حجر فرماتے ہیں، کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد نہیں ہے، بلکہ صالح بن کیسان اس کا متابع ہے، کما رواہ احمد والنسائی (تلخیص ص ۱۵۴) فرماتے ہیں لغسلتک غلط ہے فغسلتک صحیح ہے (ایضاً)

علامہ سندھی لکھتے ہیں، مجمع الزوائد والے فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

وفی الزوائد اسناد رجالہ ثقات (حاشیہ سندھی علی ابن ماجہ ص ۴۴۷/۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر وہ بات مجھے پہلے معلوم ہوجاتی، جو بعد میں معلوم ہوئی تو حضورؐ کو ان کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔

لو کنت استقبلت من امری ما استدبرت ما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا نساءہ (ابن ماجہ ص ۱۰۶/۱)

سندھی فرماتے ہیں، کہ محمد بن اسحاق کی تدلیس کا اندیشہ بھی نہیں ہے، کیونکہ حاکم وغیرہ کی روایت میں سماع کی تصریح آگئی ہے۔

ومع ذلک ذکرہ صاحب الزوائد ایضا فقال اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات لان محمد بن اسحاق وان کان مدلسا لکن قد جاء عنہ التصریح بالتحدیث فی روایۃ الحاکم وغیرہ (حاشیہ علی ابن ماجہ ص ۴۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔

ان علیا غسل فاطمۃ رواہ الشافعی والدارقطنی وابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی (تلخیص الحبیر ص ۱۷۰ وقال واسنادہ حسن)

اور اس سلسلے میں جو اعتراض کئے گئے ہیں، اس کا بھی جواب دیا، (تلخیص ص ۱۷۰) در مختار میں اس پر بعض صحابہ کا انکار لکھا ہے، مگر وہ کون ہیں، اور کس کتاب میں ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق رکھتا ہے،

عن ابن عباس قال: الرجل احق بغسل امرأتہ (ابن ابی شیبۃ ص ۲۵۰)

عبد الرحمن حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں، اسی حج اور اسی عمرے کئے ہیں (خلاصہ تذہیب الکمال ص ۱۹۰)

حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں، کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

یغسل الرجل امرأتہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۵۰)

حضرت عون بن ابی جمیلہ (تبع تابعین میں سے) فرماتے ہیں کہ میں حضرت قسامہ اور ان شیوخ کے پاس موجود تھا، جنہوں نے حضرت عمر کو پایا تھا فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو غسل دینے کا ان سے ذکر کیا تو کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا۔

شہد قسامۃ بن زہیر واشیاخا ادرکوا عمر بن الخطاب وقد اتاہم رجل فاخبرہم ان امرأتہ ماتت فامرتہ ان لا یغسلہا غیرہ فغسلہا فما منہم احد انکر ذلک (محلی ابن حزم ص ۱۸۰ وابن ابی شیبۃ طویلا ص ۲۵۱)

حضرت جابر بن زید فرماتے ہیں، کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق رکھتا ہے،

الرجل احق ان یغسل امرأتہ من اخیہا (محلی ص ۱۷۹)

حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں، حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے، وہ علماء میں سے ہیں،

ھومن العلماء (خلاصہ تذھیب الکمال ص۵)

عبدالرحمٰن بن الاسود فرماتے ہیں کہ اپنی بیویوں کو میں خود غسل دیا کرتا ہوں، ان کی ماؤں اور بہنوں کو روک دیتا ہوں،

انی لاغسل نسائی واحول بینھن وبین امھاتھن وبناتھن واخواتھن (محلی ص۱۷۹/۵)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔

یغسل کل واحد صاحبہ (محلی ص۱۷۹/۵ وابن ابی شیبۃ ص۲۵/۳)

حضرت حسن بصری تمام شیوخ صوفیہ کی آخری کڑی ہیں، ان کے بعد حضرت علی کا سلسلہ چلتا ہے، آپ حضرت جندب، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ، حضرت معقل بن یسار، حضرت ابو بکرۃ اور حضرت سمرۃ جیسے عظیم صحابہ کے شاگرد ہیں، (خلاصہ ص۶۶)

حضرت امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جس صحابی کا مخالف کوئی صحابی نہ ہو، حنفی اس سے خلاف کرنے کو عظیم جرم تصور کرتے ہیں، حضرت ابن عباس کی یہ روایت ہے، کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی مگر یہ خود اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

والحنفیون یعظمون خلاف الصاحب الذین لایعرف لہ منھم مخالف وھذہ روایۃ عن ابن عباس لایعرف لہ من الصحابۃ مخالف وقد خالفوہ (محلی ص۱۸۰/۵)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کسی مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو ہاتھ نہ لگے، اس کا تعلق زندوں سے ہے، مُردوں سے نہیں ہے، اگر اس کا تعلق اس سے بھی کرنا ہے، تو دلیل چاہیئے، اذلیس فلیس اگر مردہ زندہ پر قیاس کرنا ہے، تو یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو حضرت ابوطلحہ نے قبر میں اتارا تھا، اور اس میں بدن کا چھونا ہوتا ہے، حضرت اسماء نے حضرت ابوبکر کو غسل دیا تھا، اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ اگر آپ کا پہلے انتقال ہوا تو میں آپ کو غسل بھی دوں گا، اور کفن بھی پہناؤں گا۔

"وآنکہ زن مرد مردہ را نہ بیند و نہ غسل دہد اگر چہ خوف فتنہ نباشد مستندی نہ دارد بلکہ وجوب

ستر بہ نسبت احیاء است، بہ نسبت اموات دلیلے می طلبد ولیس فلیس، واگر قیاس کنند براحیاء، قیاس مع الفارق است وابوطلحہ بنت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را در قبر نمرد وآوردہ ونمرود آوردن ناچار مس میکنند واسماء بنت عمیس غسل داد ابوبکر صدیق را وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند حضرت عائشہ را۔

تنبیہ:۔ جہاں صرف عورتیں ہوں، اور مرد مر جائے، یا صرف مرد ہوں، اور ایک عورت فوت ہو جائے ان میں بیوی یا شوہر نہ ہو، تو پھر کیا ہونا چاہیئے؟ اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ کپڑوں میں سے اسے نہلا دیں، دوسری جماعت کا نظریہ ہے کہ اگر عورت ہے تو اس کے صرف چہرہ یا ہاتھوں کا تیمم کرائیں، اگر مرد ہو تو چہرہ کے ساتھ کہنیوں تک اس کا تیمم کرائیں، بعض بزرگوں کا ارشاد ہے، تیمم نہ غسل، بس انہیں یوں ہی دفن کر دیں،

فقال قوم: یغسل کل واحد منھما صاحبہ من فوق الثیاب وقال قوم تیمم کل واحد منھما صاحبہ وبہ قال الشافعی وابوحنیفۃ وجمھور العلماء وقال قوم لا یغسل واحد منھما صاحبہ ولا تیممہ وبہ قال اللیث بن سعد بل یدفن من غیر غسل ولذلک رای مالک ان تیمم الرجل المرأۃ فی یدیھا ووجھھا فقط ... وان تیمم المرأۃ الرجل الی المرفقین (بدایۃ المجتہد ص۲۲۷ ج۱)

شاہ ولی اللہ نے امام شافعی کا مذہب پیرہن میں غسل دینا بتایا ہے (مصفی ص۱۹۲ ج۱) امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ کپڑوں میں اسے غسل دینے میں کوئی محظور لازم نہیں آتا۔ (محلی جلد۵ ص۱۸۰) کیونکہ تیمم کے لئے شرط عدم الماء ہے، (ایضاً ص۱۸۱ ج۵) مگر یہ استدلال صحیح نہیں، کیونکہ بیمار بھی کر سکتا ہے، زہری اور قتادہ بھی پیرہن میں غسل دینے کو کہتے ہیں، تغسل وعلیھا ثیاب (محلی ص۱۸۱ ج۵) فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کپڑے سے اوپر چھونے سے بھاگے مگر تیمم میں چھو ہی لیا، والعجب ان القائلین انھا تیمم، فروا من المباشرۃ خلف ثوب واباحوھا علی البشرۃ وھذا جھل شدید وباللہ التوفیق۔ (محلی ص۱۸۱ ج۵)

ہمارے نزدیک یہی مذہب اقرب الی الصواب ہے حضور کو کپڑوں میں غسل دیا گیا تھا۔ (ابو داؤد) حضرت ابن عمر اور حضرت عطاء بھی کپڑوں میں غسل دینے کو فرماتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ جلد۳ ص۲۴۹)

(محدث لاہور جلد ۵ عدد ۱۱-۱۲) | عزیز زبیدی |

باب الجنائز

سوال :۔ اگر کوئی کسی مشرک کا جنازہ واسطے دفعِ فتنہ کے پڑھ لے اور صرف تکبیریں کہے، اور دعائیں نہ پڑھے، کیونکہ اگر جنازہ سے انکار کرتا ہے تو لوگ گاؤں سے نکال دیتے ہیں، تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ جائز ہے یا منع ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ نمازِ جنازہ مشرکین مجاہرین کسی صورت جائز نہیں قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ[1] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ پس جب مشرک ہرگز مغفور نہیں تو اس کے لئے جنازہ (کہ سراسر استغفار ہے) لغو ہو گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو جب منافقین کے جنازے سے منع کیا تو مشرک کا بطریق اولےٰ ممنوع ہو گا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی[2] وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ (تنبیہ) باقی ایسے امور میں انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر مشرک کا جنازہ وغیرہ نہ پڑھوں گا تو گاؤں سے یا دیار شہر سے نکالا جاؤں گا۔ بلکہ دلیر ہو کر جہاں تک ہو۔ اتباع سُنت کا خیال رکھنا چاہیے قَالَ اللّٰہُ[3] تَعَالٰی لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو محمد عبد العزیز الملتانی عفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ الجواب صحیح والرائے نجیح۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱	
سید محمد عبد السلام ۱۲۹۹	سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵
ابو سعید محمد حسین ۱۳۰۹	

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۶۴۶)

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرک ناپاک ہیں اور فرمایا اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ اور گناہ جس کو چاہے بخش دے۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز نہ پڑھ اور اس کی قبر پر بھی نہ جا۔ [3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رسول

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ پر لوگ نماز جنازہ سے
فارغ ہو گئے ہوں پھر بعد نماز کے اور قبل دفن کے ایک یا دو آدمی یا زیادہ آجاویں اور ان
کو نماز جنازہ نہ ملی ہو تو کیا وہ لوگ دوبارہ جنازہ مذکور پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا تو
جواب:۔ صورت مسئولہ میں جنازہ مذکور پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ نما
جنازہ ایک دفعہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پڑھنا ان لوگوں کو درست ہے جن کو نماز جنازہ نہ
ہو ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رات کے وقت ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو د
کر دیا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کی صبح کو جب آپ کو خ
ہوئی تو آپ نے اس کی قبر پر جنازہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں
ہے۔ پس جب بعد دفن کے قبر پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی جائز ہے۔ تو قبل دفن کے میت پر ج
کی نماز دوبارہ پڑھنی تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۲۷)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکرار نماز جنازہ شافعی مذہب میں درست
اس واسطے کہ دعا ہے میت کے لئے۔ اور تکرار دعا کی ممنوع نہیں، اور حنفی مذہب میں بھی درس
ہے یا نہیں، اور اگر درست نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے بینوا توجروا۔

جواب:۔ دلیل حنفیوں کی یہ ہے کہ جب ایک بار نماز جنازہ کی پڑھی گئی۔ پھر دوس
بار نہ چاہئے کیوں کہ فرض ادا ہو گیا اور تنفل اس نماز میں مشروع نہیں مگر ولی کو اعاد
پہنچتا ہے اور صورت کہ غیر ولی وسلطان نے نماز پڑھی ہو لان الحق له اور شافعیہ ی
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قبر پر پڑھی بعد اس کے کہ اہل میت نماز پڑھ چک
تھے، علمائے حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت نے نماز اس لئے پڑھی کہ وہ ولی تھے لقو
تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ واللہ اعلم حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

میں اسی آدمی کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اللہ کی یاد میں بکثرت مشغول رہتا ہو۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ ایک شخص کبھی نماز پنجگانہ ادا کرتا تھا کبھی نہیں سو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں دوئم ایک شخص نماز عید کی پڑھتا تھا پنجگانہ نماز ترک کرتا تھا لیکن اقرار کرتا تھا کہ میں نماز پڑھوں گا سو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں سوئم ہمارے گاؤں میں ایک امام ہیں وہ اس قسم کے جنازے نہیں پڑھاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا علمائے دین سے سوال ہے کہ مسائل مرقوم الصدر کے جواب مع عبارت کتب معتبرہ تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا ۔

جواب :۔ وہوالموفق للصواب جملہ صور مرقومہ سے اول اور دوم صورت کا یہ جواب ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ اور جملہ اہل سنت وجماعت خامع و تابع اہل بدعت کے نزدیک ان دونوں شخصوں کی نماز جنازہ ضرور چاہیئے اور ہرگز ایسے شخصوں کی نماز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور ان کو بے نماز نہ دفن کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے اشخاص کہ نماز گنڈے دار پڑھتے ہیں یا فقط عید لقرکی نماز پڑھتے ہیں یا تمام عمر نہیں پڑھتے مگر فرضیت نماز سے کبھی انکار ثابت نہیں ہوا تو یہ لوگ اہل اسلام اور داخل اہل اسلام ہیں اگرچہ فاسق اور اشد گنہ گار نماز نہ پڑھنے پر ہیں لیکن کافر ومرتد نہیں ہیں جو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے شرعاً کافر کی نماز جنازہ اور اس کیلئے دعا استغفار کی ممانعت اہل اسلام کو بے فاسق کے واسطے نماز جنازہ اور دعا واستغفار کی ممانعت وارد نہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین متین کا ہے ۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تُصَلِّ عَلٰے

لہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اگر کوئی ان میں سے مرجائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ کافر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اور نہ دفن کے وقت یا زیارت کے لئے اس کی قبر پر جانا چاہیئے اور فاسق کا معنی اس آیت میں کافر ہے کیونکہ فاسق کا جنازہ پڑھنا باجماع صحابہ و تابعین جائز ہے سلف صالحین اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے ہاں شیعہ اس کے خلاف ہیں تو ضروری ہے کہ یہاں فاسق کے معنی کافر کے کئے جائیں اور فاسق کے الفاظ کافر کی جگہ قرآن مجید میں کئی جگہ آئے ہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کیا مومن فاسق کی طرح ہو سکتے ہیں؟

أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ و
هذه الاٰية اعنی قوله تعالیٰ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ صریحة فی انه لا
یجوز الصلوٰة علی الکافر وقوله تعالیٰ وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ عطف علی لا تصل ای لا تقف علی قبره
للدفن او الزیارة وقوله تعالیٰ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ الخ تعلیل لتابید الموت اولعدم جواز
الصلوٰة والقیام علی القابر ومعنی قوله تعالیٰ وَهُمْ فَاسِقُونَ وهم کفرون لان الصلوٰة علی
الفاسق جائز باجماع الصحابة والتابعین ومضی علیه العلماء الصالحون وهو مذهب
اهل السنة والجماعة وانما اختلف فیه الروافض خاصة فیجب حمله علی معنی الکفر
وهو الفسق المطلق وقد شاع استعماله فی القراٰن کما فی قوله تعالیٰ أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا
كَمَن كَانَ فَاسِقًا وغیره (تفسیرات احمدیه مختصرًا) وشرطها اسلام المیت وطهارته
(تنویر الابصار) جواب سوال سوم کا یہ ہے کہ گاؤں کے امام صاحب جو فرماتے ہیں کہ اس
میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا، سو یہ ان کا فرمانا غلط ہے
ہرگز قابل اعتبار نہیں، کیونکہ اس میں توہین میت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرافت و
عظمت حیاً و میتاً بخشی ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ دوم اس میں اذیت و
تکلیف میت پہنچے گی، اور میت مسلم کو اذیت و تکلیف دینی حرام اور ممنوع و موجب اثم
ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کسر عظم المیت ککسره حیا رواه الامام مالک و
ابوداؤد وابن ماجة (مشکوٰة شریف) قال القاری فی قوله علیه السلام ککسره حیا
یعنی فی الاثم کما فی روایة قال الطیبی اشارة الی انه لا یہان المیت کما لا یہان الحی قال

۱؎ جنازہ کے لئے میت کا مسلمان اور پاک ہونا شرط ہے ۲؎ ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا فرمائی
۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی
توڑنا "یعنی ان دونوں کا گناہ برابر ہے طیبی نے کہا میت کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی توہین کرنا۔
ابن مالک نے کہا میت بھی اسی طرح دکھ محسوس کرتی ہے جیسے زندہ عبداللہ بن مسعود نے کہا میت بھی تکلیف
محسوس کرتی ہے، اور جیسے زندہ آدمی لذت محسوس کرتا ہے میت بھی کرتی ہے۔

ابن الملك والى ان الميت يتألم قال ابن حجر ومن لازمه ان يستلذ كما يستلذ به الحى انتهى۔ وقد اخرج ابن ابى شيبة عن ابن مسعود اذى المومن فى موته كاذاه فى حياته ذكره فى المرقاة اور حضرات فقہا ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو ایسے نیم گرم پانی سے غسل دینا چاہئے کہ جس سے میت کو اذیت وتکلیف نہ پہنچے حیف ہے جناب امام صاحب مذکور فی السوال کو کہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر سنتر قدم کھینچو جب نماز پڑھو گا خدا جانے کس شریعت پر عمل کرتے ہیں جو توہین اور اذیت میت مسلم پر آمادہ ومستعد ہوتے ہیں، اور خلاف شریعت غرا پر راضی ہیں العجب کل العجب امام جی کو ایسے مسئلے گھڑنے سے توبہ واستغفار کرنی چاہئے کہ ایسی گھڑت کی باتوں سے رخنہ دین اور فتنہ شرع متین میں پڑتا ہے قال الشامی[1] قوله (والاغلاء خالص مغلى) اى اغلاء وسطا لان الميت يتاذى مما يتاذى به الحى (رد المختار حاشیہ درالمختار) واللہ اعلم اجابہ وکتبہ الفقیر محمد یعقوب عفا اللہ عنہ الذنوب۔ تارک الصلوٰۃ فاسق ویجوز صلوٰۃ الجنازہ علیہ۔ فتح محمد

الجواب ۔ صحیح بندہ ضیاء الحق مدرس ابنیہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ ابنیہ

الجواب ۔ صحیح محمد عبد الغفور مدرس مدرسہ ابنیہ ۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۰۵)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غائب کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر ہے تو بعد تین روز کے بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ غائب کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور یہی ہے مذہب امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف کا اور تین روز کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ تین روز کے بعد نا جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن جابر[2]

---

[1] شامی نے کہا میت کو خالص گرم پانی سے غسل دینا چاہئے اور پانی درمیانہ گرم ہو کیونکہ جن چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مردے کو بھی ہوتی ہے۔

[2] نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے۔ آؤ اس پر نماز پڑھو ہم نے صفیں بنائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

بن عبد الله يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم قد توفي اليوم رجل صالح من الحبش فهلموا فصلوا عليه قال فصففنا فصلى النبي صلى الله عليه وسلم و نحن صفوف۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل[1] به على مشروعية الصلوة على الميت الغائب عن البلد وبذلك قال الشافعي واحمد وجمهور السلف حتى قال ابن حزم لم يات عن احد من الصحابة منعه قال الشافعي الصلوة على الميت دعاله وهو اذا كان ملففا يصلى عليه فكيف لا يصلى وهو غائب او في القبر بذلك الوجه الذي يدعى له وهو ملفف انتهى

واللہ اعلم کتبہ محمد عبد العزیز مرشد آبادی عفی عنہ ۲۱ شوال ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۴۹)

سوال:۔ زید مقروض مرا اور کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا اس کے ورثہ بیٹے یعنی ابن تین اور بھائی ایک اور بی بی ایک ہے ان ورثہ میں سے کون کون کتنا کتنا قرضہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ وارثان زید میں سے کوئی اس کے قرضہ ادا کرنے کا شرعاً ذمہ دار نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ تبرعاً و احساناً اپنی اپنی حسب لیاقت قرضہ ادا کریں۔ اور اس کو بار قرض سے سبکدوش کر دیں۔ تو بہت اچھی بات ہے، اور اس صورت میں کچھ متعین نہیں ہے کہ فلاں اس قدر دے۔ اور فلاں اس قدر دے اگر ایک ہی کل قرضہ ادا کر دے تو بھی ادا ہو جاوے گا۔

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۵۵)

---

[1] اس حدیث سے غائبانہ جنازہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے کہا کسی صحابی سے غائبانہ جنازہ کی ممانعت ثابت نہیں ہے امام شافعی نے کہا میت پر نماز اس کے لئے دعا ہے جب وہ کفن لپیٹا ہوتا ہے تو قبر کے اندر چلے جانے یا غائب ہونے کی صورت میں دعا منع کیسے ہو جاتی ہے۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت بدکار اور بے نماز ہے۔ کبھی نماز پڑھتا ہے یا بالکل نہیں پڑھتا ایسے شخص کے گھر کا کھانا اور اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھنی اور تجہیز و تکفین کرنی چاہیئے یا نہیں۔

جواب :۔ بدکار و بے نماز کے گھر کا کھانا متقی و پرہیزگار لوگوں کو نہ چاہیئے۔ اور اس کے جنازہ کی نماز بھی جو عالم و مقتدا ہو وہ نہ پڑھے۔ بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد ابوالحسن۔

سید عبدالسلام | سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابوالحسن

ہوالموفق :۔ فاسق اور بدکار کے یہاں کھانا کھانے اور ان کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت عمران بن حصین کی اس حدیث سے ثابت ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط یعنی منع کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں باب ہل یرجع اذا رائی منکرا فی الدعوۃ کے تحت میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ حدیث حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ سے جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے حسن و قابل احتجاج ہے واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۶۸)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سارق۔ قرضدار۔ ڈاکو۔ رہزن وغیرہ کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عالمگیری میں ہے ویصلی[1] علی کل مسلم مات بعد الولادۃ صغیرا

---

[1] ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے جو زندہ پیدا ہونے کے بعد مرا ہو چھوٹا ہو یا بڑا۔ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام ماسوائے باغیوں اور ڈاکوؤں اور ان جیسے لوگوں کے۔

کان او کبیرا ذکرا کان او انثی حرا کان او عبدا الا البغاۃ وقطاع الطریق ومن بمثل حالھم۔ اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکو و رہزن و سارق وغیرہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ باقی رہا مقروض سو اس کے واسطے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود نماز نہیں پڑھی بلکہ صحابہؓ کو حکم دیا کہ پڑھ لو۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن[1] ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتی بالرجل المتوفی علیہ الدین فیسئل، ھل ترک لدینہ من قضاء فان حدث انہ ترک وفاء صلی علیہ والا قال صلوا علی صاحبکم متفق علیہ۔　　(واللہ اعلم بالصواب)

(سید محمد نذیر حسین)

ہوالموفق:۔ بغاۃ اور قطاع الطریق وامثالہم پر جنازہ کی نماز پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے، اور بعض کہتے ہیں کہ پڑھنی چاہیئے، مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو پر جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیئے۔ ہاں بغاۃ وقطاع الطریق وغیرہم فساق و فجار پر جنازہ کی نماز اہل علم و مقتدیٰ لوگ نہ پڑھیں، بلکہ اور لوگ پڑھ دیں، اس بات کے ثبوت میں احادیث و عبارات مندرجہ ذیل پڑھو مشکوٰۃ شریف میں ہے عن[2] یزید بن خالد ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توفی یوم خیبر فذکروا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال صلوا علی صاحبکم فتغیرت وجوہ الناس لذلک فقال ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ ففتشنا متاعہ فوجدنا خرزا من خرز یہود لا یساوی درھمین

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض ایسے جنازے لائے جاتے جن پر قرض ہوتا آپ پوچھتے کیا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر مال اتنا ہوتا جس سے قرض ادا ہو جاتے تو اس پر نماز پڑھتے ورنہ فرماتے جاؤ۔ اپنے دوست کا جنازہ پڑھو۔

[2] صحابہ میں سے ایک آدمی خیبر کے دن شہید ہو گیا نبی صلعم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا جا کر اس کا جنازہ پڑھو لوگ اس سے بڑے غمگین ہوئے آپ نے فرمایا اس نے خیانت کی ہے ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کی کچھ کوڑیاں نکلیں جو دو درہم کی قیمت کی بھی نہیں تھیں۔

رواہ مالک وابوداود والنسائی اور صحیح مسلم میں ہے عن[1] جابر بن سمرۃ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ وفی روایۃ النسائی اما انا فلا اصلی علیہ اور بلوغ المرام میں ہے وعن[2] ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ وصلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف اس حدیث کے تحت میں علامہ محمد بن اسمٰعیل سبل السلام صفحہ ۱۵۳ جلد ۱ میں لکھتے ہیں وھو[3] دلیل علی ان یصلی علی من قال کلمۃ الشہادۃ وان لم یأت بالواجبات وذھب الی ھذا زید بن علی واحمد بن عیسی وذھب الیہ ابو حنیفہ الا انہ استثنی قاطع الطریق والباغی وللشافعی اقوال فی قاطع الطریق اذا صلب والاصل ان من قال کلمۃ الشہادۃ فلہ ما للمسلمین ومنہ صلوۃ الجنازۃ علیہ ویدل لحدیث الذی قتل نفسہ بمشاقص فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما انا فلا اصلی علیہ ولم ینھھم عن الصلوۃ علیہ ولان عموم شرعیۃ صلوۃ الجنازۃ لا یخص منہ احد من اھل کلمۃ الشہادۃ الا بدلیل انتہی۔ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۶۱ جلد ۳ میں ہے قولہ[4] فقال صلوا علی صاحبکم

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا اس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا اور فرمایا میں اس کا جنازہ نہ پڑھوں گا [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الہ پڑھا اس کا جنازہ بھی پڑھو اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لو۔

[3] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھا جائے اگرچہ واجبات کا تارک ہو۔ زید بن علی، احمد بن عیسٰی کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے قائل نہیں ہیں ڈاکو کے متعلق امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق مل جاتے ہیں۔ اور اس میں سے جنازہ کی نماز بھی ہے۔ اور جس نے خودکشی کی تھی اس کا جنازہ آپ نے تو نہ پڑھا لیکن صحابہ کو منع نہ فرمایا۔ اور پھر کلمہ پڑھنے والے کا جنازہ پڑھنا ہی ہے جب تک کسی دلیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت نہ ہو جائے [4] اس سے گنہگاروں پر نماز جنازہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت کا خیانت کرنے والے اور مقروض کا جنازہ نہ پڑھنا تو بخاطر تنبیہا ہے کیونکہ اگر ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو بھی منع کر دیتے اہل بیت اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی فاسق کا جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں امام شافعی ڈاکو کے جنازہ کے منکر

في جواز الصلوٰة على العصاة واما ترك النبي صلى الله عليه وسلم الصلوٰة عليه فلعله للزجر عن الغلول كما امتنع من الصلوٰة على المديون وامرهم بالصلوٰة عليه قوله فلم يصل عليه فيه دليل لمن قال انه لا يصلى على الفاسق وهم العترة وعمر ابن عبد العزيز والاوزاعي فقالوا لا يصلى على الفاسق تصريحا وتاويلا ووافقهم ابو حنيفه واصحابه في الباغي والمحارب ووافقهم الشافعي في قول له في قاطع الطريق وذهب مالك والشافعي وابو حنيفه وجمهور العلماء الى انه يصلى على الفاسق واجابوا عن حديث جابر بان النبي صلى الله عليه وسلم انما لم يصل عليه بنفسه زجرا للناس وصلت عليه الصحابة ويؤيد ذلك ما عند النسائي بلفظ اما انا فلا اصلي عليه وايضا مجرد الترك لو فرض انه لم يصل عليه هو ولا غيره لا يدل على الحرمة المدعاة ويدل على الصلوٰة على الفاسق حديث صلوا على من قال لا اله الا الله انتهى وقال صاحب المنتقى قال الامام احمد ما يعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم ترك الصلوٰة على احد الا على الغال وقاتل نفسه انتهى۔ والله تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کے جنازہ میں تابوت بنانا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ بعض مولویوں نے ایک عورت کے جنازہ پر تابوت کو توڑوا دیا، اور ناجائز بتایا اور وقت دفن کرنے کے قبر میں چادر سے پردہ کرنا ثابت

ہیں، اور امام مالک و ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اور جمہور علماء فاسق کے جنازہ کے قائل ہیں۔ ہاں امام ابوحنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے منکر ہیں اگر بالفرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی مقروض اور خائن کا جنازہ نہ پڑھتے تو بھی اس سے فاسق کے جنازہ کی حرمت ثابت نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی لا الٰہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھو۔ امام احمد کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ انہوں نے خائن اور خودکشی کرنے والے کو سوا کسی اور کا جنازہ پڑھا ہو۔

ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ عن[1] ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ متفق علیہ قولہ (من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ) فیہ الترغیب فی ستر عورات المسلم وظاہرہ عدم الفرق بین الحی والمیت فیدخل فی عمومہ ستر ما یراہ الغاسل ونحوہ من المیت وکراھۃ انشائہ والتحدث بہ (نیل الاوطار کتاب الجنائز) واما کونہا امرأۃ فیحتمل ان یکون معتبرا فان القیام علیہا عند وسطہا استرھا وذلک مطلوب فی حقہا بخلاف الرجل ویحتمل ان لا یکون معتبرا وان ذلک کان قبل اتخاذ النعش للنساء فاما بعد اتخاذہ فقد حصل الستر المطلوب (فتح الباری) عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکۃ المربد فمرت جنازۃ معہا ناس کثیر قالوا جنازۃ عبد اللہ بن فتبعتہا فاذا انا برجل علیہ کساء رقیق علی بریذینۃ علی راسہ خرقۃ تقیہ من الشمس فقلت من ھذا الدھقان قالوا ھذا انس بن مالک فلما وضعت الجنازۃ قام انس فصلے علیہا وانا خلفہ لا یحول بینی وبینہ شئ فقام عند راسہ فکبر اربع تکبیرات لم یطل ولم یسرع ثم ذہب یقعد فقالوا یا ابا حمزۃ المرأۃ الانصاریۃ فقربوھا وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فصلی علیہا نحو صلوتہ علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ ھکذا کان رسول

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت کے دن اس کی اللہ پردہ پوشی کرے گا، اس میں ترغیب ہے کہ مسلمان کے نقائص کی پردہ پوشی کرنا چاہیئے خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے جو غسل دینے والا میت کی شرم گاہ وغیرہ کو دیکھتا ہے بلکہ وہ ہے اس کا حال بیان کرنا عورت کے جنازہ میں امام کا وسط میں کھڑا ہونا بھی اسی لئے ہے کہ عورت کی پردہ پوشی ہو بخلاف مرد کے اور عورتوں کے لئے تابوت بن جانے سے پردہ کا انتظام تو ہو گیا اب درمیان میں کھڑا ہونا ضروری معلوم نہیں ہوتا

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ کصلوتک یکبر علیہا اربعا و یقوم عند راس الرجل وعجیزۃ المرأۃ قال نعم (سنن ابی داؤد)

واما[1] الرجل فعند راسہ لئلا یکون ناظرا الی فرجہ بخلاف المرأۃ فانہا فی القبۃ کما ھو الغالب ووقوفہ عند وسطہا یسترھا عن اعین الناس وفی حدیث ابی داؤد والترمذی وابن ماجۃ عن انس انہ صلی علی رجل فقام عند راسہ وعلی امراۃ وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فقال لہ العلاء بن زیاد یا اباحمزۃ اھکذا کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ قال نعم (قسطلانی) اور نیل الاوطار میں نسبت حدیث ابوداؤد کے لکھا ہے الحدیث الثانی حسنہ الترمذی وسکت عنہ ابوداؤد والمنذری والحافظ فی التلخیص ورجال اسنادہ ثقات اور مولوی وحید الزمان ترجمہ ابوداؤد میں تحریر کرتے ہیں ترجمہ نافع سے جن کی کنیت ابوغالب ہے روایت ہے میں سکۃ المربد (ایک موضع ہے) میں تھا اتنے میں ایک جنازہ نکلا اس کے ساتھ بہت لوگ تھے لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے یہ سن کر میں بھی اس کے پیچھے چلا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا باریک کمبل اوڑھے ہوئے ایک چھوٹی راس کے گھوڑے پر سوار ہے اور اپنے سر پہ ایک کپڑے کا ٹکڑا دھوپ سے بچاؤ کے لئے ڈالے ہوئے ہے میں نے پوچھا یہ زبیندار کون ہے لوگوں نے کہا انس بن مالک ہیں (جنہوں نے دس برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ان کا

[1] مرد کے جنازہ میں سر کے مقابل امام کھڑا ہو تاکہ اس کی شرمگاہ پر اس کی نظر نہ پڑے بخلاف عورت کے کہ اس کی کمر کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ وہ عموماً تابوت میں ہوتی ہے اور اس کے وسط میں کھڑا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اما م آڑ بن جائے حضرت انس نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے اور ایک جنازہ آیا اس کا سبز رنگ کا تابوت تھا۔ آپ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے علاء بن زیاد نے پوچھا اے ابوحمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھایا کرتے تھے۔ کہنے لگے۔ ہاں۔

انتقال ہوا اور سو سے زیادہ ان کی عمر ہوئی، جب جنازہ رکھا گیا، تو انس کھڑے ہوئے، اور انہوں نے نماز پڑھائی ہیں ان کے پیچھے تھا میرے اور ان کے بیچ میں کچھ آڑ نہ تھی انہوں نے چار تکبیریں کہیں نہ بہت دیر میں نماز پڑھی نہ جلدی ہی پھر جانے لگے۔ بیٹھنے کو لوگوں نے کہا اے ابا حمزہ (کنیت ہے حضرت انس کی) یہ عورت انصاریہ کا جنازہ ہے پھر اس کو نزدیک لائے۔ اور وہ ایک سبز تابوت میں تھی تو انس کھڑے ہوئے اس کے کولے کے سامنے (یعنی سر کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے جیسے مرد کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے) پھر نماز پڑھی اس پر اسی طرح جیسے مرد پہ نماز پڑھی تھی، بعد اس کے بیٹھے تو علاء بن زیاد نے کہا اے ابا حمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے، جیسے تم نے پڑھی اور چار تکبیریں کہتے تھے، اور مرد کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے اور عورت کے کولے کے سامنے انس نے کہا ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے اور اسی مقاموں میں کھڑے ہوتے تھے اور اسد الغابہ میں تحت احوال زینب بنت جحش کے لکھا ہے وصلی علیہا[1] عمر بن الخطاب و دخل قبرھا اسامۃ بن زید ومحمد بن عبداللہ بن جحش وعبداللہ بن ابی احمد بن جحش قیل ھی اول امرأۃ صنع لہا النعش ودفنت بالبقیع انتہی۔ اور تحت احوال فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لکھا ہے ولما[2] حضرھا الموت قالت

---

[1] ان پر عمر بن الخطاب نے نماز پڑھائی اور ان کی قبر میں اسامۃ بن زید اور محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اترے، کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی عورت تھی جس کے لئے تابوت بنایا گیا، اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ [2] جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اسماء بنت عمیس سے کہا جو کچھ عورتوں کے متعلق کیا جاتا ہے، میں تو اس کو برا سمجھتی ہوں کہ عورت پر ایک کپڑا سا ڈال دیتے ہیں، اور پھر لوگ اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں (میت بھاری تھی، ہلکی تھی، فلاں عورت بڑی موٹی تھی وغیرہ وغیرہ) اسماء نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی میں تجھے ایک چیز دکھلاتی ہوں جو میں نے حبشہ کے علاقہ میں دیکھی تھی اس کھجور کی تازہ شاخیں منگائیں ان کو جھکایا اور اس پر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا یہ چیز

لاسماء بنت عمیس یا اسماء انی قد استقبحت ما یصنع بالنساء یطرح علی المرأۃ الثوب نیصفها قالت اسماء یا ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اریک شیئا رأیتہ بارض الحبشۃ فدعت بجرائد رطبۃ فحنتها ثم طرحت علیها ثوبا فقالت فاطمۃ ما احسن هذا واجملہ فاذا انا مت فاغسلینی انت وعلی ولا تدخلی علی احد افلما توفیت جاءت عائشۃ فمنعتها اسماء فشکتها عائشۃ الی ابی بکر وقالت هذہ الخثعمیۃ تحول بیننا وبین بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقف ابوبکر علی الباب وقال یا اسماء ما حملک علی ان منعت ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یدخلن علی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد صنعت لها هودجا قالت هی امرتنی ان لا یدخل احد وامرتنی ان اصنع لها ذلک قال فاصنعی ما امرتک وغسلها علی واسماء وهی اول من غطی نعشا فی الاسلام ثم بعدها زینب بنت جحش وصلی علیها علی بن ابی طالب وقیل صلی علیها العباس واوصت ان تدفن لیلا ففعل ذلک بها ونزل فی قبرها علی والعباس والفضل بن عباس قیل توفیت لثلاث خلون من رمضان سنۃ احدی عشرۃ واللہ اعلم انتهی، قال الامام النووی فی المنهاج فی کتاب

تو بہت اچھی ہے جب میں مرجاوں تو مجھے تو اور علی دونوں مل کر غسل دے دینا اور کسی دوسرے کو قریب نہ آنے دینا جب فاطمہ فوت ہوگئیں تو حضرت عائشہ آئیں اسماء نے ان کو روک دیا حضرت عائشہ نے ابوبکر کے پاس شکایت کی یہ خثعمی عورت ہمیں رسول اللہ کی بیٹی کے پاس نہیں جانے دیتی، تو ابوبکر نے دروازہ پر کھڑے ہوکر فرمایا اے اسماء تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو فاطمہؓ کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہے اور اسماء نے فاطمہؓ کے لئے تابوت بنایا تھا اسماء نے کہا فاطمہؓ ہی وصیت کر گئی تھیں کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور مجھے تابوت بنانے کا حکم بھی دیا تھا۔ ابوبکرؓ نے کہا اچھا بناؤ پھر حضرت علی اور اسماء نے فاطمہؓ کو غسل دیا یہ سب سے پہلی عورت تھی، جس کی لاش اسلام میں ڈھانپی گئی پھر اس کے بعد زینب بنت جحش کی لاش ڈھانپی گئی پھر فاطمہؓ کا جنازہ حضرت علی نے

الجنائز ویندب للمرأۃ ما یسترھا کتابوت قال فی تحفۃ المحتاج لابن حجر المکی یعنی قبۃ مغطاۃ لایصاء ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بہ وکانت قد رأتہ بالحبشۃ لما ھاجرت وروی البیہقی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصت ان یتخذ لہا ذلک انتہی وقد روی عبد الرزاق عن ابن جریج عن الشعبی عن رجل ان سعد بن مالک قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فستر علی القبر حتی دفن سعد بن معاذ فیہ فکنت ممن امسک الثوب وروی یوسف القاضی باسنادلہ عن رجل عن علی انہ اتاھم ونحن ندفن قیسا وقد بسط الثوب علی قبرہ فجذبہ وقال انما یصنع ھذا بالنساء تلخیص الحبیر۔ ان سب عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ اجلہ اصحاب کرام جیسے حضرت انس و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عباس و جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے ایسا جنازہ کہ جس پر تابوت تھا سبھوں نے نماز جنازہ خوشی سے ادا کی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت ہوئی واسطے بنانے تابوت کے اور قبیح سمجھا بغیر تابوت کے ہونے کو چنانچہ بعد وفات آپ کے حسب وصیت کے عمل سامنے جمیع صحابہ کے کیا گیا، اور

پڑھا۔ بعض کہتے ہیں حضرت عباس نے پڑھایا تھا۔ اور فاطمہ وصیت کر گئی تھیں کہ ان کو رات کے وقت دفن کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ان کی قبر میں حضرت علی۔ عباس اور فضل بن عباس اترے آپ کی وفات ۳ رمضان ۱۱ھ کو ہوئی۔

امام نووی نے منہاج میں کہا۔ مستحب ہے کہ عورت کے لئے تابوت بنا دیا جائے۔ تاکہ اس کی پردہ پوشی ہو جائے ابن حجر مکی نے کہا ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی تھی۔ کیونکہ وہ ہجرت حبشہ میں وہاں تابوت دیکھ آئی تھیں۔ بیہقی نے کہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی۔ حضرت سعد بن معاذ کو جب دفن کیا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قبر پر پردہ کر لو چنانچہ ایک چادر پھیلا دی گئی۔ جب قیس کو دفن کیا جانے لگا تو ان کی قبر پر چادر پھیلائی گئی حضرت علی آئے اور چادر کو کھینچ لیا اور فرمایا عورتوں پر پھیلائی جاتی ہے

نیز حضرت زینب ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر تابوت تھا۔ اور حضرت عمر جیسے صحابی ماحی المنکرات نے نماز نجوشی پڑھائی تھی۔ اور قسطلانی اور فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں دستور تابوت کا تھا۔ اور تلخیص کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ عورت کے دفن کرتے کے وقت چادر کا پردہ کرنا چاہیئے اور بہت کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے اہل سنت کے لئے اس قدر کافی ہے پس باوجود ایسے ثبوت کے کون انکار کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سنت صحابہ کرام کا ہوا موافق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا اور اہل سنت اسی سبب سے اہل سنت والجماعت کے لقب سے ملقب ہوئے پس باوجود اتنے ثبوت کے جو کوئی انکار کرے وہ جاہل ہے۔ عالم نہیں یا اس میں مادہ رفض ہے کہ جنازہ مسلمین کی بے حرمتی چاہتا ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ[1] جیسا کہ اوپر گذرا۔ فی زماننا ابوداؤد کا ترجمہ ہو گیا ہے اس کو بھی جس نے دیکھا ہے۔ کبھی ایسی بات زبان پر نہیں لا سکتا سچ ہے حضرت نے فرمایا ہے کہ بنائیں گے لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو پس پوچھے جاویں گے تو فتوے دیں گے بغیر علم کے پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے قال اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔ الراقم ہیچمیرز تلطف حسین عفی عنہ۔ تاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ ہجری۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۶۹۵)

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست ہے یا نہیں اور جنازے کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا زور سے پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں یا نہیں اور اس پر عمل کرنا جائز

---

[1] جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

ہے یا نہیں۔

جواب:۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا نہیں درست ہے منتقی میں ہے۔

عن بشیر بن الخصاصیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیین القھما رواہ الخمسۃ الا الترمذی۔ یعنی بشیر ابن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جارہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے اور جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورت کا پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں سورہ فاتحہ کی حدیث کے راوی تو اس واسطے ٹھیک ہیں کہ وہ صحیح بخاری کی حدیث ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن ابن عباس انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب و قال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری والبوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی وقال فیہ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر فلما فرغ قال سنۃ وحق۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ سورہ فاتحہ میں نے اس واسطے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ سنت ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور صحیح کہا اس کو اور روایت کیا اس کو نسائی نے اور اس میں یوں کہا ہے کہ پھر پڑھی ابن عباسؓ نے سورہ فاتحہ اور ایک اور سورہ اور زور سے پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے اور وہ حدیث کہ جس میں سورہ ملانے کا ذکر ہے وہ نسائی شریف کی روایت ہے جیسا کہ اوپر منتقی کی عبارت سے معلوم ہوا اور اس کے راوی اس واسطے ٹھیک ہیں، کہ اس کی سند کو علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار شرح منتقی میں صحیح کہا ہے چنانچہ نیل الاوطار میں ہے قولہ[1] وسورۃ فیہ مشروعیۃ قراءۃ سورۃ مع الفاتحۃ فی صلوۃ

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ کا پڑھنا بھی درست ہے اور اس کو قبول کرنے

الجنازۃ ولا محیص عن المصیر الی ذلک لانہا زیادۃ خارجۃ عن مخرج صحیح انتہی مختصرا۔ جب ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا جہر سے پڑھنا جس حدیث سے مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں اور وہ حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا جائز ہوا واللہ تعالٰی اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق:۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کی ممانعت بشیر بن خصاصیہ کی حدیث مذکور سے صاف ثابت ہوتی ہے اور بعض اہل علم اس حدیث کے مطابق ممانعت کے قائل ہیں اور بعض اہل علم قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کو جائز بتاتے ہیں، مگر جس حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ان کا مطلوب ثابت نہیں ہوتا علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ سبتی جوتی (یعنی مدبوغ چمڑے کی جوتی جس میں بال نہ ہوں) پہن کر قبرستان میں چلنا حرام و ناجائز ہے اور غیر سبتی جوتی پہن کر چلنا جائز ہے لیکن ابن حزم کا بھی یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ سبتی اور غیر سبتی جوتی میں کوئی فارق نہیں ہے امام طحاوی کہتے ہیں کہ حضرت نے جو اس شخص کو جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا سو یہ ممانعت محمول ہے اس پر کہ اس کی جوتی میں ناپاکی لگی تھی۔ مگر یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں پس جو لوگ ممانعت کے قائل ہیں انہیں کا قول مدلل ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں واستدل بہ (ای بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیسمع قرع نعالہم) علی جواز المشی

کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ زیادت صحیح سند سے ثابت ہے لے ابن حجر نے کہا اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبرستان میں جوتیوں سمیت چلنا جائز ہے ابن جوزی نے کہا اس میں جائز ناجائز کی کوئی بحث ہی نہیں ہے یہ تو ایک واقعہ کی حکایت ہے مجوزین لکھتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو نبی صلعم اس کو بیان کر دیتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قبرستان کے باہر جوتیوں کی آواز مردہ سنتا ہو اور بشیر بن خصاصیہ کی حدیث سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے طحاوی کہتے ہیں ممکن ہے اس کی جوتیاں پلید ہوں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پاک جوتیوں سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے قبرستان اس سے زیادہ پاک جگہ نہیں ہے۔

بین القبور بالنعال ولا دلالة فيه قال ابن الجوزی لیس فی الحدیث سوی الحكاية عمن يدخل المقابر وذلك لا يقتضی اباحة ولا تحريما انتهى وانما استدل به من استدل على الاباحة اخذا من كونه صلی اللہ علیہ وسلم قاله واقره فلو كان مكروها لبينه لكن يعكر عليه احتمال ان يكون المراد سماعه اياها بعد ان يجاوزوا المقبرة ويدل على الكراهة حديث بشير بن الخصاصية اخرجه ابوداؤد والنسائی وصححه الحاكم واغرب ابن حزم فقال يحرم المشی بین القبور بالنعال السبتية دون غيرها وهو جمود شديد وقال الطحاوی يحمل نهی الرجل المذكور على انه كان فی نعليه قذر فقد كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی نعليه ما لم ير فيهما اذی انتهی مختصراً اور بلاشبہ ابن عباس کی روایت مذکور بالا سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور کسی اور سورہ کا پڑھنا سنت و حق ہے۔ اور بلاشبہ یہ روایت بھی قابل عمل ہے لیکن رہی یہ بات کہ سورۃ فاتحہ اور سورہ کو جہر سے پڑھنا چاہیئے یا آہستہ سو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک روایت میں تصریح کر دی ہے کہ میں نے فاتحہ اور سورۃ کا نماز جنازہ میں پڑھنا سنت ہے۔ فتح الباری صفحہ ۱۹۰ میں ہے۔ وللحاكم[1] من طريق ابن عجلان انه سمع سعيد بن ابی سعيد يقول صلی ابن عباس على جنازة فجهر بالحمد ثم قال انما جهرت لتعلموا انها سنة وفيه ايضا وروى الحاكم ايضا من طريق شرحبيل بن سعد عن ابن عباس انه صلى على جنازة فكبر ثم قرأ بالفاتحة رافعا صوته ثم صلى على النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اللهم عبدك الى قوله ثم انصرف فقال يا ايها الناس انی لم اقرأ عليها ای جهرا الا لتعلموا انها سنة۔ اور اسی طرح شافعی

[1] سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور الحمد بلند آواز سے پڑھی اور کہا میں نے اس لیے بلند آواز سے پڑھی کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ الحمد پڑھنا سنت ہے ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر یہ دعا پڑھی اللھم ھذا عبدك الخ پھر فارغ ہوئے تو کہا میں بلند آواز سے جنازہ اس لئے پڑھا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ کا سنت طریقہ کیا ہے۔

کی روایت میں ہے تلخیص الحبیر صفحہ ۱۶۰ کے حاشیہ میں ہے وفی روایۃ[1] اسافعی فجھر بالقراۃ وقال انما جھرت لتعلموا انھا سنۃ ومثلھا للحاکم انتہی بدر۔ اور اسی طرح منتقے ابن الجارود میں بھی ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹۱ جلد ۳ میں ہے واخرج[2] ابن الجارود فی المنتقی من طریق زید بن طلحۃ التیمی قال سمعت ابن عباس قرأ علی جنازۃ فاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر بالقراءۃ وقال انما جھرت لاعلمکم انھا سنۃ انتہی۔ پس جب معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فاتحہ اور سورۃ کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا سُنّت ہے تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہیئے تاکہ لوگ سُن کر معلوم کرلیں اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابوامامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے عن[3] ابی امامۃ بن سہل انہ اخبرہ رجل من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بعد التکبیرۃ الاولی سرا فی نفسہ ثم یصلی علی النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم ویخلص الدعاء للجنازۃ فی التکبیرات ولا یقرأ فی شئ منھن ثم یسلم سرا فی نفسہ رواہ الشافعی فی مسندہ (منتقی الاخبار) قال الحافظ فی التلخیص ص ۱۶۱ وضعفت روایۃ الشافعی بمطرف لکن قواھا

[1] آپ نے بلند آواز سے قرأت کی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے قرأت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے جہر سے قرأت کرنا سنت ہے [2] ابن عباس نے ایک جنازہ پر الحمد اور سورۃ بلند آواز سے پڑھی اور کہا کہ میں نے اس لئے بلند آواز سے قرأت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے بلند آواز سے قرأت کرنا سُنّت ہے۔

[3] ایک صحابی نے کہا جنازہ کی نماز میں سُنّت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر تکبیر اولے کے بعد الحمد پڑھے۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر میت کے لئے دعا کرے اور ان تکبیروں میں قرأت نہ کرے پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرے حافظ نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہو جاتی ہے۔

البیہقی بما رواہ فی المعرفۃ من طریق عبید اللہ بن ابی زیاد الرصافی عن الزہری بمعنی روایۃ انتہی۔ اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابن سلمۃ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے السنۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ القرآن فی نفسہ الحدیث رواہ ابن ابی حاتم فی العلل ذکرہ الحافظ فی التلخیص صفحہ ۱۶۰۔ انھیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورہ جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے نیل الاوطار صفحہ ۲۹۸ جلد۳ میں ہے وذھب الجمہور الی انہ لا یستحب الجھر فی صلوۃ الجنازۃ وتمسکوا بقول ابن عباس المتقدم لم اقرأ ای جھرا الا لتعلموا انہ سنۃ وبقولہ فی حدیث ابی امامۃ سرا فی نفسہ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۶۰)

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھنا اور تیسرے دن قل کی رسم وغیرہ بدعت پر کھنے کا معیار، محدثین اور فقہاء کا متفقہ مسلک

از حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ سابق امیر جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان المتوفی ۱۳۸۳ھ

سوال: (۱) نماز جنازہ سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی سب مل کر بہیت اجتماعی دعا مانگتے ہیں اگر نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگی جائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میت کا جنازہ خراب کر دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح جب میت کو غسل دے کر کفن پہنا کر مکان سے باہر نکالتے ہیں تو مکان کے دروازہ کے سامنے میت کا تابوت رکھ دیتے ہیں۔ اور تابوت کے گرد حلقہ بنا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اگر کوئی فاتحہ نہ پڑھے تو اسے بڑی بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

(۳) میت کی موت کے دوسرے دن یا تیسرے دن بڑے اہتمام سے رسم قل ادا کی جاتی

---

[1] جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر آہستہ آواز سے قرآن پڑھے۔

[2] جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ میں بلند آواز سے قراءت مستحب نہیں ہے اور انھوں نے ابن عباس اور ابو امامہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ہے ۔ اخبارات کے ذریعہ ایک معین دن کا اعلان کیا جاتا ہے ، یا اپنے ادنیٰ ملازم کے
ذریعہ برادری میں اطلاع کرا دی جاتی ہے کہ دوسرے یا تیسرے دن فلاں وقت پر رسم قل ادا
جائے گی ، اس دن قرآن کریم کے حافظ یا مولوی صاحبان کو بھی مدعو کیا جاتا ہے ، مولوی صاحبان
اور ان کے ساتھ جو شریک ہو سکیں قرآن مجید پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب پہنچاتے ہیں ، مو
صاحبان کو کھانا کھلایا جاتا ہے ، اور کچھ پھل وغیرہ ان کے ساتھ کر دیئے جاتے ہیں ، اور کچھ
سے بھی خدمت کی جاتی ہے ، کیا شرعاً ان کا ثبوت ہے ؟ اگر فقہاء حنفیہ کی اس بارہ میں تصریح
ذکر کر دی جائیں تو بہت مناسب ہو گا ۔

جواب :- اَقُوْلُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ جب سے مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے
ہوتے چلے جا رہے ہیں ، بدعت کا رواج کثرت سے بڑھ رہا ہے ، سنت مظلوم و مقہور ہو
ہے ، آج تعلیمات نبوی سے ناواقفیت اور کتاب و سنت سے بُعد کی وجہ سے معاملہ برعکس
ہے ، آج سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھا جا رہا ہے ، سنت پر عمل کرنا لوگوں کے ط
و تشنیع کا نشانہ بنتا ہے ، ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت
اظہار میں بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا ہے ، مجالس میلاد منعقد کی جاتی ہیں ، جلوس نکا
جاتے ہیں ، ولادت نبوی کی یادگار منائی جاتی ہے ۔ بازار اور گلی کوچوں میں چراغاں کیا جاتا ہے
اس ادعاء محبت کے ساتھ عمل کی یہ حالت ہے کہ سنت سے نفرت اور بدعت سے پیار
کے سوالات تو صرف ایک خاص مسئلہ کے متعلق ہیں ، لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں نے سا
دین کو اسی طرح بدعات سے ملوث کر کے اس کی صورت مسخ کرنے کی کوشش شروع کر
ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت کو
رکھا جو سنت کی حفاظت کرتے رہے اور بدعات و رسوم سے اسلام کو پاک و صاف
پیش کرتے رہے ۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَاءِ ۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور نارضامندی کا علم انبیاء کرام کے ذریعہ سے
حاصل ہوتا ہے ۔ ان کی رہنمائی کے بغیر عقل انسانی ہرگز معلوم نہیں کر سکتی کہ کن چیزوں سے خدا

ہوتا ہے، اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے، ہمارے لئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی نمونہ کاملہ ہے، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اس لئے ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور پیروی میں زندگی ختم کر دیں، ہماری محبتِ رسول کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہمارا یہ ایمان ہوتا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اُمت کا کوئی خیرخواہ اور ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ ان کی شان میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، وہ تو مومنوں کے لئے بڑے مشفق اور مہربان ہیں۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میت کے لئے رسم قل منفعت بخش ہو، اور وہ نہ بیان فرمائیں، نماز جنازہ کے علاوہ سب کام کر میت کے لئے فاتحہ درود پڑھنا موجب ثواب ہو، اور وہ اس کے لئے ہدایت نہ فرمائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بدعت ایک ایسی معصیت ہے کہ اس کے آجانے سے سُنت کی توفیق اٹھ جاتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ۔

جو قوم دین میں بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس قوم میں سے اس بدعت کے برابر سنت اٹھ جاتی ہے،

یعنی سنت پر عمل کی توفیق سے وہ قوم محروم ہو جاتی ہے اسی واسطے آپ نے بدعت سے بچنے کے لئے بڑی تاکید فرمائی۔ إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

یعنی خبردار! دین میں نئی باتوں سے بچ کے رہنا بیشک دین میں ایسی بات داخل کرنا جونئی ہے بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور یہ گمراہی ایسی خطرناک ہے کہ اس کے مرتکب کو توبہ

نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ ان سے ڈر کر انسان کبھی تو یہ کر لیتا ہے ، لیکن بدعتی کو
توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وُہ بدعت کو دینداری سمجھ کر کرتا ہے اس لئے توبہ کی طرف اس کا دھیان بھی
نہیں جاتا ، اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جس چیز کا بہت فکر ہے ، ایک
تو یہ ہے کہ لوگ اپنے علم پر دوسری چیزوں کو ترجیح دیں گے ، اور فرمایا :۔

اَنْ یَضِلُّوا وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ قَالَ سُفْیَانُ ھُوَصَاحِبُ الْبِدْعَۃِ ۔

ایک اس بات کا خوف ہے کہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے ، اور ان کو شعور تک نہ ہو گا کہ وہ گمراہ ہو گئے ، حضرت
سفیان نے فرمایا کہ یہ لوگ صاحب بدعت ہیں ، اور یہ بھی حضرت حذیفہ ہی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے

وَاللّٰہِ لَتَفْشُوَنَّ الْبِدَعُ حَتّٰی اِذَا تُرِكَ مِنْھَا شَیْئٌ قَالُوْا تُرِکَتِ السُّنَّۃُ ۔

قسم ہے اللہ کی بدعت اس قدر پھیل جائے گی ، اور قبولیت حاصل کرلے گی کہ اگر کوئی شخص ان بدعات
میں سے کوئی چیز چھوڑ دے گا . تو لوگ اسے کہیں گے ، تم نے سُنت چھوڑ دی ۔

وہی بات جو ابھی عرض کر چکا ہوں کہ بدعات کو اس قدر فروغ اور قبول ہو گا کہ عوام اسے دین اور سنت سمجھیں گے
اور اس کے ترک کو ترکِ سنت اور ترکِ دین سمجھیں گے ۔ یہ صورت حال جس کی صحابہ کرام پیش گوئی فرما گئے
آج پورے جوبن پر ہے ، سنت مظلوم ہے ، اور سنت پر عمل کرنے والے تھوڑے اور مقہور ہیں ، علوم نبویہ سے
بے رغبتی ہے ، اور دین سے جہالت عام ہے ، یہ وقت اسلام کی غربت کا ہے ، جس کے لئے حضور کی پیشگوئی
ہے ، بہرحال اس دور بدعت والحاد میں اگر بچاؤ کی صورت ہے تو وہی جو خود اس صادق و مصدوق نے فرمائی
عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد
مؤثر وعظ ارشاد فرمایا ، سننے والوں کی کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے ، اور دل مارے
خوف کے پگھلے جا رہے تھے ، اس وعظ میں آپ نے منجملہ اور نصائح کے ایک یہ بات ارشاد فرمائی
کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا ۔ وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا ، پس تم نے میری سُنت اور خلفاء راشدین
کی سُنت کو لازم پکڑ لینا سُنت کو بڑی مضبوطی کے ساتھ پورے اہتمام کے ساتھ پکڑنا اور دین میں
نئی باتوں سے بچنا کیونکہ دین میں جو نئی بات پیدا کی جائے گی ، وہ بدعت ہو گی ، اور ہر بدعت گمراہی
ہے ۔ (مسند امام احمد ، ابوداؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ ، دارمی) ۔

عرباض بن ساریہؓ کی روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اختلاف کی صورت

بدعت کے پرکھنے کا معیار:- میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا چاہیئے، مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

سنت خلفاء راشدین حقیقت میں سنت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہے، اس کی یا تو یہ صورت ہوئی کہ عہدِ نبوی میں کسی وجہ سے اس کو شہرت حاصل نہ ہوئی یا کسی وجہ سے اس کو رواج نہ دیا گیا، (جیسا کہ نماز تراویح بجماعت مترجم) اور بعد میں صحابہ کرام نے اس سنت کو رواج دیا، اور ان کے زمانہ میں اس سنت کو شہرت حاصل ہوئی، یا صحابہ کرام کے اجتہاد سے کوئی سنت رواج پذیر ہوئی (جیسا کہ جمعہ کی دوسری اذان۔ مترجم) اس کو بھی موافق سنتِ نبوی کہا جائے گا، اور اس پر بدعت کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔

کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ پاکیزہ جماعت تھی، جن کے علوم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور اُن کے سینے فیضان صحبت نبوی سے منور تھے، ان کے سامنے وحی نازل ہوتی اور حضور اقدس سے براہ راست وہ سنتے یا آپ کو اس پر عمل کرتے دیکھتے، صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے برگزیدہ رسول کی محبت میں اپنے گھر بار، آل و اولاد، اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا، اور آستانہ نبوت کی جاروب کشی کو سرمایہ سعادت سمجھ کر دل و جان سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور جان نثار بن گئے تھے، پس سال ہا سال کی تربیت نے ان کو مزاج نبوی کے شناسا بلکہ راز دار بنا دیا تھا، اور اس کمال اتباع کی برکت کا ظہور تھا کہ جب آپ نے فرقہ ناجیہ کی تشریح کی، تو فرمایا:۔

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي ۔

یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہوگا جو اس طریقہ پر گامزن ہوگا، جو میرا اور میرے اصحاب کا ہے، اور کیوں نہ ہو، یہی تو وہ اصحاب کرام ہیں جن کے لئے قرآنِ کریم میں فرمایا:۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۔ (الفتح ۲۶)

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کے دلوں کو تقویٰ پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے بہت ہی مستحق تھے اور اس کے اہل تھے،

اور یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے لئے اسی حدیث میں جس میں آپ نے

اہل السنت والجماعت:۔ بہتر فرقوں کا ذکر کیا اور فرمایا، سب جہنمی ہیں، مگر ایک فرقہ، مسند

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں بجائے "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کے "وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ" کا لفظ ہے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ "جماعت" سے مراد اصحاب کرام ہی ہیں، اسی سے فرقہ حقہ کے لئے "اہل السنۃ والجماعت"

کا نام تجویز ہوا اور انہی کے لئے سواد اعظم کا لفظ ایک حدیث میں استعمال کیا گیا، اور یہی مفہوم ہے۔

صاحب تلویح کی عبارت کا:۔

وَالسَّوَادُ الْاَعْظَمُ عَامَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ مِمَّنْ ھُوَ اُمَّۃٌ مُطْلَقَۃٌ وَالْمُرَادُ بِالْاُمَّۃِ

الْمُطْلَقَۃِ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَھُمُ الَّذِیْنَ طَرِیْقَتُھُمْ طَرِیْقَۃُ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ

السَّلَامُ وَاَصْحَابِہٖ دُوْنَ اَھْلِ الْبِدَعِ۔ (توضیح تلویح ص۲۶ جلد دوم۔ طبع مصر)

یعنی سواد اعظم سے مراد اہل السنت والجماعت ہیں، اور اہل السنت والجماعت وہ ہیں جن کا طریقہ وہی

ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کا طریقہ تھا، نہ کہ اہل بدعت کا طریقہ، جو نہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ اصحاب کرام سے، اور یہی ارشاد فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے اَلْفِرْقَۃُ

النَّاجِیَۃُ ھُمُ الْاٰخِذُوْنَ فِی الْعَقِیْدَۃِ وَالْعَمَلِ جَمِیْعًا بِمَا ظَھَرَ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ

وَجَرٰی عَلَیْہِ جُمْھُوْرُ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَغَیْرُ النَّاجِیَۃِ کُلُّ فِرْقَۃٍ اِنْتَحَلَتْ عَقِیْدَۃً خِلَافَ

عَقِیْدَۃِ السَّلَفِ الصَّالِحِ اَوْعَمَلًا دُوْنَ اَعْمَالِھِمْ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۶ جلد ۱ طبع مصر)

یعنی فرقہ ناجیہ کے لوگ وہ ہیں جو عقیدہ اور عمل دونوں میں ظاہر کتاب وسنت اور جمہور

صحابہ اور تابعین کے طریقہ کے پابند ہوں اور غیر ناجی فرقہ وہ ہے جو سلف صالح

سے عقیدہ یا عمل میں مخالف ہو۔

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ بالا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ

الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کی تشریح میں سوال وجواب کے طرز پر فرماتے ہیں:۔

یہ کیسے معلوم ہو کہ فرقہ ناجیہ، فرقہ اہل السنت والجماعت ہے؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ دین

اسلام نقل سے ہم تک پہنچا ہے نہ کہ عقل سے اور تواتر سے نیز احادیث وآثار کے تفحص سے یہ

بات یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ سلف صالح صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد ائمہ دین سب کے سب اسی اعتقاد اور اسی طریقہ پر کار بند تھے جو اہلِ سنت والجماعت کا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

ومحدثین اصحاب کتب ستہ وغیر ہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ بناو مدار احکام اسلام بر آنہا افتادہ وائمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ وغیرہم از انہا کہ در طبقہ ایشان بودہ اند ہمہ بریں مذہب بودہ اند۔ (صد ہے طبع ہند) یعنی محدثین جو صحاح ستہ اور دوسری مشہور اور مستند کتب حدیث کے مصنف ہیں، اور جن کی کتابوں پر احکام اسلام کا دارو مدار ہے، نیز ائمہ فقہاء مذاہب اربعہ اور ان ائمہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ دین جو ان کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، یہ سب کے سب اہل السنت والجماعت ہیں۔

پس خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ جو عقیدہ یا عملِ دین جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت ہے وہ حق ہے، اور جو عقیدہ یا عملِ دین حدیث سے یا آثار صحابہ سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے اور یہ تمام اہل السنت والجماعت یعنی اہل حدیث اور فقہاء کا متفقہ مسلک ہے۔

یہ محدثین اور فقہاء کا مسلک جو بیان کیا گیا ہے، اس کی اساس تو وہی حدیث نبوی ہے جو صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے:۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا عمل یا عقیدہ ایجاد کیا، جو اس میں نہیں اور بعض روایات کے مطابق جس کے لئے ہماری اجازت نہیں (لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا) وہ عمل مردود ہے اس حدیث کے حقائق ومعارف کو جس طرح صحابہ کرام نے سمجھا حقیقت ہے کہ ہم متاخرین اس کو نہ سمجھ سکتے اگر وہ ہماری اس بارے میں رہنمائی نہ کرتے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

یہاں دو چار ایسے مسائل کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے احداث فی الدین یعنی دین میں بدعت کے ایجاد کو صحابہ کرام نے کس طرح سمجھا، آج ہم اگر صحابہ کرام کی ان تشریحات کو اپنے لئے دستور العمل بنالیں تو ہم بدعات سے بچ سکتے ہیں، اور خالص سنت پر عمل کر کے رضاء الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی ایک روایت مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

حلقہ بنا کر ذکر الٰہی کرنا:۔ غور فرمایئے:۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا کہ آج میں نے مسجد میں ایک نیا عمل دیکھا ہے، مگر یہ ظاہراً اچھا ہی معلوم ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا، کون سا نیا عمل دیکھا ہے؟ حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ نے کہا کہ میں نے مسجد میں ان لوگوں کو جو نماز کے انتظار میں تھے دیکھا کہ وہ حلقوں میں بیٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر حلقہ میں ایک شخص بلند آواز سے کہتا ہے کہ ایک سو دفعہ "اللہ اکبر" پڑھو، نمازی اس کے بعد ایک سو دفعہ "اللہ اکبر" پڑھتے ہیں، اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ سو مرتبہ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سو مرتبہ پڑھواتا ہے، اور لوگ ایک ایک سو مرتبہ پڑھتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا، تم نے ان لوگوں سے کچھ کہا؟ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا میں نے انھیں کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے اس بارہ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں کے پاس خود تشریف لے گئے، اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ حلقہ میں ذکر کرنے والوں نے کہا، حضور! یہ کنکریاں ہیں، ہم ان کے ساتھ گنتی کرتے ہیں، تسبیح و تحمید اور تہلیل کی، یہ سُن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:۔ وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ وَهٰذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ وَآنِيَتُهُ لَمْ تَكْسَرْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ أَنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ او مفتتحي باب ضَلَالَةٍ. فَقَالُوْا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ. قَالَ وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيْبَهُ۔ (دارمی ص ۳۸)

"ہائے افسوس ہے تم پر اے امت محمدیہ، تم کس قدر جلد ہلاکت کی راہ اختیار کرنے لگ گئے ہو۔ دیکھو یہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت ابھی موجود ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی ٹوٹ پھوٹ نہیں گئے، اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم نے طریقۂ محمدیہ سے بہتر طریقہ پالیا ہے، یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو، حلقہ میں ذکر کرنے والوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عرض کیا کہ ہم نے تو نیکی کا کام سمجھ کر یہ حلقہ

میں ذکر شروع کیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، کتنے ہیں جو نیکی کے ارادہ سے عمل کرتے ہیں، لیکن وہ نیکی کو نہیں پا سکتے۔

غور فرمائیے کہ یہ لوگ صرف سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور اَللهُ اَكْبَرُ کا ذکر کرتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس ہیئت کے ساتھ ذکر کرنے کو ناپسند کیا، کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ حلقہ بنا کر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو ذکر کرتے نہیں دیکھا تھا، آپ کے الفاظ کو پھر غور سے پڑھیئے، اتنی سی بات پر آپ فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں سے ایک بات یقینی ہے، (۱) — یا تو تم طریقہ محمدیہ سے بہتر طریقہ پر ہو — (۲) — یا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ! یہ ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت، یہ ہے عشق محمدی، اور یہ ہے، کمال اتباع سنتِ محمدیہ، کہ اتنی سی بات بھی برداشت نہ کر سکے کہ تسبیح و تحمید حلقہ بنا کر ایک ایسی ہیئت کے ساتھ پڑھیں جس ہیئت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو نہیں دیکھا۔

مستحب مکروہ بن جاتا ہے:۔ اس سے بھی زیادہ لطیف اور اہم علمی مسئلہ اتباع سنت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فرمانا ہے:۔ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلٰوتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ (صحیحین)

اپنی نماز میں کوئی شخص شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے، اس طرح کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد صرف داہنی طرف منہ کر کے لوٹنے کو اپنے لئے ضروری قرار دے۔

یعنی امام نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف جب منہ کر کے بیٹھے تو وہ عام دستور کے مطابق (داہنی طرف سے کام کرنے کو مستحب سمجھا جاتا ہے) صرف اپنے داہنی طرف منہ موڑ کر بیٹھنے کو ضروری قرار نہ دے۔ وہ فرماتے ہیں، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر اپنے بائیں طرف مڑ کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس روایت کے ذیل میں ابن المنیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

فِيْهِ اَنَّ الْمَنْدُوْبَاتِ قَدْ تَنْقَلِبُ مَكْرُوْهَاتٍ اِذَا رُفِعَتْ عَنْ رُتْبَتِهَا لِاَنَّ التَّيَامُنَ مُسْتَحَبٌّ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ اُمُوْرِ الْعِبَادَةِ لٰكِنَّ لَمَّا خَشِيَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَنْ يَعْتَقِدُوْا وُجُوْبَهٗ اَشَارَ اِلٰى كَرَاهَتِهٖ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ ایک امر مستحب بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے، جب کہ امر مستحب کو اس کے رتبۂ استحباب سے بڑھا دیا جائے، دیکھئے کہ عبادات میں دائیں ہاتھ سے شروع کرنا ایک امر مستحب ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب یہ خیال کیا کہ لوگ اس امر مستحب کو کہیں واجب نہ قرار دے دیں، آپ نے اس کی کراہت کی طرف اشارہ کر دیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمانے سے واضح ہو گیا کہ جو شخص ایک امر مستحب پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے، سمجھ لو کہ شیطان اس کے گمراہ کرنے کے درپے ہے، کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اس کے رتبۂ استحباب سے بڑھا دیا، اسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شیطانی عمل قرار دے کر اس کے بدعت ہونے کی طرف اشارہ کیا، اور جو شخص صریح بدعت پر اصرار کرے، اور سنت کی راہ قبول کرنے سے گریز کرے، تم سمجھ سکتے ہو کہ شیطان نے اس پر کس قدر قبضہ جما رکھا ہے؟ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

ضابطۂ شرعی:۔ حافظ ابن رجبؒ نے حدیث مذکور الصدر (مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا) کے ذیل میں عبادات میں کسی عمل کو بدعت یا سنت قرار دینے کے لئے ایک ضابطۂ بیان کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضابطۂ شرعیہ کا ذکر کر دوں، اور اسی پر اس فتویٰ کو ختم کر دوں۔ فرماتے ہیں:۔ فَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ لَمْ يَجْعَلْهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ قُرْبَةً اِلَى اللّٰهِ فَعَمَلُهٗ بَاطِلٌ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا كَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَى اللّٰهِ بِسَمَاعِ الْمَلَاهِيْ اَوْ بِالرَّقْصِ اَوْ بِكَشْفِ الرَّاْسِ فِيْ غَيْرِ حَالِ الْاِحْرَامِ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْمُحْدَثَاتِ الَّتِيْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ التَّقَرُّبَ بِهَا بِالْكُلِّيَّةِ۔

یعنی جو شخص اللہ عزوجل کا قرب ایسے عمل سے حاصل کرنا چاہتا ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں بتایا تو سمجھ لو کہ اس کا عمل باطل اور مردود ہے، اس کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی شخص گانے بجانے کے آلات سے یا رقص و سرود سے یا حالتِ احرام کے سوا سر ننگا رکھنے سے قربِ الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے، یا اس جیسی اور بدعات جسے اللہ اور اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تقرب کا ذریعہ قرار نہیں دیا۔

اس کے بعد دوسرا ضابطہ بیان فرماتے ہیں، اسے غور سے پڑھنا چاہیے، اس بارے میں اچھے اچھے صاحب علم بھی غلطی کر جاتے ہیں، فرماتے ہیں:۔ وَلَيْسَ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي عِبَادَةٍ يَكُونُ قُرْبَةً فِي غَيْرِهَا مُطْلَقًا۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ ایک کام ایک عبادت میں تو موجب تقرب الی اللہ ہے تو وہ کام ہر عبادت میں موجبِ تقرب ہو، اس کے بعد ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ:۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے دیکھا تو آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کھڑا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ جمعہ کا دن تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے رہیں گے، وہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، اور دھوپ میں کھڑا رہے گا، سایہ میں نہیں آئے گا، فرماتے ہیں، اس کی یہ نذر صرف آپ کے خطبہ کے سننے اور آپ کے احترام کی نیت سے تھی، لیکن آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائے اور سایہ میں آجائے، فرماتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی نذر کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں سمجھا، حالانکہ قیام عبادت ہے، نماز میں اذان میں عرفات میں دعا کے وقت اور سایہ سے نکل کر دھوپ میں کھڑا ہونا موجب تقرب ہے میدانِ عرفات میں۔

اس کے بعد ضابطہ شرعیہ بیان فرماتے ہیں:۔

فَدَلَّ عَلَى اَنَّهُ لَيْسَ كُلُّ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي مَوْطِنٍ يَكُونُ قُرْبَةً فِي كُلِّ الْمَوَاطِنِ اِنَّمَا يُتَّبَعُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ مَا وَرَدَتْ بِهِ الشَّرِيْعَةُ فِي مَوَاضِعِهَا۔ (جامع العلوم والحکم ص۴۲)

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایک عمل اگر ایک مقام پر موجب ثواب ہے تو ضروری نہیں کہ ہر جگہ وہ عمل موجبِ ثواب ہو، اس بارہ میں ہر مقام کے لحاظ سے تمام تر اتباع شریعت کا کیا جائے گا۔

اس استفتاء کے جواب کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک نصیحت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک خط پر ختم کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نصیحت مبارکہ:۔ آپ فرماتے ہیں:۔

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص راہِ راست چلنا چاہتا ہے، اُسے چاہیئے کہ اُن لوگوں کے نقشِ قدم پہ چلے جو فوت ہو گئے ہیں، کیونکہ زندوں کے لئے خوف ہے فتنہ میں گرفتار ہو جانے کا۔ وہ کون لوگ ہیں۔ (جن کی راہ اختیار کی جائے) آنحضرت کے صحابہ ہیں، یہی لوگ اس امت کے بہترین افراد ہیں، ان کے دل نہایت نیک تھے، ان کے علم بہت گہرے تھے، ان کے اندر تکلف بالکل کم تھا، اللہ نے اپنے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے لئے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لئے ان (اصحاب) کو منتخب فرمایا، پس تم لوگ بھی ان کی بزرگی کی قدر کرو، اور ان کے قدم بقدم راہ اختیار کرو، اور جہاں تک ممکن ہو، ان کے اخلاق و عادات کو کوشش کے ساتھ حاصل کرو کیونکہ یہ لوگ نہایت صحیح ہدایت پر تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مکتوب گرامی:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بعض اہل بدعت کے جواب میں یہ مکتوب گرامی لکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس مکتوب کا مطالعہ اگر بدعت پسند حضرات اخلاص سے کریں گے تو امید ہے کہ انھیں رشد و ہدایت کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ بحول اللہ وقوتہ۔

أَمَّا بَعْدُ أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْاِقْتِصَادِ فِي أَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرْكِ مَا أَحْدَثَ الْمُحْدِثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ وَكُفُوا مُؤْنَتَهُ فَعَلَيْكَ بِلُزُومِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ عِصْمَةٌ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً إِلَّا قَدْ مَضَى قَبْلَهَا مَا هُوَ دَلِيلٌ عَلَيْهَا أَوْ عِبْرَةٌ فِيهَا فَإِنَّ السُّنَّةَ إِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَا فِي خِلَافِهَا مِنَ الْخَطَاءِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ لِأَنْفُسِهِمْ فَإِنَّهُمْ عَلَى عِلْمٍ وَقَفُوا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوا وَلَهُمْ عَلَى كَشْفِ الْأُمُورِ كَانُوا أَقْوَى وَبِفَضْلِ مَا كَانُوا فِيهِ أَوْلَى فَإِنْ كَانَ الْهُدَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوهُمْ إِلَيْهِ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّمَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَا أَحْدَثَهُ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ وَرَغِبَ بِنَفْسِهِ عَنْهُمْ فَإِنَّهُمْ هُمُ السَّابِقُونَ فَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ بِمَا يَكْفِي وَوَصَفُوا مِنْهُ مَا يَشْفِي فَمَا دُونَهُمْ مِنْ مُقَصِّرٍ وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مُحَسِّرٍ وَقَدْ قَصَّرَ قَوْمٌ دُونَهُمْ فَجَفَوْا وَطَمَحَ عَنْهُمْ أَقْوَامٌ فَغَلَوْا وَإِنَّهُمْ بَيْنَ ذٰلِكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ۔ (ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۴ ص ۳۳۲، ۳۳۳)۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد وصیت کرتا ہوں تم کو اللہ کے تقویٰ اور اس کے حکم میں میانہ روی کی اور اس کے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سنت کی اتباع کی، اور بدعتیوں کے نئے خیالات کے چھوڑنے کی جو انہوں نے سنت رسول قائم ہونے کے بعد ظاہر کئے ہیں، وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائیں گے، اور تم سنت کے ساتھ چمٹے جاؤ، باذن اللہ تعالےٰ تمہارے لئے اسی میں نجات ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آج جو بدعت لوگ نکال رہے ہیں اس سے قبل اس کا بطلان ہو چکا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے، کیونکہ جس نے یہ سنت قائم کی (یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے خلاف کا بھی خوب علم رکھتا ہے کہ جو بات اس کے خلاف ہے، وہ سر سر خطا اور غلطی ہے، اور اس کا اختیار کرنا حماقت اور بے جا انہماک ہے، تم اپنے لئے اسی راہ کو پسند کرو جو (پہلے) لوگوں نے اپنے لئے پسند کی

ہے (یعنی صحابہ کی) کیونکہ ان لوگوں نے پوری واقفیت کے ساتھ اس راہ کو اختیار کیا تھا، اور نہایت تیز نگاہ کے ساتھ دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گئے تھے، اور یقیناً یہی لوگ دریافت کرنے کے لئے سب سے زیادہ لائق تھے، اور اچھی چیز کے حاصل کرنے کے مستحق تھے، پس اگر ان خیالات کو ہدایت سمجھا جائے جو تم لوگوں نے ایجاد کیا ہے تو لازم آئے گا کہ تم لوگ صحابہ سے بھی (علم و فضل میں) بڑھ گئے (اور یہ قطعاً غلط ہے) کیونکہ ان لوگوں (صحابہ) نے خوب اچھی طرح ان باتوں کو حل کر لیا تھا، اور صاف طور پر واضح کر لیا تھا، جو تسکین و تشفی کے لئے کافی تھا، اب اس سے نیچے اترنے کی جگہ ہے، نہ اس کے اوپر چڑھنے کی منزل ہے، جو لوگ اس تہ تک نہ پہنچ سکے وہ نیچے رہ گئے، جن لوگوں نے اس سے آگے بڑھنا چاہا وہ حد سے آگے بڑھ گئے، اور یقیناً وہ لوگ (یعنی صحابہ کرام) ہی وہ لوگ ہیں جو افراط و تفریط سے اور آگے پیچھے ہونے سے بچے اور صراط مستقیم پر مستقل طور پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود

محمد داؤد الغزنوی (الاعتصام جلد ۱۰ شمارہ ۱۰ تا ۱۲)

تارک الصلوٰۃ پر نماز جنازہ

سوال:۔ بے نماز کا جنازہ جائز ہے، یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ بے نماز کا جنازہ عالم مقتدی پیشوا صالح نہ پڑھے، تاکہ عبرت ہو، اور نمازی عوام الناس اگر پڑھیں تو مضائقہ نہیں، بعضے مجرموں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جنازہ نہیں پڑھتے تھے، اور اپنے اصحاب کو حکم دیتے تھے کہ تم پڑھ لو، اور اس قسم کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

فقط حررہ عبد الجبار الغزنوی عفی عنہ

(فتاویٰ غزنویہ صـ۱۰۱)

تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین

سوال :۔ نماز جنازہ میں ہر تکبیرات کہنے کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے، یا نہیں اور ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا درست ہے، یا نہیں ؟

جواب :۔ جنازہ میں تکبیرات ہاتھ اٹھانا نہ اٹھانے سے بہتر ہے، اخرج البیهقی[1] عن ابن عمر انه کان یرفع یدیه فی جمیع تکبیرات الجنازة قال الحافظ سنده[2] صحیح وعلقه البخاری ووصله فی جزء رفع الیدین ورواه الطبرانی فی الاوسط ورواه الشافعی عن سمع سلمة بن وردان یذکر عن انس انه کان یرفع یدیه کلما کبر علی الجنازة وروی ایضا الشافعی عن عروة وابن المسیب مثل ذلك قال وعلی ذلك ادرکنا اهل العلم ببلدنا وحکاه ابن المنذر عن ابن عمر وعمر بن عبد العزیز وعطاء وسالم بن عبد الله وقیس بن ابی حازم والزهری والاوزاعی واحمد واسحاق واختاره ابن المنذر وقد صح عن ابن عباس انه کان یرفع یدیه فی تکبیرات الجنازة رواه سعید بن منصور۔ تلخیص للحافظ ابن حجر ملتقطا۔

---

[1] بیہقی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ جنازہ کی سب تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے، حافظ بن حجر نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے، اور امام بخاری علیہ الرحمۃ اس کو اپنی تعلیقات میں لائے ہیں، اور اپنے رسالہ جزء رفع الیدین میں اس کو موصول بھی بیان کیا ہے، اور طبرانی نے اس کو اوسط میں روایت کیا ہے، اور شافعی نے اس شخص سے روایت کی ہے، جس نے سلمہ بن وردان سے سنا جو وہ انس سے روایت کرتا ہے کہ وہ جب جنازہ پر تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور شافعی نے عروہ اور ابن مسیب سے بھی اسی طرح روایت کی ہے، اور کہا کہ اسی پر یعنی اپنے شہر میں اہل علم کو پایا ۱۲ اور ابن منذر نے بھی اس کو عبداللہ بن عمر اور عمر بن عبدالعزیز اور عطاء اور سالم بن عبداللہ اور قیس بن ابی حازم اور زہری اور اوزاعی اور احمد اور اسحاق سے حکایت کیا ہے، اور اس کو پسند کیا ہے، حافظ ابن حجر کی تلخیص میں ہے کہ سعید بن منصور نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ جنازہ کی تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے ۱۲۔ عبدالودود[2]

اور درمیان تکبیرات کے ہاتھ باندھ لینے چاہئے، کیونکہ یہ بھی نماز ہے، اور نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ ص ۹۹)

سوال :۔ نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین ثابت ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ چنانچہ درمختار میں ہے یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الْاُوْلٰی فقط۔ وقال ائمۃ بلخ فِی کُلِّہَا آہ ردالمختار میں ہے وَمَا فِی شرح الکیدانیۃ للقہستانی من انہ لَا یَجُوْزُ الْمُتَابِعَۃُ فِیْ رَفْعِ الْیَدَیْنِ فی تکبیرات الرکوع و تکبیرات الجنازۃ فِیْہِ نَظْرٌ اِذْ لَیْسَ ذٰلِکَ لَامِمَّا لا یَسُوْغُ الْاِجْتِہَادُ فِیْہِ بالنظر الی الرفع فی تکبیرات الجنازۃ لِمَا عَلِمْتَ مِنْ اَنَّہٗ قَالَ بِہِ الْبَلْخِیُّوْنَ من ائمتنا آہ حسن شرنبلالی نے ص۲۰۳ حاشیہ درر میں لکھا ہے قولہ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الْاُوْلٰی فقط ھو ظاھر الروایۃ قولہ و عند الشافعی فی کلہا اختارہ کثیر من مشائخ بلخ کما فی التبیین آہ عمدۃ الرعایۃ میں ہے، قولہ خلافا للشافعی کذا لاحمد و مالک بل قال بہ ائمۃ بلخ من مشائخنا وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ ایضا۔ آہ (فتاویٰ مفید الاحناف ص)

۱؎ اور وہ جو قہستانی کی شرح کیدانی میں ہے کہ نہیں جائز ہے تابعداری رفع یدین میں تکبیرات رکوع میں۔ اور تکبیرات جنازہ کے اس میں نظر ہے، اس واسطے کہ یہ نہیں ہے اس قسم سے کہ نہیں جائز ہے، اجتہاد اس میں ساتھ نظر کرتے کے طرف رفع یدین کے تکبیرات جنازہ میں کیونکہ جانا تو نے یہ کہ قائل ہوئے اس کے بلخ والے ہمارے اماموں سے۔

۲؎ رفع یدین کرے تکبیر اول میں فقط یہ ظاہر روایت ہے، اور نزدیک شافعی کے ثابت ہے کل تکبیرات میں اختیار کیا ہے، اس کو بہت سے مشائخ بلخ جیسا کہ تبیین میں ہے۔

۳؎ بخلاف شافعی کے اور اسی طرح بخلاف احمد اور مالک کے بلکہ قائل ہوئے اس کے ائمہ بلخ ہمارے مشائخ سے اور وہ روایت ہے، ابو حنیفہ سے بھی۔ ۱۲۔

سوال:۔ اگر ایک ہی وقت مرد و عورت کے پانچ سات جنازے جمع ہو جائیں، تو سب کے لئے ایک نماز جنازہ کافی ہو گی یا ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ پڑھنی چاہیئے۔

جواب:۔ ہر ایک جنازہ پر الگ الگ نماز پڑھنی ضروری نہیں، ایک ہی نماز کافی ہے، اگر مرد و عورت دونوں کے جنازے جمع ہوں تو امام اپنے آگے پہلے مرد کا جنازہ رکھے، مردوں کے جنازے کے بعد قبلہ کی جانب عورتوں کے جنازے رکھ کر نماز ادا کرے۔ قال مالك انه بلغه ان عثمان بن عفان وعبد الله ابن عمر وابا هريرة كانوا يصلون على الجنائز بالمدينة الرجال والنساء فيجعلون الرجال مما يلي الامام والنساء مما يلي القبلة۔ (موطا مالك) واخرج ابوداؤد بسنده عن عمار مولى الحارث انه شهد جنازة ام كلثوم وابنها زيد فجعل الغلام مما يلي الامام فانكر ذلك وفي القوم ابن عباس وابو سعيد الخدري وابو قتادة وابو هريرة فقالوا هذه السنة قال الشوكاني سكت عنه ابوداؤد والمنذري ورجال اسناده ثقات ورواه النسائي واخرجه البيهقي وقال في القوم الحسن والحسين وابن عمر وابو هريرة ونحو من ثمانين نفسا من اصحاب النبي وفي رواية البيهقي ان الامام في هذه القصة ابن عمرو في اخرى للدارقطني والنسائي من رواية نافع عن ابن عمر ان صلى على سبع جنائز رجال ونساء فجعل الرجال مما يلي الامام وجعل النساء مما يلي القبلة وصفهم صفا واحدا الحديث وكذلك رواه ابن الجارود في المنتقى قال الحافظ اسناده صحيح انتهى. نيل الاوطار۔ (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی محدث دہلی (جلد ۱ شمارہ ۵)

سوال:۔ مقروض کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہیں، وہ کیسی ہیں؟ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

جواب:۔ مقروض کے جنازہ کے متعلق حدیث صحیح ہے، مسند احمد، صحیح بخاری اور سنن نسائی میں سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے۔ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلٰثَةُ دَنَانِيْرَ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ۔

یعنی ایک میت پر آپ کو نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی آپ نے دریافت فرمایا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے لوگوں نے نفی میں جواب دیا، پھر فرمایا اس پر کوئی قرضہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ تین دینار کا مقروض تھا، آپ نے فرمایا تم (خود ہی) اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، اس پر ابو قتادہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز جنازہ پڑھائیں میں قرض ادا کر دوں گا، پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اسی طرح امام احمدؒ، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے، اس میں الفاظ ہیں فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ أَنَا أَتَكَفَّلُ بِهِ یعنی میں اس کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔ حضرت جابرؓ کی حدیث مسند احمد، سنن ابی داؤد و سنن نسائی، صحیح ابن حبان اور دار قطنی میں ہے، فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي عَلَى رَجُلٍ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَأُتِيَ بِمَيِّتٍ سَأَلَ أَعَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا نَعَمْ دِينَارَانِ قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ هُمَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُسْلِمٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

یعنی آپ مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے، ایک میت ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا، اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے کہا، دو دینار کا مقروض ہے، آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو، ابو قتادہؓ نے اس کا ذمہ اٹھا لیا، جب اللہ تعالیٰ نے فراخی دے دی تو آپ نے فرمادیا، میں ہر مسلمان سے خود اس سے بھی زیادہ قریبی ہوں، اگر کوئی مال چھوڑے، وہ ورثہ لیں، اور اگر کوئی قرض چھوڑ کر دے گا، تو وہ میں ادا کروں گا، اسی طرح دار قطنی اور بیہقی میں ابو سعیدؓ سے مروی ہے، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِنَازَةٍ فَلَمَّا وُضِعَتْ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَلَى صَاحِبِكُمْ مِنْ دَيْنٍ قَالُوا نَعَمْ دِرْهَمَانِ قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ هُمَا عَلَيَّ وَأَنَا لَهُمَا ضَامِنٌ فَقَامَ فَصَلَّى ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ فَقَالَ جَزَاكَ اللهُ عَنِ الْإِسْلَامِ خَيْرًا وَفَكَّ رِهَانَكَ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ أَخِيكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ فَكَّ رِهَانَ أَخِيهِ إِلَّا فَكَّ اللهُ رِهَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هَذَا لِعَلِيٍّ خَاصَّةً أَمْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً فَقَالَ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً۔

یعنی حضرت علیؓ نے قرض ادا کرنے کا وعدہ کر لیا، تو آپ نماز جنازہ پڑھانے پر رضامند ہو گئے، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو نیک جزا دے، اور آپ کو نجات دے، جیسے کہ آپ نے اسے نجات دلائی ہے، جو مسلمان اپنے بھائی کا ذمہ اٹھا کر اسے رہائی دلوائے اللہ تعالیٰ اسے نجات دیں گے

کسی نے پوچھا کیا یہ صرف حضرت علیؓ کے لئے وعدہ ہے، فرمایا نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ہے

اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی میں جابرؓ سے مروی ہے قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ فَغَسَّلْنَاهُ وَحَنَّطْنَاهُ وَكَفَّنَّاهُ ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا تُصَلِّي عَلَيْهِ فَخَطَى خُطْوَةً ثُمَّ قَالَ أَعَلَيْهِ دَيْنٌ قُلْنَا دِينَارَانِ فَانْصَرَفَ فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ فَقَالَ الدِّينَارَانِ عَلَيَّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَوْفَى اللهُ حَقَّ الْغَرِيمِ وَبَرِئَ مِنْهُ الْمَيِّتُ قَالَ نَعَمْ فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِيَوْمٍ مَا فَعَلَ الدِّينَارَانِ قَالَ إِنَّمَا مَاتَ بِالْأَمْسِ قَالَ فَعَادَ إِلَيْهِ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ قَدْ قَضَيْتُهُمَا فَقَالَ الْآنَ بَرَدَتْ عَلَيْهِ جِلْدَتُهُ۔

یہ احادیث ایسے طرق سے وارد ہیں کہ ان میں سے چند بھی حجت قائم کرنے کو کافی تھیں، لیکن یہ منسوخ ہیں، اور بہت سی احادیث اس نسخ پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً صحیحین وغیرہما میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: مَنْ خَلَّفَ مَالًا أَوْ حَقًّا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ خَلَّفَ كَلًّا أَوْ دَيْنًا فَكَلُّهُ إِلَيَّ وَدَيْنُهُ عَلَيَّ۔ اگر کوئی شخص مال چھوڑ کر مرے یا حق چھوڑ مرے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے، اور اگر کچھ قرض یا اہل وعیال چھوڑ کر مرا تو وہ ہمارے ذمہ ہے، بخاری وغیرہ میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ۔

اسی طرح مسند امام احمد اور مسند ابویعلی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَى اللهِ وَرَسُولِهِ۔ ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے مَنْ حَمَلَ مِنْ أُمَّتِي دَيْنًا فَجَهَدَ فِي قَضَائِهِ فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَهُ فَأَنَا وَلِيُّهُ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے اگر کسی نے قرض ادا کرنیکی کوشش کی لیکن ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو اس کے ہم ولی ہیں، ابن سعد نے حضرت جابرؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے أَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ مَنْ مَاتَ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ وَأَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ۔

غرضیکہ اس مفہوم کی بے شمار احادیث ہیں۔ واضح رہے یہ احادیث مذکورہ فی الصدر احادیث (کہ جن میں آپؐ نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے اجتناب فرمایا) ہے (بعد کی ہیں چنانچہ بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے۔ کہ جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اور مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو مقروض کا قرض اپنے ذمہ لیتے اور نماز جنازہ پڑھتے، مثلاً ابو قتادہؓ کی روایت پہلے ذکر ہو چکی ہے، لہٰذا کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیئے، یہ احادیث منسوخ ہیں، جن علماء نے ان کو منسوخ میں شمار نہیں کیا، ان پر "استدراک" کیا جا سکتا ہے، کیونکہ انہوں نے ناسخ منسوخ میں بعض وہ مسائل و احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں اس حدیث کی طرح تصریح موجود نہیں، بلکہ کوئی واضح قرینہ بھی نہیں صرف تقدیم زمانی کا سہارا لے کر منسوخ قرار دے دیا ہے، اور بعض جگہ امکان تطبیق کو بھی نظر انداز کر کے منسوخ قرار دیتے ہیں، اور اس حدیث کے متن میں سے نسخ ثابت ہے (اور ابن صلاحؒ کی تصریح کے مطابق یہ نسخ کی واضح ترین اقسام سے ہے مترجم) تو اس سے غفلت کو کیوں برتیں إِفَادَةُ الشُّيُوخِ بِمِقْدَارِ النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوخِ میں ہم نے ذکر کیا کہ منسوخ آیات پانچ ہیں، اور احادیث منسوخہ کی تعداد ہم نے دسؓ ذکر کی، اس وقت ہم سے ذہول ہو گیا، یہ حدیث بھی وہاں شمار کر لینی چاہیئے۔

فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ کی علت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ آپؐ کے بعد کے خلفاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقروض کا قرض اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت، حکومتِ اسلامیہ کے خزانہ عامرہ سے ادا کریں، اس لئے کہ یہ حکم محکم غیر منسوخ ہے پھر وہ ان حقوق کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔ ان سے اپنے لئے دلیل پکڑتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ظاہر ہے کہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے، یہ لوگ نہیں کہتے کہ صدقہ وصول کرنا آنحضرتؐ سے خاص تھا، بلکہ اسی حق کو خود استعمال کرتے ہیں، پس ان کے لئے ضروری ہے کہ رعایا کی وہ ذمہ داریاں بھی اٹھائیں، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے، اسی طرح یہ حدیث کہ اَنَا وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ اَعْقِلُ عَنْهُ وَاَرِثُهٗ (مسند احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور، بیہقی) یعنی جس کا

کوئی وارث نہ ہوگا۔ میں اس کا وارث ہوں، اور میں ہی اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا۔ کوئی نہیں کہتا کہ میراث لاوارث صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔ طبرانی کی ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ وَعَلَى الْوُلَاةِ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِيْنَ (طبرانی عن سلمان) یعنی اگر کوئی مسلمان مقروض فوت ہو تو اس کا قرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء مسلمین کے ذمہ ہے کہ وہ بیت المال سے ادا کریں۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن سعید الانصاری ضعیف ہے۔ لیکن ابن حبان نے ابوامامہؓ سے اسی طرح کی حدیث روایت کی ہے۔ جس سے اسے تقویت ملتی ہے۔ اگر نہ بھی ہو تو اس مسئلہ میں بنیاد اس حدیث پر نہیں ہے۔ بلکہ اس پر ہے کہ امراء کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں اگر کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرض مقروض سے ساقط ہو کر سلطان کو لاحق ہو گیا تو ہم کہیں گے کہ یہ مسئلہ کئی شقوں میں منقسم ہے۔ مقروضؒ کے پاس مال ہوگا، یا نہیں ہوگا، اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں کہ وہ قرض ادا کرنے کی کوششؒ و شدید خواہش رکھتا ہوگا۔ یا اس نے اسؑ کے متعلق کوئی اہتمام ہی نہیں کیا ہوگا۔ اب ہر ایک کا حکم سُن لیجئے جس کے پاس مال ہے، اور وہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ اگر ایسا شخص مقروض ہی فوت ہو جائے، اور مسلمانوں کی حکومت کے خزانہ میں اتنی سکت ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کر سکے گی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ مَنْ خَلَّفَ كَلًّا أَوْ دَيْنًا فَكَلُّهُ إِلَيَّ وَدَيْنُهُ عَلَيَّ اگرچہ وہ باوجود قدرت کے قرض ادا نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا، اور یہ سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث کے منافی نہیں اس لئے وہ زمانہ عسرت کی بات ہے، اور یہ مقروض جس نے مال ہونے کے باوجود قرض ادا نہیں کیا، گناہ کا مرتکب ہوا چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عنه اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة وقال الترمذی حسن ورجال اسناده ثقات الاعمرؒ بن ابی سلمة یعنی مقروض کی روح قرض کی وجہ سے لٹکتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کا قرض ادا کر دیا جائے، اس حدیث کے تمام راوی (باستثناء عمرو بن ابی سلمہ) ثقہ ہیں وہ بھی صدوق یخطی ہے، اس لئے

یہ حدیث کم از کم حسن ہوگی، اور اگر کسی کے پاس مال نہیں کہ قرض ادا کر سکے، بلکہ اس کا مال کسی نے غصب کر رکھا ہے، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوشش کے باوجود ادا نہیں کر سکا، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ سلطان المسلمین اس کا ذمہ دار ہے، اور اگر ادا نہ کرے تو جواب دہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی کے پاس مال تو ہے، لیکن وہ کسی معقول عذر کی وجہ سے ادا نہیں کر سکا، تو وہ بھی اسی شخص کے حکم میں ہوگا، جو مال نہیں رکھتا، چنانچہ طبرانی میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے،
مَنْ دَانَ دَيْنًا وَفِي نَفْسِهٖ وَفَاءُهٗ وَمَاتَ تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضٰی غَرِيْمَهٗ بِمَا شَاءَ وَمَنْ دَانَ دَيْنًا وَلَيْسَ فِي نَفْسِهٖ وَفَاءُهٗ وَمَاتَ اِقْتَصَّ اللّٰهُ لِغَرِيْمِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔
یعنی جس نے قرض لیا، اور اسے ادا کرنیکا ارادہ رکھتا تھا، لیکن فوت ہوگیا، تو اس سے اللہ درگزر فرمائیں گے، اور اسے قرضخواہ کو جس طرح چاہیں گے خوش کر دیں گے، اور اگر کسی کا ارادہ ہی ادا کرنے کا نہ تھا، تو اس کا قرض خواہ کے لیئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن طلب کریں گے، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔
اَلدَّيْنُ دَيْنَانِ فَمَنْ مَاتَ وَهُوَ يَنْوِي الْقَضَاءَ فَاَنَا وَلِيُّهٗ، وَمَنْ مَاتَ وَلَا يَنْوِي قَضَاءَهٗ فَذَالِكَ الَّذِي يُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهٖ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ۔
آنحضرت صلعم نے فرمایا مقروض دو طرح کے ہیں، جو فوت ہوا اور اس کا قرض ادا کرنے کا پختہ ارادہ تھا تو میں اس کا ولی ہونگا، لیکن جس کا ارادہ ہی نہ تھا اس کی نیکیاں لی جائیں گی، کیونکہ اس دن سونا یا چاندی نہ ہوگی، اور حدیث عبد الرحمٰن بن ابی بکر سے مروی ہے، يُؤْتٰی بِصَاحِبِ الدَّيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ فِيْمَ اَتْلَفْتَ اَمْوَالَ النَّاسِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ اَتٰی عَلٰی اِمَّا حَرْقٌ وَاِمَّا غَرْقٌ فَيَقُوْلُ فَاَنَا اَقْضِي عَنْكَ الْيَوْمَ فَيَقْضِي عَنْهُ
قیامت کے دن ایک مقروض لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے، تو نے لوگوں کے مال کیسے تلف کر دیئے، تو وہ کہے گا، اللہ یارب تعالیٰ تجھے علم ہے، کہ میرے پاس سے یا تو جل گیا، یا غرق ہوگیا، اللہ تعالیٰ کہیں گے، تیرا قرض ہم ادا کریں گے، مسند احمد الحلیہ (ابو نعیم) مسند بزار نیز طبرانی میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں يُدْعٰی بِصَاحِبِ الدَّيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰی يُوْقَفَ

يَدَيِ اللهِ فَيَقُولُ يَا ابْنَ آدَمَ فِيمَ أَخَذْتَ هٰذَا الدَّيْنَ وَفِيمَ ضَيَّعْتَ حُقُوقَ النَّاسِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي أَخَذْتُ فَلَمْ آكُلْ وَلَمْ أَشْرَبْ وَلَمْ أُضَيِّعْ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ أَتَى عَلَى يَدِي إِمَّا حُرِقَ وَإِمَّا سُرِقَ وَإِمَّا ضُيِّعَ فَيَقُولُ اللهُ صَدَقَ عَبْدِي وَأَنَا أَحَقُّ مَنْ قَضَى عَنْهُ فَيَدْعُو اللهُ بِشَيْءٍ فَيَضَعُهُ فِي كِفَّةِ مِيزَانِهِ فَتَرْجَحُ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ فَيُدْخِلُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ بخاری وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ ۔ ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت میمونہؓ کی حدیث روایت کی ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدَّانُ دَيْنًا يَعْلَمُ اللهُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَدَاءَهُ إِلَّا أَدَّى اللهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ الغرض اگر کسی نے قرض لیا لیکن کوشش اور خواہش کے باوجود ادا نہ کر سکا، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دینگے، اور وہ گنہگار نہ ہوگا،

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے پاس ادا کرنے کے لئے مال تو نہ تھا لیکن اس نے قرض چکانے کے لئے کما حقہ کوشش بھی نہیں کی، اس صورت میں اس سے قرض ادا کرنے کی کوشش نہ کرنے پر مواخذہ ہوگا، البتہ اصل جواب طلبی سلطان کی ہوگی کہ اس نے تونگری کے باوجود اس کا قرض ادا کس لئے نہ کیا؟ اور اگر اس نے وہ مال کی فضول خرچی یا معصیت سے تباہ نہیں کر ڈالا ہے، تو عین ممکن ہے، کہ رب غفور اس سے باز پرس ہی نہ فرمائیں، یا زیادہ سے زیادہ اس سے یہ سوال کر لیا جائے کہ اس نے کوشش کیوں نہ کی، لیکن سلطان المسلمین اس معاملہ میں جوابدہ ہوگا، اگر کسی کے پاس صرف اپنے اور اہل و عیال کا ستر ڈھانپنے کے کپڑے اور دو وقت کا کھانا کھانے کی سکت ہی ہے تو اسے ہم "بے مال" سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی اس کے سوا جائیداد ساز و سامان یا مکانات کا مالک ہے، اور سمجھتا ہے کہ صرف دل میں خواہش اور نیت کر کے اس حدیث کے مطابق نجات حاصل کریگا، تو یہ سخت غلطی میں ہے خود فریبی میں مبتلا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ تم اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھ لو تخفیف پر نہیں بلکہ تہدید پر محمول ہے، النعمان بن بشیرؓ کے قصہ میں لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ بھی اسی پر محمول ہے، ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے

سے اجتناب فرمایا اس کی بجائے قرض خواہ سے سفارش کر کے قرض معاف کرا دیتے، ایسا کرنا مناسب نہ ہوتا، کیونکہ آپؐ حلال و حرام کی تمیز سمجھانے کے لئے مبعوث ہوئے، اگر آپؐ ایسی سفارشیں شروع کر دیتے، تو بعض لوگوں کے دلوں سے حقوق عباد کی عظمت ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا پھر بعض لوگ تو بخوشی اپنے حق سے دست بردار ہو جاتے، لیکن ممکن ہے بعض لوگ بطیب خاطر معاف نہ کرتے گو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق معاف کر دیتے، چنانچہ صحیح بخاری میں بریرۃؓ کا قصہ منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خاوند کی طرف رجوع کی ترغیب دلائی تو اس نے کہا، آپؐ حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں صرف سفارش کرتا ہوں، وہ اس پر رضامند نہ ہوئی، اسی طرح بنو ہوازن نے جب اپنے اموال و عورتوں کی واپسی کی درخواست کی آپؐ نے فرمایا، تم آئے نہیں اب تو ایک ہی چیز مل سکتی ہے، انہوں نے عورتوں اور بچوں کی واپسی چاہی آپؐ نے صحابہؓ کی رضامندی سے انہیں واگذار کیا، اور صرف بظاہر طیب نفس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ "عرفاء" کو مقرر کیا کہ وہ خوشوں کو ناخوش سے الگ کریں۔ استیفاد بھی حدیث سے ثابت ہے،

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی مصلحت و خیر خواہی کے لئے حقوق غیر ثابتہ میں سفارش کر دیا کرتے تھے، مثلاً کسی جگہ میاں بیوی کا تنازعہ ہو یا مسلمانوں کا آپس میں شیرازہ متحد رکھنے کے مسئلہ میں لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دوسرں کو قرض ادا کرنے کا حکم کرنے کی بجائے قرض خواہ کو معاف کرنے کے لئے کیوں نہیں کہا، البتہ بعض اوقات مصالحت کرانے کے لئے ایسا بھی کرتے، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ دو آدمی کو مسجد میں جھگڑ پڑے آپؐ نے قرض خواہ کو نصف معاف کرنے کو کہا، اور مقروض کو جلدی ادا کرنے کا حکم دیا،

یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ حدیث سلمہ بن اکوعؓ اس مقروض سے خاص ہے جو قرض ادا کرنے کے برابر ترکہ نہ چھوڑے، ورنہ اس کا قرضہ اس کے ترکہ سے ادا کر دیا جاتا، اس کے بعد اس امتناع کو منسوخ کر دیا گیا، اب کسی حالت میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب کا جواز باقی نہیں، بلکہ سلطان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے، اگر ترکہ سے قرض ادا کرنا ممکن ہے، اور سلطان کے پاس اسقدر مال نہیں یا وہ عامل بشریعت نہیں تو اس سے قرض ختم نہ ہوگا، بلکہ میت کے ورثا ادا کریں، کیونکہ ان کا حق بعد میں

ہے کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ بادشاہ کی اس معاملہ میں پرواہ ورثہ کے لئے دلیل نہیں ہے، ورنہ لوگوں کے مال ضائع ہوں گے۔ خاص طور پر اس زمانہ میں کہ اموالِ خدا (مسلمانوں کے خزانہ) میں اس حد میں کوئی رقم باقی نہیں ہے۔ نیز یہ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے، وارث کو اس وقت تک کوئی حق نہیں کہ میراث پائے جب تک قرضہ ادا نہ کرے۔ الحاصل یہ کہ قرض کی جوابدہی سلطان سے ہوگی یا مدیون سے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں کا مال زبردستی چھین کر کھا لے، اس کی نماز جنازہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مقروض کی نماز جنازہ سے امتناع منسوخ نہ ہوتا تو اس ظالم کی نماز جنازہ بالاولی مستحق اجتناب وامتناع ہوتی، لیکن اب وہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اب اس امتناع کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسی طرح دیگر گنہگاروں کا حال ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، البتہ بعض چار قسم کے مقلدین یہ کہتے ہیں کہ فاسق کی نماز جنازہ نہیں ہوتی، اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، آنحضرتؐ نے مقروض کی نماز جنازہ سے اجتناب فرمایا، لیکن اس سے استدلال درست نہیں اس لئے کہ اولاً یہ منسوخ ہے ثانیاً منسوخ نہ بھی تو آپؐ کا فرمان صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ صاف دلالت کرتا ہے کہ آپؐ نماز نہ پڑھاتے تو کوئی قائم مقام پڑھاتا، اس لئے کہ باقی مسلمانوں کی طرح اس کی نماز جنازہ واجب ہے، بلکہ یہ گناہ گار تو دعائے مغفرت کے زیادہ محتاج ہیں، شوکانی فرماتے ہیں، اگرچہ مسلمانوں میں عملی طور پر تفاوت ہے، لیکن اسلام کا کلمہ اور ایمان ان سب کو شامل ہے، اس لئے سب کا حکم ایک ہی ہوگا وَحِسَابُ الْعَاصِيْ عَلَى اللّٰهِ عزوجل، گنہگاروں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے، اور چاہے تو شفاعۃ الشافعین قبول کرے، اور اگر چاہے تو انہیں سزا دے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ مَالَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ۔ مسلمانوں کو صرف کافر یا منافق کی نماز جنازہ سے روکا گیا ہے، كَمَا ذٰلِكَ مَعْلُوْمٌ وَلَا يَخْفٰى،

وفی هذا المقدار كفاية لمن له هداية

واللّٰهُ اَعْلَمُ

مترجما من الفارسیہ

بندہ عبد الرشید اظہر

الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۸۹ تا ص ۳۹۲

سوال:۔ جنازہ اٹھاتے وقت باری باری بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھنا جائز ہے؟ اس طرح ذکر کا کوئی ثبوت ہے؟ جو کہ بعض شہروں میں رواج پذیر ہے؟

جواب:۔ مذکورہ صورت میں کلمہ پڑھنے کا قرون اولی بلکہ زمانہ اسلاف میں بھی ذکر نہیں ملتا البتہ شوکانی فرماتے ہیں، اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ کلمہ مستحب اذکار میں سے ہے۔ اور اس میں کسی جگہ وقت کی قید نہیں ہے صرف بلند آواز سے پڑھنا موجب کراہت نہیں گو اس کا ترک اولی ہے، متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز پر مستقل رسالہ رکھا ہے، بعض اوقات اس طرح بآواز بلند پڑھنے کا ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ لوگ موت کو یاد کرتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے کہ موت کو زیادہ یاد کرو، مزید براں اس سے جنازہ اٹھانے والے محفوظ ہوں گے، جنازہ اٹھانا بلاشبہ موجب اجر عظیم اور سنت ثابتہ ہے۔ لیکن اہل حرمین شریفین کا شعار اس سلسلے میں بہتر ہے وہ جنازہ اٹھاتے وقت کہتے ہیں کَانَ مِنْ اَھْلِ الْخَیْرِ اگرچہ اس طرح کہنے کا ذکر بھی قرون اولی میں نہیں، تاہم اس میں میت کا نیکی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور حدیث ہے مَنْ شَہِدَ لَہٗ اَرْبَعَۃٌ اَوْ ثَلٰثَۃٌ اَوْ اِثْنَانِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

یعنی جس کی نیکی کی گواہی چار یا تین یا دو آدمیوں نے بھی دے دی، وہ جنت میں داخل ہو گیا، اس طرح کی اور بھی بہت احادیث ہیں، اسی طرح حدیث میں کہ جس کی نماز جنازہ تین صفوں نے یا چالیس آدمیوں نے پڑھی، وہ بھی اس کی بخشش کے اسباب میں سے ہو سکتی ہی، معلوم ہی ہوتا ہے کہ اس طرح کرنا جائز ہے، میت کو اس سے فائدہ پہنچنا ممکن ہے،

اقرب الی الصواب اور اولی یہی ہے کہ تجہیز و تکفین و تشییع و تدفین اسی طریقہ پر کی جائے کہ جو قرون اولی اور اسلاف سے ثابت ہے، احادیث صحیحہ و سنن ثابتہ پر نہ کمی کی جائے نہ زیادتی، وَالْمُھْدِیْ مَنْ ھَدَاہُ اللہُ، واللہ اعلم بالصواب، الدلیل الطالب علی رجع المطالب ص۲۸۰ تا ۲۰۹

سوال:۔ مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندہ کا زنا کا پیشہ ہے چنانچہ مرنے تک یہی پیشہ رہا، آخر بیماری میں اس نے توبہ کی آیا یہ توبہ اس کی قبول ہے یا نہ اور اس کا

جنازہ جائز ہے یا نہ ایک عالم نے اس کے جنازہ سے منع کیا، دوسرے عالم نے اس مانع پر کفر کا فتویٰ لگا یا کیا یہ فتویٰ لگانے والا اپنے فتویٰ میں صواب پر ہے یا خطا پر، بینوا توجروا۔

جواب:۔ ہندہ نے اگر نزع سے پہلے توبہ کی ہے، تو اس کی توبہ منظور ہے، اور اگر عین حالت نزع میں توبہ کی ہے تو یہ توبہ قبول نہیں كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ الآية۔ وَفِي الْكَمَالَيْنِ لِأَنَّ حَالَ مُشَاهَدَةِ مَلَكِ الْمَوْتِ وَالْعَذَابِ فَهِيَ حَالَةُ إِضْطِرَارٍ لَا إِخْتِيَارٍ الْمَشْهُوْرُ أَنَّ تَوْبَةَ الْيَأْسِ مَقْبُوْلَةٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِيْمَانُهُ مَقْبُوْلًا كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا لٰكِنْ وَقَعَ فِي جَامِعِ الْمُضْمَرَاتِ خِلَافُهُ وَهُوَ الصَّحِيْحُ الْوَارِدُ فِي أَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ انتہی۔

جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں بُرے کام جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا، میں نے توبہ کی اب اور ان کو جو مرتے ہیں کفر میں ان کے واسطے ہم نے تیار کی دُکھ کی مار، اور کمالین میں ہے، اس واسطے کہ یہ حال ملک الموت اور عذاب کے حاضر ہونے کا وقت ہے، اور یہ حالت اضطراری ہے نہ اختیاری مشہور ہے کہ یاس کی توبہ مقبول ہے، اگرچہ اس کا ایمان قبول نہیں، اور خلاصہ وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے، لیکن جامع المضمرات میں اس کا خلاف ہے، اور وہی صحیح ہے، احادیث بھی اسی پر دال ہیں انتہی،

وَفِي الْإِكْلِيْلِ تَحْتَ هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ فِيْهِ بَيَانُ الْوَقْتِ الَّذِيْ تُقْبَلُ فِيْهِ التَّوْبَةُ وَهُوَ مَا لَمْ يَصِلِ الْإِنْسَانُ إِلَى الْغَرْغَرَةِ وَمُشَاهَدَةِ مَلَكِ الْمَوْتِ وَالْعَذَابِ فَإِذَا وَصَلَ ذٰلِكَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ تَوْبَةٌ وَلَا يَصِحُّ مِنْهُ إِيْمَانٌ۔

اور اکلیل میں ان دونوں آیتوں کے نیچے لکھا ہے کہ ان میں اس وقت کا بیان ہے، کہ جس میں (اگر توبہ کرے) توبہ قبول ہو جاتی ہے، اور وہ وقت غرغرہ کی حالت سے اور ملک الموت اور عذاب کے حاضر ہونے سے پہلے ہے، اور جس وقت انسان ان حالتوں کو پہنچ جاوے، تو اس وقت نہ توبہ مقبول ہے، اور نہ ایمان صحیح ہے،۔ أَخْرَجَ ابْنُ أَبِيْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ قَالَ الْقَرِيْبُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى

مَلَكِ الْمَوْتِ وَعَنِ الْحَسَنِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ[۱]۔

اور جو لوگ اس طرح علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہوں، اور ارتکاب کبائر ایسے آزادانہ باک ہوں، ان کا جنازہ امام اور مقتداء اگر زجراً و توبیخاً نہ پڑھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ از روئے فتویٰ ان پر نماز پڑھنی جائز ہے، چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے کئی ایک میتوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور عام لوگوں کو رخصت دی، یا منع نہ کیا جیسا کہ ذیل کی احادیث سے ظاہر ہے، اَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ[۲] عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم اُتِيَ بِرَجُلٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَاِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا الحدیث حاشیہ میں ہے قَالَ الطِّيْبِيُّ لَعَلَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْتَنَعَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَدْيُوْنِ الَّذِيْ لَمْ يَدَعْ وَفَاءً تَحْذِيْرًا عَنِ الدَّيْنِ وَزَجْرًا عَنِ الْمُمَاطَلَةِ وَالتَّقْصِيْرِ فِي الْاَدَاءِ واخرج ايضاً عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمْ يُصَلِّ علیہ النبی صلی اللہ علیہ و... وَاَخْرَجَ اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُصَلِّ عَلٰى مَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

دلائل مذکورۃ الصدر سے واضح ہوگیا کہ عمرو اپنے دونوں قولوں میں حق پر ہے، اس

---

[۱] ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اس قول باری تعالیٰ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ قریب سے مراد وہ وقت ہے جو درمیان اس کے اور درمیان حاضر ہونے ملک الموت کے ہے، اور اس کی تفسیر میں حسن سے منقول ہے کہ جب تک حالت غرغرہ نہ لاحق ہو اور احمد اور ترمذی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہ حالت غرغرہ کے لاحق ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۱۲۔

[۲] ترمذی نے ابی قتادہؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا، آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں، آپؐ نے فرمایا، کہ تم ہی اپنے صاحب پر نماز پڑھ لو، کیونکہ اس کے ذمہ قرض ہے، طیبی نے کہا، کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قرضدار پر جس نے قرض کے ادا کرنے

تکفیر کا حکم لگایا، اس کی امامت کو ناجائز کہنا محض بے دلیل اور بے اصل ہے اور زید کا قول عمرو کے حق میں صریح ظلم اور تعدی ہے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔

فتاویٰ غزنویہ صہ ۱۰۶

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ خودکشی کر کے مر جانے والے شخص کا جنازہ از روئے شریعت پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ خودکشی کرنے والے کے جنازہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے، اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے، اور ایسے شخص پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے عن جابر بن سمرۃ قال أُتِيَ النبي بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَہٗ بِمَشَاقِصَ فلم يُصَلِّ عَلَيْهِ۔ یعنی آنحضرت کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے جسم میں تیر مار کر خودکشی کر لی تھی، آپؐ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اس کے برعکس امام حسن بصریؒ، امام نخعیؒ، امام قتادہؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے، اور اس کو جنازہ کے بغیر دفن نہیں کرنا چاہیئے، ان علماء کے نزدیک خودکشی کرنے والے پر آنحضرت کا جنازہ نہ پڑھنا، زجراً و تنبیہ پر محمول ہے تاکہ لوگ اس قسم کے فعل کا ارتکاب نہ کریں ورنہ صحابہ نے اس کا جنازہ پڑھا تھا۔ (نووی شرح مسلم) امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:۔ اَجَابُوا عَنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ بِاَنَّ النَّبِيَّ اِنَّمَا لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ بِنَفْسِهٖ زَجْرًا لِلنَّاسِ وَصَلَّتْ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ وَيُؤَيِّدُهٗ

لئے کچھ نہ چھوڑا ہو، اس واسطے نماز نہیں پڑھی، تاکہ لوگوں کو قرض کے جلدی نہ ادا کرنے میں تنبیہ اور زجر، ترمذی نے جابر بن سمرہ سے بھی روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے خودکشی کی، (یعنی آپ کو مار ڈالا) تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز نہیں پڑھی، اور ابو داؤد نے ابی برزہ اسلمی سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ماعز بن مالک پر نماز پڑھی، اور نہ نماز پڑھنے سے منع کیا۔۱۲۰

مَا عِنْدَ النَّسَائِیِّ بِلَفْظِ اَمَّا اَنَا فَلَا اُصَلِّیْ عَلَیْہِ (جرم ص ۲) یعنی علماء نے جابر کی مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زجرو توبیخ کے لئے اس کا جنازہ نہیں پڑھا ورنہ صحابہؓ نے جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کیا تھا، چنانچہ نسائی شریف کے ان الفاظ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، آپؐ نے فرمایا میں اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔

صاحب سبل السلام لکھتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کو اس کا جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا عام احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنیوالے اور اسی قسم کے دیگر فساق فجور کا جنازہ پڑھنا چاہیئے اور بغیر جنازہ کے دفن نہیں کرنا چاہئے، ابوداؤد میں ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان نیک یا بد پر نماز جنازہ واجب ہے، خواہ وہ زندگی میں کبیرہ گناہوں کا ہی ارتکاب کرتا رہا ہو (مشکوٰۃ) عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے صَلُّوْا عَلٰی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (رواہ الدارقطنی یعنی ہر مسلمان کا جنازہ پڑھو) وانظر التفصیل فی النیل باب امامۃ الفاسق من ابواب الصلوٰۃ مشکوٰۃ شریف ہاں تنبیہ اور عبرت کے لئے، اہل علم اور مقتدا حضرات نماز جنازہ نہ پڑھائیں، عام لوگ پڑھ لیں، بغیر جنازہ کے دفن نہ کریں اور یہی مسلک صحیح ہے،

حافظ محمد اسحاق صاحب صدر مدرس تقویۃ الاسلام

(الاعتصام، جلد ۱۹ شمارہ ۱۰)

سوال:۔ ایک شخص اپنی برادری سے ناراض ہے وہ ان کے جنازوں میں بھی شریک نہیں ہوتا، اس شخص کے متعلق شرعی حکم کیا ہے،

جواب:۔ ناراضگی کی وجہ اگر دنیا دارانہ ہے تو اسے کلیۃً ختم کر کے برادری سے میل ملاپ رکھنا چاہیئے، یہ بہت بڑا ایثار ہے اگر ناراضگی خالصۃً اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تحت ہے مثلاً متوفی بے نماز یا تارک فرائض ہے تو جنازہ نہ پڑھنے والا عنداللہ مجرم نہ ہوگا،

(اہلحدیث سوہدرہ، ۱۵ مارچ یکم اپریل ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ بھوک ہڑتال سے مرنے والے کی موت کیا خودکشی نہیں کہلائے گی شرعی حکم کیا ہے، بینوا توجروا۔

جواب:۔ بھوک ہڑتال صحیح نہیں، اس کی موت خودکشی میں داخل ہے،

مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث

(الاعتصام جلد ۲۰ ش ۲۴)

سوال:۔ کیا شیعہ حضرات کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب:۔ جب ان کا طریق نماز ہی جدا ہے تو آپ کی نماز ان کے پیچھے کیونکر ہوگی۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی گوجرانوالہ المتوفی ۱۳۷۹ھ

(اہل حدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۲)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار جنازہ جمع ہو گئے من جملہ ان کے ایک جنازہ نابالغ لڑکے کا ہے، اور ایک جنازہ نابالغہ لڑکی کا ہے، اور ایک جنازہ بالغ مرد کا ہے، اور ایک جنازہ بالغہ عورت کا ہے، تو کیا چاروں جنازے ایک ساتھ ہی جماعت سے پڑھے جاوینگے، اور نیت کس طرح کی جائے گی، بینوا توجروا۔

جواب:۔ بہتر ہے کہ ہر جنازہ کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی ساتھ سب کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، اور اس صورت میں چاہیئے کہ چاروں جنازے قبلہ کی طرف آگے پیچھے ایک کے بعد دوسرا رکھا جائے، اور اس ترکیب سے رکھنا چاہیئے کہ امام کے سامنے اس کے نزدیک پہلے بالغ مرد کا جنازہ رکھا جاوے، پھر اس کے بعد نابالغہ لڑکی کا جنازہ رکھا جائے، اور سب کی نیت کرنی چاہیئے، اور ایک ہی دعا کافی ہے، ایسا ہی درمختار اور حاشیہ طحاوی میں ہے، واللہ اعلم،

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ المتوفی ۱۲۳۹ھ

(فتاویٰ عزیزی جلد ۲ شمارہ ۱۲۰)

جنازہ حضورؐ کتب شیعہ سے ثبوت

(مولانا عبدالمجید سوہدروی گوجرانوالہ رحمۃ اللہ، المتوفی ۱۳۷۹ھ)

سوال:۔ یہاں بعض شیعہ بھائی اس امر کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں، کہ اصحاب ثلاثہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا، نہ ہی اس کا ثبوت کسی کتاب سے ملتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ منافق تھے۔ از راہ کرم اس کا ضرور جواب دیجئے اور مدلل جواب دیجئے، ورنہ سارے علاقہ پر اس کا بہت برا اثر پڑیگا۔ عبدالحق ضلع جھنگ

جواب:۔ سب سے پہلی بات یہ ہے، کہ یہ سوال بالکل بے قاعدہ ہے۔ اصل اس مسئلہ میں شیعہ مدعی ہیں، بار ثبوت ان پر ہے، کیونکہ وہ اسی بات کے قائل ہیں، جو ظاہر حال کے خلاف ہے حضرت خلفاء کا جنازہ پڑھنا تو ایک معمولی بات ہے ایسی معمولی باتوں کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ نہ پڑھنا ایک غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، اس کے لئے یقیناً بہت زبردست ثبوت کی حاجت ہے لہذا شیعوں کا فرض تھا، کہ وہ روایات میں صریح تصریح اس بات کی دکھاتے کہ ان تینوں نے جنازہ نہیں پڑھا۔ بلکہ اتنے بڑے اہم معاملہ کیلئے ایک دو روایات بھی کافی نہیں ہو سکتیں جو واقعہ ایسی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہو اس کے ثبوت کیلئے جم غفیر کی شہادت ہونی چاہیئے، مگر شیعوں نے اب تک نہ کوئی روایت پیش کی نہ اب کر سکتے ہیں۔ اور الٹا ثبوت ہم سے مانگتے ہیں، یہ سوال بھی چند روز سے اٹھایا گیا ہے۔ اگر اسکی کچھ اصلیت ہوتی تو ان کے متقدمین مطاعن اصحاب ثلاثہ میں سب سے پہلی اسی کو پیش کرتے، بہر حال ہم شیعوں کی معتبر کتب سے اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

(۱) اصول کافی میں جو اقدم اصول اربعہ ہے۔ اور سب سے زیادہ معتبر ہے صفحہ ۲۸۶ مطبوعہ نولکشور میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَی الْعَبَّاسُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ اِجْتَمَعُوْا اَنْ یَدْفِنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِیْ بَقِیْعِ الْمُصَلّٰی وَاَنْ یَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَخَرَجَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِمَامٌ حَیًّا وَمَیِّتًا وَقَالَ اِنِّیْ اُدْفَنُ

فِی الْبُقْعَۃِ الَّتِیْ اُقْبِضُ فِیْہَا ثُمَّ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ ثُمَّ اَمَرَ النَّاسَ عَشَرَۃً عَشَرَۃً یُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ۔

(۲) پھر اسی صفحہ میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں، عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّتْ عَلَیْہِ الْمَلَائِکَۃُ وَالْمُہَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ فَوْجًا فَوْجًا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرواز کر گئی تو آپ پر ملائکہ، مہاجرین، اور انصار نے فوج در فوج ہو کر نماز پڑھی۔

(۳) احتجاج طبرسی کہ وہ بھی شیعہ کی معتبر کتاب ہے، اور اس کے مصنف شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ نہایت صحیح روایات اس کتاب میں ہیں، یہ روایت موجود ہے، اور اس روایت کے آخر میں یہ جملہ ہے حَتّٰی لَمْ یَبْقَ مِنَ الْمُہَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اَحَدٌ اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ۔ یعنی مہاجرین، اور انصار میں سے کوئی باقی نہ رہا، جس نے جنازہ نہ پڑھ لیا ہو،

(۴) حیات القلوب شیعہ حضرات کی ایک نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے جس کی تعریف میں وہ خود رطب اللسان رہتے ہیں، اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی کیفیت بایں الفاظ قلمبند کی گئی ہے بسند حسن حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ اند کہ عباس بخدمت حضرت امیر المومنین آمد وگفت کہ مردم اتفاق کردہ اند کہ حضرت رسولؐ را در بقیع دفن کنند وابوبکر پیش بایستد وبہ آنحضرت نماز جنازہ کند چوں حضرت امیر المومنین دانست کہ آں منافقان ارادہ فساد دارند، از خانہ بیروں آمد وفرمود کہ یا اَیُّہَا النَّاسُ بدرستیکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم امام پیشوائے ماست در حیات وبعد از وفات خود فرمود کہ من دفن میشوم در بقعہ کہ آنجا قبض روح من میشود چوں ایشاں در غصب خلافت مطلب خود را العمل آوردہ بودند، دریں باب با آنحضرتؐ مضائقہ نکردند، وگفتند آنچہ میدانی بکن پس حضرت در پیش در ایستاد وخود براو نماز کرد، وبعد ازاں صحابہ را فرمود کہ دہ نفر دہ نفر داخل میشدند وایشاں بردر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مے ایستادند وحضرت امیر المومنین درمیان ایشاں مے ایستاد وایں آیت رامے خواند، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پس ایشاں آیت رامے خواندند وصلوات فرستادند وشیخ طبرسی

از حضرت امام باقرؑ روایت کردہ است کہ دہ نفر دہ نفر داخل مے شدند و چنین بر آنحضرت نماز میکردند بے امام در روز دوشنبہ تا شام آنکہ خرد و بزرگ و مرد و زن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ ہمہ بر آنجناب چنیں نماز کردند، و کلینی بسند معتبر از امام محمد باقرؑ روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسالت مآب رحلت فرمود نماز کردند براو جمیع ملائکہ و مہاجرین و انصار فوج فوج۔

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۶۶ اور دوسرے مقام پر اسی واقعہ کو بایں الفاظ قلمبند کیا گیا ہے)

پس دہ نفر دہ نفر مہاجراں و انصار را داخل حجرہ میگردانند، و ایشاں بر آنحضرتؐ ہماں بود کہ در اول واقعہ شد۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۴۶۷) اب غالباً اہل سنت کی روایت تو نقل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی، ہماری روایات میں جس واقعہ کو شیعوں نے "اصول کافی" میں حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر کے کیا ہے، وہ سب حضرت صدیق اکبر سے مروی، یعنی حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اور دفن کفن کا سارا کام اور انتظام حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے کیا تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۵) (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ شمارہ ۲۷)

سوال:۔ ایک شیعہ عالم فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا جنازہ صرف نو آدمیوں نے پڑھا تھا، یہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب:۔ شیعوں کے مشہور قبلہ و کعبہ جناب سید ذاکر حسین جعفر لکھنوی نے بقول ان کے پچاس سے زیادہ مستند عربی، فارسی، انگریزی اور اردو تاریخوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی کتاب "تاریخ اسلامی" تصنیف کی ہے۔ وہ جلد اول صفحہ ۲۰۰ پر حضورؐ کے انتقال کے متعلق لکھتے ہیں، ۱۲ ربیع الاول، یوم دوشنبہ (سوموار) کو بوقت دوپہر انتقال فرمایا، دوسرے دن منگل کا دن گذر کر شب چہار شنبہ آدھی رات کو جس حجرہ میں وفات پائی تھی، وہیں دفن ہوئے، دفن میں تاخیر (نماز جنازہ) کی وجہ سے ہوئی کیونکہ جوق در جوق لوگ دس دس کی تعداد سے حجرہ میں جاکر نماز پڑھتے تھے۔ یہی کچھ شیعہ امام طبری جلد اول صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن لکھتا ہے کہ آپؐ پر کبھی روتہ

تک نماز پڑھی گئی، لوگ آتے تھے، اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے تھے، آپ شب چہار شنبہ میں کچھ رات گذرنے پر دفن کیے گئے، آپ کے نیچے آپ کے چار جامہ کا ایک ٹکڑا ڈال دیا گیا، آپ کی قبر ہموار بنائی گئی، کوہان شتر کی طرح نہیں بنائی گئی، اب جوق در جوق دس دس جانے والوں کا حساب کم از کم ۲۶ گھنٹہ میں زیادہ سے زیادہ ۲ منٹ فی باری لگایا جائے، تو جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد سات ہزار دو سو بتیس ہے، آپ سات کی بجائے چھ، پانچ حد چار ہزار کر لیویں، نہ کہ صرف نو آدمیوں نے جنازہ کی نماز پڑھی معلوم ہوتا ہے سید ذاکر حسین کے پچاس مؤرخ اور طبری سب سے چھوٹے تھے، اصل بات رام چندر نے کرشن کو۔ بدھ کو اور بدھ نے اپنے گرو کے ذریعہ کسی افسانہ نویس کے کان ڈال دی، اور چپکے سے سائل کو کہہ دی،

(اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ شمارہ ۱۸)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) جنازہ کی نماز میں میت کے لیے دعا اللّٰهُمَّ ان فلان بن فلان فی ذمتك وحبل جوارك الخ فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد، والدہ کا نام لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جنازہ کی نماز جہر سے پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں:

(۳) اگر کسی نے جہر سے جنازہ پڑھا، اور اس کے پیچھے متبعین امام صاحب بھی شریک ہوں، آیا حنفیوں کی جہر پڑھنے والے کے پیچھے نماز جنازہ ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ (۱) جب دعا مذکور پڑھی جائے، تو فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیا جائے،

(۲) حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے، تاہم اگر امام نے جہر کیا، تو حنفیوں کا کوئی حرج نہیں۔

(۳) حنفی مسلک بھی اس امام کے پیچھے نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، اور ان کی نماز جائز ہے،

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

(الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۲)

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ

(شیخ الحدیث مولانا عبدالجلیل سامرودیؒ)

سوال: (۱) جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا شرعاً درست ہے، یا مکروہ غیر جائز۔

(۲) جنازہ سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) جنازہ کی نماز زور سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: الحمد للہ رب العلمین العاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی محمد آلہ وصحبہ اجمعین

(۱) سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا مسنون ہے[1]۔ احادیث مرفوعہ، وموقوفہ وآثار صحابہؓ سے ثابت ہے۔ فاضل علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ امام الکلام صفحہ ۲۳۲ میں فرماتے ہیں، اعلم انہ قد وردت احادیث مرفوعۃ واثار موقوفۃ دالۃ علی شرعیۃ قرأۃ الفاتحۃ بعد التکبیرۃ الاولیٰ من صلوٰۃ الجنازۃ ووردت بعض الآثار بترکہا واختلف الصحابۃ فی فعلہا وترکہا وتبع ذلک اختلاف الائمۃ فی ذلک المرجح ذلک ھو القرأۃ علی وجہ الاستحباب والسنۃ لثبوت ذلک بالاخبار المتواردۃ وھی وان کان بعضہا ضعیفۃ لکن ضم بعضہا الی بعض یعطی الوثاقۃ والقول بالکراھۃ مطلقاً او بالکراھۃ بنیۃ القران لا بنیۃ الثناء لایدل علیہ دلیل باحد وجوہ الدلالۃ۔

اچھی طرح معلوم کرلو کہ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کی مشروعیت میں مرفوع حدیثیں اور آثار موقوفہ دلالت کنندہ وارد ہیں، بعض آثار صحابہ سے اس کا نہ پڑھنا بھی آیا ہے، صحابہؓ نے اس کے پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے، انہی اختلاف کی بنا پر ائمہ کا بھی اختلاف ہوا ہے، ترجیح پڑھنے ہی کو ہے، خواہ استحباب کی بنا پر خواہ مسنونیت کی بنا پر، حدیثوں کے ثابت ہونے کی وجہ سے اس امر میں گو بعض میں ضعف ہے، مگر ایک دوسرے سے مل کر قوت ہو جاتی ہے، رہا مکروہ مطلق کہنا قرآن کی نیت سے پڑھنے کو مکروہ کہنا، سو اس پر کوئی دلیل پائی نہیں

[1] سوال کے مطابق جواب دیا گیا ہے، ورنہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، بحدیث عبادہ مرفوعاً

جانی ولالت کی کسی بھی وجوہات سے۔ التعلیق الممجد حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۱۶۳ میں ہے نفس القراءۃ ثابت فلا سبیل الی الحکم بالکراھۃ بل غایۃ الامران لا یکون لازماً۔

نفس قرأۃ سورہ فاتحہ تو ثابت ہے، لہذا اسے مکروہ کہنے کا کوئی راستہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ لازم فرض نہ ہو، پس حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغۃ، کے صفحہ ۲۸ ج ۲ میں فرماتے ہیں، ومن السنۃ قرأۃ فاتحۃ الکتاب لانھا خیر الادعیۃ واجمعھا علمھا اللہ تعالیٰ عبادہ فی محکم کتابہ۔

سورہ فاتحہ جنازہ نماز میں پڑھنا مسنون ہے، چونکہ یہ دعاؤں میں بہتر اور جامع دعا ہے، اللہ میاں نے اپنے بندوں کو اپنی محکم کتاب میں تعلیم فرمائی ہے، علامہ سندھی حنفی حواشی صحاح میں، اور فاضل حسن شرن بلالی فرماتے ہیں ولا وجہ للمنع عنھا۔ کوئی وجہ اس کے پڑھنے سے منع کی نہیں، علامہ ترکمانی حنفی الجواہر النقی علی سنن البیہقی کے صفحہ ۳۹ ج ۴ میں فرماتے ہیں، مذھب الحنفیۃ ان القرأۃ لاتجب فی صلوۃ الجنازۃ لا یجب ولا تکرہ ذکرہ القدوری فی تجدیدہ۔

حنفیہ کا تو مذہب یہ ہے کہ پڑھنا جنازہ کی نماز میں نہ ہی واجب ہے، اور نہ ہی مکروہ جب حنفیہ کے نزدیک واجب بھی نہیں اور مکروہ بھی نہیں، تو پھر اس کا پڑھنا مسنون یا مستحب اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ حنفیہ کا اصل مذہب نہیں یہ، پچھلے لوگوں کا مذہب ہے، جو اس کو مکروہ کہہ دیا، اور پھر مکروہ کو مکروہ تحریمی سے بیان کیا، حالانکہ کسی معتمد فقیہ نے مطلق قرأۃ کو نماز میں مکروہ تحریمی نہیں فرمایا، ہاں اس تفصیل سے تو ضرور لوگوں نے مکروہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کی نیت سے جائز ہے اور قرأۃ کرنے کی نیت سے مکروہ، دیکھو در مختار عندنا تجوز بنیۃ الدعاء (کبیری شرح منیۃ المصلی ص ۵۴۶ ولو قرأ الفاتحۃ بنیۃ الثناء والدعاء جائز بحر الرائق میں محیط اور تجنیس صاحب ہدایہ سے ہے، ولو قرأ الفاتحۃ فیھا بنیۃ الدعا لا باس فی الاشباہ قالوا ان المأموم اذا قرأ الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ بنیۃ الذکر لا یحرم علیہ۔

مقتدی کو بھی ذکر کی غرض سے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا حرام نہیں، جو مطلق پڑھنے کو مکروہ وہ بھی تحریمی کہے، وہ بڑا بھی جاہل اور مذہب سے ناواقف ہے،

مالابدمنہ کے صفحہ ۹۳ میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں، اکثر علماء کرام برآنند کہ فاتحہ

ہم بخواند. اکثر علماء اس پر ہیں، کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھیں،

قاضی صاحب نے مرتے وقت اپنے وصیت نامہ میں وصیت کی ہے کہ میرے جنازہ پر سورہ فاتحہ بھی پڑھنا، دیکھیوان کا وصیت نامہ مع مالا بد منہ صفحہ ۱۹۱ وبعد تکبیر اولی سورہ فاتحہ ہم خوانند ہاں قراۃ کی نیت سے جو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، شامی اس کو کراہت تحریمی سے تعبیر کرتے ہیں، جو ٹھیک نہیں، بلکہ ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالہ قرأۃ الجوائز فی صلاۃ الجنائز میں اس کراہت کو کراہت تنزیہی فرمایا ہے جو اولیت کے مد مقابل ہے ما نصہٗ ھو محمول علی الکراھیۃ التنزیھیۃ التی ھی خلاف الاولی کما لا یخفی مجھے بڑا ہی تعجب معلوم ہوتا ہے، اس مدعی علم سے کہ باوجود احادیث نبویہ وآثار صحابہ سے اس کے پڑھنے کے ثبوت ہوتے ہوئے مکروہ کہے وہ بھی تحریمی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نیت سے پڑھی تھی، سورہ فاتحہ، یا ارشاد فرمایا وہ آپ کے بے بتلائے کون کہہ سکتا ہے، اور جو کہے وہ بے دلیل ہے۔ لان نیۃ الثناء امر مبطن لا یعلم الا من الفاعل قال الفاضل حسن الشرنبلالی حکاعنہ فاضل لکھنوی حنفی تعلیق ام الکلام المسمی غیث الغمام میں فرماتے ہیں: مع انہ باطن فی نفسہ ایضا فان اختلاف النیۃ امر باطن لا یطلع علیہ احد الا ببیان من نوی۔ لو سنو ہم اب اولاً مرفوع روایتوں کو بیان کرتے ہیں،

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یکبر علی جنائز اربعاً ویقرأ بفاتحۃ الکتاب فی التکبیرۃ الاولی رواہ الحاکم فی المستدرک والامام الشافعی فی کتاب الام قلت فیہ محمد بن عبد اللہ بن عقیل قال الترمذی فی جامعہ فی باب مفتاح الصلوٰۃ الطہور ھو صدوق وقد تکلم فیہ بعض اھل العلم من قبل حفظہ وسمعت محمد بن اسمعیل یقول کان احمد بن حنبل واسحق بن ابراھیم والحمیدی یحتجون بحدیث عبد اللہ بن محمد بن عقیل قال محمد ھو مقارب الحدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے، اور پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے،

(۲) عن ام شریک الانصاریۃ قالت امرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب رواہ ابن ماجۃ قلت فیہ شھر بن حوشب قال ابن الھمام فی فتح القدیر ص۱۱ الصحیح فی شھر التوثیق

وثقہ ابوزرعۃ واحمد ویحییٰ ویعقوب بن شیبۃ قلت وکذا رجح توثیقہ العلامۃ الترکمانی فی الجواھر النقی۔ والزیلعی المخرج فی نصب الرایۃ لہ وحماد بن جعفر العبدی البصری قال ابن معین ثقۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات علی ما فی تھذیب الحافظ۔

ام شریک انصاریہ فرماتی ہیں، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۳) وعن ام عفیف قالت بایعنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین بایع النساء فاخذ علیھن ان لا یحدثن الرجال الا محرما وامرنا ان نقرأ علی میتنا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ عبد المنعم ابو سعید وھو ضعیف کذا فی مجمع الزوائد فی المجلد الثانی وذکر ھذا الحدیث ایضًا الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ جلد ۴ ص ۴۷۲ بلفظ الاصابۃ علیٰ جنائزنا۔ ام عفیف نہدیہ فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی، جبکہ آپ نے عورتوں سے بیعت لی تھی، آپ نے ان عورتوں سے بیعت میں عہد لیا تھا کہ تم غیر محرم مرد سے باتیں نہ کیا کرنا، اور ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم اپنے جنازوں میتوں پر سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۴) وعن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی الجنازۃ فاقرأوا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ معلی بن حمران ولم اجد من ذکرہ وبقیۃ رجالہ موثقون فی بعضھم کلام کذا فی مجمع الزوائد۔ اسماء بنت یزید بن السکن خطیبۃ النساء فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر فرمایا پڑھو، سورہ فاتحہ کو،

(۵) وعن ابن عباس قال أتی بجنازۃ جابر بن عتیک او قال سھل بن عتیک وکان اول من صلی علیہ فی موضع الجنائز فتقدم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فکبر فقرأ بام القرآن فجھر بھا ثم کبر الثانیۃ فصلی علی نفسہ وعلی المرسلین ثم کبر الثالثۃ فدعا للمیت الحدیث رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ یحییٰ بن یزید بن عبد الملک النوفلی وھو ضعیف کذا فی مجمع الزوائد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جابر بن عتیق یا سہل بن عتیق (شک راوی کا) کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا، سب سے پہلے جنازہ تھا، جو مخصوص جنازہ پڑھنے کی جگہ میں پڑھا گیا، سو آپ آگے بڑھے، اور تکبیر

کہی، پھر سورہ فاتحہ زور سے پڑھی، پھر دوسری تکبیر کہی، اور نبی ذات پر اور تمام رسولوں پر درود شریف پڑھا، پھر تیسری تکبیر کہی، اور میت کیلئے دعا کی یہ تو ہوئیں صریح مرفوع روایتیں جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے میں اب ہم وہ روایتیں ذکر کرتے ہیں جنہیں صحابہ نے تورعاً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ذکر کیا، اور وہ روایتیں مرفوع ہیں۔

(۱) دیکھو صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتب قال لتعلموا انہا سنۃ قلت لہذا الحدیث الفاظ وقد رفعہ صریحاً بعض الرواۃ عنہ الا ان الترمذی قال فی الجامع الصحیح عن ابن عباس قولہ من السنۃ۔ طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی بعد میں دریافت کرنے پر کہا کہ تم معلوم کرلو کہ یہ سنت ہے،

(۲) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف وکان من کبراء الانصار وعلماءھم وابناء الذین شہدوا بدراً مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم اخبرہ ان السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اخرجہ الطحاوی فی معانی الآثار والشافعی فی الام ومسندہ والبیہقی وسند الطحاوی لامطعون فیہ وکذا البیہقی الا ان فی روایۃ البیہقی اخبرہ رجال من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم بدل رجل قالا قال الزہری حدثنی بذلک ابو امامۃ وابن المسیب یسمع فلم ینکر ذلک علیہ ابن شہاب فذکرت الذی اخبرہ ابو امامۃ من السنۃ فی الصلوۃ علی المیت لمحمد بن سیرین فقال وانا سمعت الضحاک بن قیس یحدث عن حبیب بن مسلمۃ فی صلاۃ صلہا علی المیت مثل الذی حدثنا ابو امامۃ رضؓ۔

ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف جو کہ انصار کے بڑوں میں سے ہے، اور ان کے علماء میں سے ہیں اور بدریوں کے فرزند انہیں کئی ایک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ کہ تکبیر کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے،

(۳) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف یحدث سعید ابن المسیب قال الفتح فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان تکبر ثم تقرأ بأم القرآن ثم تصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم تخلص الدعاء للمیت ولا تقرأ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ اخرجہ ابن الجارود فی المنتقی ص۲۶۵ قال الحافظ فی فتحہ بعد ان اخرجہ من کتاب عبد الرزاق والنسائی اسنادہ صحیح قلت اخرجہ ایضاً

ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فی الجزء الرابع ص۱۱۱ وابن حزم فی المحلی جلد ۵ ص۱۳۰۔

ابوامامہ مذکور نے سعید بن المسیب سے کہا، جنازہ کی نماز میں سنت یہ کہ تکبیر کہے، پھر سورہ فاتحہ پڑھے، پھر درود پڑھے، پھر خالص دعا کرے، قراۃ صرف پہلی ہی تکبیر میں پڑھے، (دشلیہ) صحابی جب من السنۃ کہے، تو وہ حدیث بھی مرفوع ہی ہوتی ہے، تمام محدثین کے نزدیک امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم صفحہ۱۷ میں فرماتے ہیں، واما اذا قال الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او من السنۃ کذا فکل مرفوع علی المذہب الصحیح الذی قال الجمہور من اصحاب الفنون قال ابن الہمام فی الفتح قول الصحابی من السنۃ حکمہ الرفع عند الجمہور ذکرہ فی الحج۔

علامہ عبدالحی لکھنوی ظفر الامانی فی شرح مقدمہ جرجانی صفحہ۱۱۲ میں بعد طویل بحث کے فرماتے ہیں اقول والاحسن عندی فی ہذا البحث مذہب ائمۃ الحدیث وعلیہ اعتمادی میری اس مبحث میں ائمہ حدیث کا مذہب بہت اچھا ہے، اسی پر میرا اعتماد بھی ہے، اب چند آثار صحابہ کو ملاحظہ فرماویں،

(۱) عن عبید بن السباق قال صلی بنا سہل بن حنیف علی جنازۃ فلما کبر التکبیر الاولی قرأ بام القرآن حتی اسمع من خلفہ اخرجہ البیہقی فی السنن ج۴ ص۳۹ والدارقطنی ج۱ ص۱۹۱ وابن شیبۃ فی المصنف فی الجزء الرابع ص۱۱۳۔ عبید بن سباق فرماتے ہیں کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک جنازہ پڑھایا، پہلی تکبیر کہی، تو سورہ فاتحہ پڑھی، اس طرح کہ مقتدیوں کو بھی سنایا،

(۲) روی ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود انہ قرأ علی الجنازۃ بالفاتحۃ کذا فی المحلی للشیخ سلام اللہ الدہلوی والمحلی لابن حزم ج۵ ص۱۲۹ والبیہقی ج۴ ص۳۹ وابن المنذر وسعید بن منصور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی،

(۳) ان المسور بن مخرمۃ صلی علی جنازۃ فقرأ فی التکبیرۃ الاولی فاتحۃ الکتاب وسورۃ قصیرۃ ورفع بہما صوتہ اخرجہ ابن حزم فی المحلی ج۵ ص۱۲۹۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، ایک جنازہ پر پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورت پڑھی اونچی آواز سے،

(۴) عن عبداللہ بن عمرو بن العاص انہ کان یقرأ بام القرآن بعد التکبیر الاولی علی الجنازۃ اخرجہ الامام الشافعی فی کتاب الام ج۱ ص۲۶۶ والمسند ایضا قال الامام الشافعی وبلغنا ذلک عن ابی بکر الصدیق وسہل

بن حنیف وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص تکبیر اولیٰ کے بعد جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ابوبکر صدیق اور سہل بن حنیف اور دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح آیا ہے،

(۵) عن مجاھدؒ قال سألت ثمانیۃ عشر رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ علی الجنازۃ فکلھم یقول کبر ثم اقرأ فاتحۃ الکتاب ثم کبر ثم صل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی غنیۃ الطالبین للشیخ عبدالقادر الجیلانی فی فصل صلوٰۃ الجنازۃ ج ۲ ص ۱۴۸ ورواہ الاثرم ذکرہ الشرنبلالی نقلا عن استادہ عن قاسم بن قطلوبغا علی ما فی التعلیق الممجد۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں آٹھارہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے جنازہ کی نماز کے متعلق دریافت کیا، سب نے یہی کہا کہ تکبیر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ، پھر تکبیر کہہ اور درود پڑھ اور بھی صحابہ کے آثار ہیں، جنہیں اختصار کی غرض سے ترک کئے دیتا ہوں، امام ابن حزم نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والوں میں ابوہریرۃؓ، ابوداؤدؓ، ابن مسعودؓ، انس بن مالکؓ کو محلی صفحہ ۱۲۹ ج ۳ میں بیان کیا ہے، تابعینوں میں سے بھی بہت سے افراد ایسے ہیں، جو جنازہ میں سورہ فاتحہ کو مسنون جانتے ہیں، خواجہ حسن بصریؒ سے امام بخاریؒ نے صحیح میں نقل فرمایا ہے، قال الحسن یقرأ علی الطفل بفاتحۃ الکتاب ویقول اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا۔

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، بچے پر سورہ فاتحہ اور اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا اخیر تک پڑھا جائے غرضیکہ سورہ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ثابت ہے، جو یہ کہے کہ کسی صریح صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں وہ محض لغو کہتا ہے، اس نے ان حدیثوں کو یا تو دیکھا ہی نہیں، یا اگر دیکھا بھی ہے تو نفسانیت و عصبیت کے نقاب نے بصارت قلبی پر پورا قبضہ کر رکھا ہے، بھلا کوئی ان صحاح صراح کا انکار ذوی البصارت کر سکتا ہے، اللہ میاں اُسے نیک سمجھ دے، فاضل ابن الہمام سے بھی ایک ایسی ہی غلطت ہو گئی ہے کہ انہوں نے بھی لکھ دیا کہ لم یثبت القرأۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الفتح، اس قدر واضح بات کا انکار کرنا ان جیسے محقق کی شان سے بعید ہے، ہم نے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا، تب بھی ان

کے اس کہنے سے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ الجوائز میں فرماتے ہیں، اذ کل مالو یثبت فعلہ علیہ السلام لو یلزم من ان یکون حراما او مکروھا بل یتوقف حکمھا علیٰ نہی قطعی او ظن ۔ اس لئے کہ جس چیز کا کرنا آپ سے ثابت نہ ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز حرام یا مکروہ ہے، بلکہ ان دونوں کے حکم کے لئے قطعی ممانعت یا ظن کا ثبوت چاہیئے، اس مسئلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یعنی جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کسی ایک حدیث میں بھی ثابت نہیں صرف حدیث اَخْلِصُوْالَہُ الدُّعاءَ سے استدلال کیا ہے یہ بھی بڑی جدو جہد کے بعد انہیں دلیل ملی ہے، فاضل علامہ عبدالحی لکھنوی غیث الغمام صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں، وغایۃ ما استدل بہ اصحابنا ھو حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء و ھو لا یثبت منع القرأۃ بل الغرض منہ الاکثار فی الدعاء للمیت والاخلاص فیہ یستجاب فافھم واستقم ۔ بہت بہت کر کے جانفشانی سے اگر ہمارے حنفیوں کو دلیل ملی جس سے انہوں نے مذہب کی دلیل پکڑی ہے، وہ صرف ابوہریرۃ کی حدیث ہے، مرفوع کہ تم جب میت کے لئے نماز پڑھو، تو خلاصیت سے اس کے حق میں دعا کرو، سو اس سے پڑھنے کی ممانعت نہیں ثابت ہو سکتی، بلکہ اس سے تو صرف اسی قدر غرض ہے، کہ خوب خلاصیت کے ساتھ میت کے حق میں دعا کرنا چاہیئے تاکہ دعا قبول ہو، اس آسان بات کو سمجھو سیدھی راہ چلو،

امام ابن حزم محلی صفحہ ۱۳۰ج ۵ میں فرماتے ہیں، واحتج من منع من قرأۃ القراٰن فیھا بان قالوا روی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم اَخْلِصُوْا لَہُ الدعاء وقال ابو محمد ھٰذا حدیث ساقط ما روی قط من طریق یشتغل بھا ثم لو صح لما منع من القرأۃ لانہ لیس فی اخلاص الدعاء للمیت عن القرأۃ ونحن نخلص لہ الدعاء ونقرأ کما اُمِرْنَا ۔

جنازہ کی نماز میں پڑھنے سے منع کرنے والوں نے حدیث اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعاء سے استدلال کیا ہے، امام ابن حزم کہتے ہیں اولاً تو یہ حدیث بھی قابل حجت نہیں، اور نہ ہی ایسے طریق سے وارد ہے کہ اس کے جواب میں مشغولیت کی جائے ثانیاً اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی پڑھنے کی ممانعت نہیں ہو سکتی، اخلاص دعاء مانع قرأۃ نہیں، ہم اخلاص بھی دعا

بیں کرتے ہیں، اور پڑھتے بھی ہیں، جس طرح ہمیں شارح علیہ السلام کا حکم ہوا، علامہ فاضل لکھنوی تعلیق الممجد صفحہ ۱۳۱ میں فرماتے ہیں حسن شرنبلالی صاحب مراقی الفلاح نے ایک رسالہ بنام النظم المستطاب لحکم القرأۃ فی صلوۃ الجنازۃ بام الکتاب تصنیف کیا ہے، وفیہا علی من ذکر الکراھۃ بدلائل شافیۃ ھذا ھو الاولی لثبوت ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کراہیت کہنے والوں پر کافی شافی دلیلوں سے رد کیا ہے، اور یہی اولیٰ ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہونے کی وجہ سے واللہ اعلم۔

جواب نمبر ۲:۔ سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی ایک سورت کا ملانا شرعاً درست ہے، حدیث مسور بن مخرمہ ۱۱ آثار صحابہ میں دیکھو، نیز عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر حتی اسمعنا فلما فرغ اخذت بیدہ فسألتہ فقال سنۃ وحق اخرجہ النسائی وابن الجارود فی المنتقی ص ۲۶۳ واسنادھما صحیح وذکر السورۃ ابن الجارود باسانید کلھا صحیح جیاد وما قال البیہقی ذکر السورۃ غیر محفوظ فقد تعقب علیہ العلامۃ الترکمانی فی الجواھر النقی ص ۳۸ ج ۴ وقال بل ھو محفوظ رواہ النسائی عن الھیثم بن ایوب عن ابراھیم بن سعد بسندہ۔ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف نے کہا میں نے ابن عباس کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی، انہوں نے سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ زور سے پڑھی، سلام کے بعد میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا، اور دریافت کیا تو مجھے جواب دیا کہ یہ سنت اور حق ہے، واللہ اعلم،

جواب نمبر ۳:۔ نماز جنازہ کو زور سے پڑھنا شرعاً درست ہے، دیکھو متذکرہ بالا حدیثیں، نیز منتقی لابن الجارود ص ۲۶۴ میں ابن عباس کی روایت کے لفظ یہ ہیں، انما جھرت لاعلمکم انھا سنۃ والامام کا زور سے پڑھنا درست نہ ہوتا تو یہ زور سے پڑھ کر یہ نہ فرماتے، نیز جنازہ زور سے پڑھنا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، دیکھو فتح القدیر صفحہ ۴۶۱ ج ۱ روی ابو داؤد عن واثلۃ بن الاسقع قال صلے بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک الحدیث وروی ایضاً حدیث ابی ھریرۃ سمعتہ من النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللھم انت ربھا وانت خلقتہا

أَنْتَ هدیتها للاسلام۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نماز پڑھائی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد مسلمان کی پس نے سنا آپ کو کہتے ہوئے، اَللّٰھُمَّ ان فلان بن فلان اس جگہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے فی ذمتك وحبل جوارك اخیر تک اور نیز مروی ہے، ابو ہریرۃ سے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اَللّٰھُمَّ أَنْتَ ربها اخیر تک،

ان حدیثوں سے صاف اور واضح طور سے ثابت ہوا کہ جنازہ زور سے پڑھنا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اسے مکروہ کہنا عصبیت سے خالی نہیں، جو کام نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اسے برا کہنا برا جاننا مکروہ کہنا ایک مسلم انسان کا دل کیونکہ گوارا کر سکتا ہے، اس نے تو اپنے نبی کے فعل پر حرف گیری کی، اللہ میاں نیک توفیق دے، ماحصل اس کا یہ ہے کہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور کوئی ایک سورۃ کا پڑھنا اور نیز جنازہ کی نماز آواز سے پڑھنا شرعاً ثابت ہے، مکروہ یا حرام کہنا بے علمی و بے خبری کا ثمرہ ہے، واللہ اعلم، وعلمہ اتم واحکم ہذا ما سنح ببالی القاصر وانا الراجی رحمۃ ربہ، ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی کان اللہ لہ، حررہ ثمان وعشرین من رجب المرجب احد من شہور سنۃ اثنین وخمسین وثلاثمائۃ بعد الالف وصلے اللہ علی النبی وآلہ واصحابہ وسلم،

سوال ۱ ۔ بلند آواز کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے کہ نہیں، اور نماز جنازہ میں صرف سورہ فاتحہ اور دیگر سورہ بلند آواز سے پڑھے، یا کہ درود شریف اور دعا بھی اَللّٰھُمَّ اغفر لحینا ومیتنا الخ پڑھ سکتا ہے، اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو جنازہ ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ ؟

(۲) جنازہ بالجہر پڑھنے والے کو اگر کوئی شخص کہے، کہ یہ فتنہ و فساد پھیلاتا ہے، تو وہ شخص عنداللہ مجرم ہے کہ نہیں؟

(۳) آج کل جو میت کے مرنے کے بعد تین دن تک اپنے گھر کے سامنے کپڑے یا دریاں وغیرہ بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں یعنی ہر بار جب کوئی

آجیسے آدمی آتا ہے، تو کہتا ہے کہ دعا مانگو، تو حقہ پیتے پیتے دعا مانگنی شروع کر دیتے ہیں، اور جو ہاتھ نہ اٹھائے، تو وہ اس کو برا محسوس کرتے ہیں، کیا یہ اس طرح کی فاتحہ خوانی کرنا عند الشرع جائز ہے کہ نہیں؟۔

جواب ملا:۔ بلند آواز سے برائے تعلیم سورہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ویسے سنت یہی ہے کہ قرأۃ آہستہ پڑھی جائے، جیسا کہ نسائی میں ہے،

ملا: بلند آواز سے سورہ فاتحہ جب تعلیم کے لئے ہو تو جائز ہے، پھر اس کو فتنہ کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کو عادت بنانا، اور سنت سمجھنا صحیح نہیں،

ملا مرنے کے بعد جو تعزیت کے لئے دعا خوانی کا رواج ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں

(الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۱۹)

توضیح الکلام:۔ مفتی صاحب نے ایک طرف کو بلا مرجحہ ترجیح دی ہے، حالانکہ نماز جنازہ دونوں طرح سنت ہے، یعنی بلند آواز سے بھی، اور آہستہ بھی اگرچہ دلائل کے لحاظ سے بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل اور قوی ہے، جیسا کہ مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی رحمۃ اللہ اپنے طویل فتوی میں تمام دلائل کو صحیح احادیث سے بیان فرمایا ہے، یہ کہنا کہ اس کو عادت نہ بنانا چاہیے یہ ڈبل غلطی ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کبھی کبھی جمعہ پڑھتا ہے، اور نماز عید، باقی کوئی نماز نہیں پڑھتا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں، جواز اور عدم جواز کی وجہ بھی لکھیں۔

جواب:۔ سرزنش اور تنبیہ کے لئے ایسے شخص کی نماز میں امام مسجد اور دیگر اہل شر شامل نہ ہوں، تو مناسب ہے، کیونکہ ترک نماز کو صحابہ بالاتفاق کفر قرار دیتے تھے، حدیث شریف میں ہے،

مَنْ ترك الصّلوٰة متعمدًا فقد كفر ۔ ویسے دوسرے آدمی نماز جنازہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔

(الاعتصام جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۲۱/۲۲) مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال :۔ کیا نماز جنازہ میں جب امام دعا پڑھ رہا ہو، مقتدی پیچھے آمین بالجہر کرتے رہیں اور آمین بالجہر دعا کی جگہ کفایت کر سکتی ہے، نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں آمین بالجہر مقتدیوں کے لئے کرنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت ہے، قیاس اور رائے قابل قبول نہ ہوگا،

جواب :۔ نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں،

(الاعتصام جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۳۰) مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ جنازے کی نماز کے آگے سیدھے کان سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ کر "الصلوٰۃ الجنازۃ فرض الکفایۃ" تین مرتبہ پکارنے سے فرشتے اس آواز کو سن کر جنازے کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں، اس ایسا بولنا چاہئے بکر کہتا ہے اس طور سے صلوٰۃ پکارنا منع ہے، کون حق پر ہے،

جواب :۔ جو واقعہ نظر اور عقل سے غائب ہو، اس کا بتانا نبی کا کام ہے، یہ واقعہ بھی عقل اور نظر سے غائب ہے اس لئے اس کا ثبوت بھی قرآن و حدیث سے ہونا چاہئے، جو نہیں ہے، پس جو اس کا قائل ہے، اس سے ثبوت مانگنا چاہئے۔ محض زبان سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا

(فتاویٰ ثنائیہ جلد نمبر ۱ ص ۵۲۹)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ کہ نماز جنازہ ایک بار ہو چکی پھر اور آدمی آئے، انہوں نے بھی نماز پڑھی، تو یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جنازہ پر دوبارہ نماز پڑھنی جائز ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے، عن ابن

عباس ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذنتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلّٰی متفق علیہ۔

یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے جس میں مردہ رات کو دفن ہوا تھا، آپ نے فرمایا یہ کب مدفون ہوا ہے، لوگوں نے کہا، شب گذشتہ کو آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں نے کیوں خبر نہیں دی، لوگوں نے کہا اندھیری رات میں ہم نے دفن کیا، اس وجہ سے آپ کو جگانا نامناسب نہ سمجھا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (نماز جنازہ کے لئے) کھڑے ہوئے، اور ہم لوگ آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے، پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ہونے کے بعد قبر پر دوبارہ نماز جنازہ درست ہے تو قبل دفن کے تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی، اور اس کی تائید حضرت علی کے اثر سے ہوتی ہے، جس کو صاحب کنز العمال نے بایں لفظ نقل کیا ہے، صَلّٰی عَلِیٌّ علی جنازۃ بعد مَا صلی علیہا۔

یعنی حضرت علی نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، بعد اس کے کہ اس پر نماز پڑھی جا چکی تھی، حررہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۷)

سید محمد نذیر حسین دہلویؒ

سوال :۔ جنازہ غائبانہ کا ثبوت اور کتنے دن تک،

جواب :۔ جنازہ غائبانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کا پڑھنا، اور اس کے بعد کسی روایت میں منع نہیں آیا، لہذا یہ فعل سُنت ہے،

تشریح :۔ نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے، اور یہی مذہب ہے، امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا ہے، کہ کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے، عن جابر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم

صلی علی اصحمة النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فهلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفه فصلی رسول الله صلی الله علیہ وسلم ونحن صفوف متفق علیہ۔ کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی الشرح قد استدل بهذه القصة القائلون بشروعیة الصلوة علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذالك قال الشافعی واحمد وجمهور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابة منعه انتهی (حررہ محمد عبد الرحمن المبارکپوری)

(فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۳۹۸ ج ۱)

ابو العلیٰ محمد عبد الرحمٰن		سید محمد نذیر حسین

شرفیہ:۔ قولہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے الخ اس کی تحقیق پیشتر ہو چکی ہے، وہاں ملاحظہ ہو، کتنے دن کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی مسجد میں بعد مدت مدید شہدا احد پر نماز جنازہ پڑھی صلی علی اهل احد صلوته علی المیت ثم انصرف الی المنبر الحدیث صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ برس کے بعد پڑھا تھا، ابو سعید محمد شرف الدین

جنازہ غائبانہ جائز ہے۔ عبید اللہ رحمانی، ۱۹ مئی ۵۳ء دہلوی ج (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے کے بعد وضو باطل ہو جاتا ہے،

جواب:۔ جنازہ کا وضو جنازہ پڑھنے سے ٹوٹ نہیں جاتا، اس سے نماز پڑھنی جائز ہے، جو کہتا ہے کہ جنازہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کا قول غلط ہے،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۳۰)

سوال:۔ مرد یا عورت کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا جائز ہے، کیا ایسے جنازے کی نماز میں داخل ہو کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟۔

جواب:۔ جنازہ میت کا حق ہے زندوں کی کسی غلطی سے اس حق کو تلف کرنا جائز نہیں لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ پس جنازہ پڑھنا چاہیے،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۸)

سوال :۔ کیا حضورؐ قبروں اور جنازوں پر پھولوں کی کلی ڈالا کرتے تھے ،

جواب :۔ ثابت نہیں ، (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازہ پر پھول ڈالنا ہار بنا کر وغیرہ وغیرہ یہ کیا ہے ،

جواب :۔ شرع شریف میں اس کا ثبوت نہیں ، ہندوؤں کی صحبت کا اثر ہے ،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازے کو بے وضو غسل دے سکتے ہیں ، یا نہیں ؟ ۔

جواب :۔ دے سکتے ہیں ، کوئی حرج نہیں کسی آیت یا حدیث میں منع نہیں ،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازہ میں مقتدی خواہ امام کو ہاتھ کانوں تک ہر تکبیر کے ساتھ اٹھانا چاہیے یا نہیں ؟ ۔

جواب :۔ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ، بلکہ بقول مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مرحوم امام ابوحنیفہ صاحب سے بھی روایت آئی ہے ، شرح وقایہ ،

شرفیہ :۔ اس میں عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے آثار جزء رفع یدین بخاری میں ، ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی

تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی فعلی یا تقدیری حدیث موجود نہیں ہے ، البتہ بعض صحابہ سے ضرور ثابت ہے ، اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے ، بدعت یا ممنوع نہیں

عبیداللہ رحمانی ، ۱۹ رمئی ۵۳ء (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ـــ)

تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کی ممانعت پر کوئی صحیح مرفوع

توضیح الکلام :۔ صریح حدیث نہیں، بلکہ آثار صحابہ اور بعض ضعیف احادیث اس کے اصل پر دال ہیں، العلم عند اللہ۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ جنازہ جہر پر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے، کہ پہلی تکبیر میں الحمد شریف و سورۃ بالجہر پڑھی جاوے، اور بعد ختم آمین بالجہر مقتدی بھی کہیں، اور پھر دوسری تکبیر میں درود شریف آہستہ اور تیسری تکبیر میں امام باآواز بلند دعا پڑھے۔ اور مقتدی صرف آمین ہی کہیں، بکر کہتا ہے، تیسری تکبیر میں امام اور مقتدی دونوں کو دعا ہی پڑھنی چاہیئے، اگر کسی کو عربی میں دعا نہ آتی ہو تو وہ اپنی زبان میں دعا کا ترجمہ پڑھے، بہرحال جنازہ جہر پڑھنے کا کیا طریقہ ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے، کہ انہوں نے جنازہ میں سورہ فاتحہ بالجہر پڑھی، اور فرمایا لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ اس لفظ کی شرح دو طرح کی گئی ہے، تاکہ تم جانو کہ یہ سنت ہے، یعنی سورہ فاتحہ بالجہر پڑھنا دوسرے تم جانو کہ فاتحہ پڑھنی سنت ہے، ایسے امور میں نرمی اور سہل انگاری چاہیئے، تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں، کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں، دعا عربی یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں پڑھ سکتا ہے، کیونکہ جنازہ کا مقصود دعا ہے، بالجہر پڑھنے کا طریقہ بس یہی ہے، جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء،

ادعیہ جنازہ :۔ میرے محترم مولانا ثناء اللہ امرتسری سلمہ ربہٗ نے پرچہ اہل حدیث ۱۱ اگست میں تحریر فرمایا ہے، تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں، ناظرین پرچہ اہل حدیث مطلع رہیں، کہ نماز جنازہ میں ادعیہ کا زور سے پڑھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بعد صحابہ سے بھی ثابت ہے، صحیح مسلم صفحہ ۳۱۱ ج ۱ بروایت عوف بن مالک الشجعی قال سمعت رسول اللہ صلی علی جنازۃ یقول اللھم اغفر لہ وارحمہ الحدیث میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک جنازہ پر پڑھتے ہوئے سنا اس دعا کو اللھم اغفر لہ وارحمہ

آخر تک سنن ابی داود صفحہ ۱۸۹ ج ۲ ملاحظہ ہو۔ عن واثلۃ بن الاسقع قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللہم ان فلان بن فلان فی ذمتک الحدیث نیز ج ۲ ص ۱۸۸ عن ابی ھریرۃ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فقال اللہم اغفر لحینا الحدیث۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مسلمان مرد کی نماز پڑھائی، جس میں آپ کو پڑھتے ہوئے میں نے سنا کہ اللّٰہم اِنَّ فلان بن فلان

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول خدا نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی، آپ نے پڑھا۔ اَللّٰہُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا آخیر تک۔

مشکوٰۃ فصل ۳ میں ہے عن سعید بن المسیب قال صلیت وراء ابی ھریرۃ علے صبی لم یعمل خطیئۃ قط فسمعتہ یقول اَللّٰہُمَّ اَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ فاضل شوکانی نیل صفحہ ۲۰۲ ج ۳ میں فرماتے ہیں، قولہ سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم وکذلک قولہ فسمعتہ وفی روایۃ لمسلم من حدیث عوف فحفظت من دعائہ جمیع ذلک یدل علی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جہر بالدعاء امام نووی صفحہ ۳۱۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں فیہ اشارۃ الی الجہر بالدعاء فی صلوۃ الجنازۃ حاصل کلام یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے جنازہ میں دعاؤں کا زور سے پڑھنا ثابت ہے، کوئی محل تردد نہیں، ہذا ماظہر بیانہ فی الدفاتر وانا الراجی رحمۃ ربہ، ابوعبدالکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی کان اللہ لہ، ۲۵ راگست ۱۹۴۳ء،

از قلم حافظ احمد صاحب ٹھیوی رحمۃ اللہ

سوال:۔ نماز جنازہ میں بلند آواز سے قرأت اور دعا پڑھنی درست ہے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورہ باآواز بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے، منتقی الاخبار میں ہے، عن ابن عباس انہ صلے علے جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتب وقال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححہ النسائی وقال فیہ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجہر فلما فرغ قال سنۃ وحق۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی، اور سورہ فاتحہ باآواز بلند پڑھی، اور فرمایا کہ میں نے سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے اس لئے پڑھا ہے، کہ تم

جان لو کہ یہ سنت ہے، روایت کی، اس کو ابوداؤد اور بخاری اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور اس کو نسائی نے بھی روایت ہے، اور نسائی کی روایت میں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فاتحۃ الکتاب اور ایک سورۃ پڑھی، اور باآواز بلند پڑھی، اور جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے، واضح رہے کہ اس روایت میں سنت سے مراد سنت نبوی ہے، یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ باآواز بلند پڑھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، فتح الباری میں ہے وقد أجمعوا علی ان قول الصحابی سنۃ حدیث مرفوع الخ یہ اجماعی مسئلہ ہے، کہ صحابی کا قول سُنت ہے، اس لفظ سنت سے مراد حدیث مرفوع (قول رسول اللہ صلعم) ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۵۳ ج ۴ میں فرماتے ہیں، (قولہ وجہر) فیہ دلیل علی الجہر فی قرأۃ صلوٰۃ الجنازۃ۔ یعنی لفظ جہر میں دلیل ہے، بلند قرأۃ پڑھنے کی نماز جنازہ پر سراج الوہاب صفحہ ۲۰۰ جلد ۱ میں ہے، بل الحدیث فیہ دلالۃ واضحۃ علی الجہر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ ولا مانع منہ شرعا وعقلا ولا داعی الیہ فیکون الجہر والاسرار فیہا سواء کباقی الخ بلکہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے، اونچی دعا پڑھنے کے نماز جنازہ میں اور اس سے کوئی منع کرنیوالا نہیں، نہ شرعاً اور نہ عقلاً اور نہ کوئی اس کا دعوی کرنے والا ہے،

پس جنازہ میں قرأۃ بلند پڑھنی یا آہستہ پڑھنی جنازہ میں دیگر نمازوں کی طرح برابر ہے، جنازہ میں دعا بلند آواز سے پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے،

مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ یقول اللہم اغفرلہ وارحمہ۔ یہ دعا لمبی ذکر کر کے حضرت عوف رضی اللہ فرماتے ہیں، فتمنیت ان لو کنت انا المیت لدعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذلک المیت پس آرزو کی میں نے کاش کہ یہ میت میں ہوتی یہ رسول اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے شوق پیدا ہوا،

ایک روایت مسلم میں یہ لفظ بھی ہیں فحفظت من دعائہ، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اسی وقت یاد کر لی، یعنی رسول اللہ علیہ وسلم نے جب جنازہ پڑھا، بلند آواز سے دعا پڑھی، تو

میں نے یاد کر لی، اب تمام احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور دیگر سورۃ اور دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلند آواز سے پڑھی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی بلند آواز سے پڑھی جب ابن عباسؓ سے پوچھا گیا، کہ آپ نے بلند آواز سے جنازہ کیوں پڑھا، تو جواب دیا کہ تم جان لو کہ یہ فعل سُنت ہے، جس طرح جنازہ میں سورہ فاتحہ و دیگر سورہ اور دعا بلند آواز سے سنت ہے، اسی طرح قرآن شریف بھی بلند آواز سے سُنت ہے،

تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے، رجال اسناد مالك رجال الصحيح الخ اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے ہیں، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مسور بن مخرمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے قرأۃ بالجہر ثابت ہوتی ہے، اور یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں، عون المعبود شرح ابوداؤد صفحہ ۱۸۹ جلد ۳ میں تمام روایات ذکر کر کے لکھتے ہیں، قلت و الظاهر ان الجهر والاسرار بالدعاء في صلوٰة الجنازة جائزان وكل من الامرين مروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا هو الحق والله اعلم میں کہتا ہوں جملہ دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ میں قرأۃ بلند آواز یا آہستہ آواز سے پڑھنا دونوں جائز ہیں، اور ہر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یہی بات حق اور درست ہے، ان تصریحات محققین سے جہری جنازہ کا جواز ثابت ہو گیا، لیکن مجھے تعجب ہوا، کہ اہلحدیث ہی کے بعض حلقے اس پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ ایک جائز بلکہ بعض کے نزدیک افضل امر پر کم از کم ناگواری ایک غلط رجحان ہے،

حافظ احمد صاحب پٹوی اخبار الاعتصام

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۴۷)

سوال:۔ جنازہ پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ نماز جنازہ تمام دعا ہے، الگ دعا کرنا قبل دفن میت کے ثابت نہیں بعد دفن کے لمبی دعا کرنا ثابت ہے، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۴۹)

سوال:۔ نماز جنازہ کے واسطے وارث سے اجازت لینی شرط ہے، یا نہیں؟۔

جواب :۔ یہ رواج ہے کہ وارث میت سے اجازت لی جاتی ہے ، ورنہ جو امام محلہ ہو یا جو عالم ہو وہ نماز جنازہ پڑھائے ، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۴۳)

سوال :۔ جب میت کا جنازہ واسطے دفن کے قبرستان کو لے جاتے ہیں، تو اکثر لوگ کہا کرتے ہیں، کہ بھائی آہستہ آہستہ لے چلو، میت کو تکلیف ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ جب مکھی میت کے جسم پر بیٹھتی ہے، وہ بھی اس کو معلوم ہوتی ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں، (الیٰ آخرہ)

جواب :۔ حدیث میں صاف اسرعوا بالجنازۃ جنازہ کو جلدی جلدی لے جایا کرو، آیا ہے. اس کی وجہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بیان فرمادی کہ اگر میت بد ہے، تو جلدی اپنے کندھوں سے اس کو اُتھا دو، اگر نیک ہے تو راحت میں اس کو جلدی پہنچادو. قرآن مجید صاف ناطق ہے کہ مردہ نہیں سُنتا، حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے، کہ مردہ نہیں سُنتا، حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ نے مائۃ مسائل میں اس کی تفصیل لکھی ہے، شہید زندہ ہیں، لیکن ان کی زندگی کی بابت لَا تَشْعُرُوْنَ تم لوگ نہیں جانتے، آیا ہے، اس زندگی کے یہ معنے ہیں کہ وہ عیش و آرام میں زائرین کی استدعا کو نہیں سُنتے، قرآن مجید میں صاف ذکر ہے، لَا یَسْمَعُوْنَ دُعَاءَکُم تمہاری پکار نہیں، سُنتے،

جو شخص صحیح بات کو نہ تسلیم کرے، وہ گنہگار، بلکہ منکر ہے، ان کو توبہ کرنی چاہیئے،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۴۱/۱۴۲)

سوال :۔ نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں ؟۔

جواب :۔ نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا، واللہ اعلم ،

تشریح :۔ از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ودرست ہے، منتقی

الاخبار میں ہے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکروا ذلك علیها فقالت لقد صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه رواه مسلم وفی روایة ما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی سهیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواه الجماعة الا البخاری۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق تھا، فتح الباری میں ہے، وقد روی ابن ابی شیبة وغیره ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صهیبا صلی علی عمر فی المسجد وفی روایة ووضعت الجنازة فی المسجد تجاه المنبر وهذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلك الخ۔

(فتاویٰ نذیریہ ص ۴۰۲ ج ۱) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۱۴)

سید نذیر حسین دہلوی

حررہ محمد یوسف عفی عنہ

سوال:۔ نماز عصر کی جماعت تیار اس عرصہ میں ایک جنازہ آیا، پہلے عصر کی نماز یا جنازہ؟

جواب:۔ نماز عصر پہلے پڑھیں تو اچھا ہے، جنازہ پہلے پڑھنا منع نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عصر فرض عین ہے، اور جنازہ فرض کفایہ ہے، فرض عین کو مقدم رکھنا چاہیے

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۱۴)

سوال:۔ جنازہ غائب اس صورت میں ہو سکتا ہے، اگر کوئی شخص کسی قصبہ کا ہو تو وہاں پر باقاعدہ اس کا جنازہ بھی ادا کیا ہو، کیا دوسرے قصبے کے لوگ بھی اس کا جنازہ غائب پڑھ سکتے ہیں، بغیر ان دو دلیلوں کے جو بادشاہ حبشیہ اور اس عورت کے جس کی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جنازہ پڑھا، اور کیا دلیل ہے، یا اس صورت میں جنازہ غائب ہو سکتا ہے،

جواب :۔ مذکورہ فی السوال ہر دو واقع کے علاوہ ترمذی میں مروی ہے ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا وقد مضیٰ لذٰلک شہر۔
یعنی ام سعد کی قبر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے بعد نماز پڑھی، مزید تحقیق کے لئے دیکھو نیل الاوطار،

شرفیہ :۔ یہ دعوی کہ اصحمہ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں نہ پڑھا گیا تھا، بلا دلیل ہے، بالکل جھوٹ ہے، من ادعی فعلیہ البیان بالبرھان پھر یہ قول کہ جب دو دفعہ فلاں کا نہ ہوا، چوتھے مرتبہ کے لئے دلیل چاہیئے، یہ قاعدہ ہی باطل ہے، اس سے تو ہزارہا سنن متروک ہو جائیں گے، ورنہ مدعی بتائے کہ مشہور سنن مروجہ میں ان پر نص صحیح صریح، ودوام بلا ترک پیش کرے، قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الآیۃ میں کوئی تخصیص عام کی نہیں، ایک مرتبہ بھی، جو کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ حجت ہے، تاوقتیکہ نسخ یا خصوصیت یا بعد کوئی دلیل نہ ثابت ہو ۱۲،

الراقم ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی

خودکشی کرنیوالے کی نماز جنازہ

سوال :۔ ایک حاجی پانچوں وقت کا نمازی ہے، جماعت کا پابند، شکل، صورت میں پورا مذہبی انسان اُس نے خودکشی کے خیال سے لٹک کر جان دے دی، کیا اُس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے،

جواب :۔ اُس کے متعلق چند احادیث درج ہیں، مسلم میں ہے،

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَہٗ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْہِ۔ فصل رابع مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا، جس نے تیر کے پھل سے یا چاقو سے خودکشی کر لی، آپؐ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا،

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔ متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب القصاص۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے، وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں (پہاڑ) سے گرے گا، جو زہر پی کر خودکشی کرے، اُس کا زہر اُس کے ہاتھ میں ہوگا، ہمیشہ جہنم میں اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا، اور جو شخص کسی ہتھیار سے خودکشی کرے، وہ ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہوگا، ہمیشہ جہنم میں اپنے پیٹ میں گھونپے گا،

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَخْنُقُ نَفْسَهُ يَخْنُقُهَا فِي النَّارِ وَالَّذِي يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِي النَّارِ۔ حوالہ مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرے، وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹے گا، اور جو برچھی وغیرہ گھونپ کر خودکشی کرے، وہ جہنم میں برچھی وغیرہ گھونپے گا،

(۴) وعن جندب بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رجل بہ جرح فجزع فاخذ سکینا فحزّ بہا یدہ فما رقأ الدم حتی مات قال اللّٰهُ بَادَرَنِي عَبْدِي بِنَفْسِهِ، فَحَرَّمْتُ علیہ الجَنَّةَ۔ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ کتاب القصاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ لوگوں سے ایک شخص کے زخم تھا، اس سے بیقرار ہوگیا، چاقو لے کر اپنا ہاتھ کاٹ دیا، خون بند نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، خدا تعالےٰ نے اس پر جنت حرام کردی،

(۵) وعن جابر ان الطفیل بن عمرو الدوسی لما هاجر النبی صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم الی المدینة هاجر الیه وهاجر معه رجل من قومه فمرض فجزع فاخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فشخبت یداه حتی مات فراٰه الطفیل بن عمرو فی منامه و

هيئة حسنة ورآه مغطيا يديه فقال ما صنع بك ربك فقال غفرلي بهجرتي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال مالي اراك مغطيا يديك قال قيل لي لن نصلح منك ما افسدت فقصها الطفيل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم وليديه فاغفر۔ رواه مسلم، حوالہ مذکور۔

جابر فرماتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، تو طفیل بن عمرو دوسیؓ نے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی وہ بیمار ہوکر بے چین ہوگیا، چاقو لے کر اپنی انگلیاں جوڑوں سے کاٹ دیں، خون نے جوش مارا، یہاں تک کہ وہ مرگیا، طفیل بن عمروؓ نے اس کو خواب میں اچھی ہیئت میں دیکھا، پوچھا خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا، کہا میری ہجرت کی برکت سے خدا نے معافی دے دی الطفیل بن عمرو نے کہا، تو نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانپے ہوئے ہیں، کہا خدا کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ جو تو نے خود بگاڑا ہے، اس کو ہم ٹھیک نہیں کریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے، یہ پانچ احادیث میں پہلی چار سے تو ظاہر ہوتا ہے، کہ اس کے لئے بخشش نہیں، نہ اس کا جنازہ پڑھنا چاہیے، پانچویں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی معافی ہو سکتی ہے، اس بنا پر اس کی نماز جنازہ بھی درست ہے، کیونکہ نماز جنازہ میں میت کے لئے معافی وغیرہ کی درخواست ہوتی ہے، ہاں اس میں شبہ نہیں کہ گناہ بہت بڑا ہے، جس کی سزا یہی ہے، کہ ہمیشہ جہنم میں اس عذاب میں مبتلا رہے، جس سے اس نے اپنی جان تلف کی ہے، اللہ تعالیٰ کسی عمل کی برکت سے معافی دے دے، تو علیحدہ بات ہے، ورنہ سزا یہی ہے، اور اسی تنبیہ کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، چنانچہ پہلی حدیث میں مذکور ہے، حالانکہ وہ مسلمان ہے اسلام سے خارج نہیں، اور مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، مگر تنبیہ کے لئے آپؐ نے نہیں پڑھی، اس طرح جس مقروض نے ادائیگی قرض کے لئے مال نہ چھوڑا ہو، جس سے اس کا قرض ادا نہ ہو سکے، اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ وہ بھی بالاتفاق مسلمان ہے، پس جو شخص مذکور فی السوال بڑا آدمی پرہیزگار، متقی عالم فاضل جس کے نماز جنازہ نہ پڑھنے تنبیہ ہو جائے،

نماز جنازہ نہ پڑھے، اور باقی لوگ پڑھ لیں، یا کوئی بھی نہ پڑھے، تاکہ زیادہ تنبیہ ہو جائے، اس طرح مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا، یہ بھی نماز جنازہ کی طرح بطور تنبیہ ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ آخر مسلمان ہے چنانچہ اور معلوم ہو چکا ہے

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ

(فتاوی اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۴۸۷)

خسرے کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر میت خسرہ ہو، اُس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے، یا ناجائز، کیا امام نماز پڑھائے یا نہ، اگر پڑھائے تو امام کیا دعا پڑھے،

جواب:۔ خسرہ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک پیدائشی اور ایک بناوٹی، بناوٹی اگر اپنے پیشے سے توبہ کرے تو اُس کے نماز جنازہ میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں مرد ہوتا ہے، جس نے عورت کی شکل بنا کے سوال کا پیشہ اختیار کر لیا ہے، اگر بغیر توبہ مر گیا، تو دیکھا جائے، اور معلوم کیا جائے، کہ نماز کا پابند تھا، تو اس صورت میں بھی نماز جنازہ ہو جاتی ہے، لیکن تنبیہ کے طور پر نہ پڑھی جائے، تو مناسب ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی، اور خودکشی کرنے والے کی، اور ماعز کی جس نے زنا کیا تھا، نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر بناوٹی خسرہ نماز نہیں پڑھتا تھا، تو پھر بالکل نماز جنازہ نہ پڑھنی چاہئے، کیونکہ بے نماز کافر ہے،

اگر خسرہ پیدائشی ہے تو اس کی حالت دیکھی جائے، کہ مرد سے زیادہ مشابہ ہے یا عورت سے جس سے زیادہ مشابہ ہو اس کا حکم رکھتا ہے، اگر مرد سے زیادہ مشابہ ہو تو مرد والی دعائیں پڑھی جائیں، اور جنازہ پڑھانے کے وقت امام اس کے سر کے برابر کھڑا ہو یا اس کے درمیان میں اگر خسرہ عورت سے زیادہ مشابہ ہو تو عورت والی دعائیں، اور جنازہ پڑھنے کے وقت امام اس کے درمیان میں کھڑا ہو یا سرین کے برابر، کیونکہ جدھر کو ترجیح ہو، اُدھر ہی کا حکم ہونا چاہئے، اگر مرد عورت والی علامتیں برابر ہوں، تو پھر اختیار ہے، امام جونسی دعائیں چاہے پڑھے،

کیونکہ دونوں طرف برابر ہیں وراثت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مرد سمجھا جائے، یا عورت راجح مذہب یہی ہے کہ آدھا حصہ اس مرد کا دیا جائے، اور آدھا عورت کا چنانچہ کتب وراثت میں اس کی تفصیل ہے، عبداللہ امرتسری۔ (ویڑی، فتاوی اہلحدیث جلد ۱ صفحہ ۳۵)۔

توضیح: مرد یا عورت کی دعاؤں میں فرق حدیث صریح سے ثابت نہیں۔ جنازہ اور میت کا اطلاق جب مرد اور عورت دونوں پر صادق آتا ہے۔ تو خسرہ کی دعاؤں تفریق کی کیا ضرورت ہے۔ (سعیدی)

مُردہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ بچہ مرا ہوا پیدا ہو، تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے، یا نہیں، ایسے بچہ کو کفن دینا، غسل دینا چاہیئے، یا نہیں، ایسے بچہ کو قبرستان میں دفن کرنا چاہئے، یا قبرستان سے باہر دفن کرنا چاہیئے،

جواب: مشکوٰۃ میں ہے عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِي يَمْشِي خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا وَعَنْ يَمِينِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيبًا مِنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَيُدْعَى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ رواه ابوداود وفی روایۃ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ قال الراکب خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَفِي الْمَصَابِيحِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ زِيَادٍ مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ الخ

یعنی مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازہ کے پیچھے چلے، اور پیادہ کو اختیار ہے، خواہ پیچھے چلے آگے، یا دائیں یا بائیں نزدیک اور کچھ بچہ جو پورے دنوں سے پہلے گر جائے، اس پر نماز پڑھی جائے، اور اس کے والدین کے لئے بخشش و رحمت کی دعا کی جائے، اور ابوداؤد نے اسکو روایت کیا ہے، اور مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے، کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے، اور پیادہ جہاں چاہے، اور لڑکے پر نماز جنازہ پڑھی جائے یہ حدیث بظاہر عام معلوم ہوتی ہے، کہ بچہ خواہ زندہ پیدا ہو یا، مرا ہوا ہر صورت میں اس نماز پڑھی جائے، لیکن دوسری حدیث میں شرط آئی ہے، کہ آواز کرے، تو نماز جنازہ پڑھی جائے، جیتا بچہ

مشکوۃ کے اسی باب صفحہ ۱۴۰ میں ہے۔ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الطِّفْلُ لَا یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَلَا یَرِثُ وَلَا یُوْرَثُ حَتّٰی یَسْتَھِلَّ رواہ الترمذی و ابن ماجۃ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَا یُوْرَثُ۔

جابرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لڑکا جب تک آواز نہ کرے، نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، نہ وہ کسی کا وارث ہوگا، نہ اس کا کوئی وارث ہوگا۔ نیل الاوطار میں ہے۔ وَیَدُلُّ عَلٰی اِعْتِبَارِ الْاِسْتِھْلَالِ حَدِیْثُ جَابِرٍ عِنْدَ التِّرْمِذِیِّ وَالنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیِّ بِلَفْظِ اِذَا اسْتَھَلَّ السِّقْطُ صُلِّیَ عَلَیْہِ وَوَرِثَ نیل الاوطار صفحہ ۲۸ ج ۴ یعنی آواز کے شرط ہو۔ اس پر جابرؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے جس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کچا بچہ آواز کرے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اور وہ وارث بھی ہوگا۔

اس حدیث میں اسمٰعیل بن مسلم ایک راوی ضعیف ہے، لیکن اس کے ساتھ اور بہت سے شامل ہیں، چنانچہ تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۷ میں حافظ ابن حجرؒ نے اور نیل الاوطار صفحہ ۲۸۰ ج ۳ میں امام شوکانی نے بحوالہ ترمذی وغیرہ ذکر کیا ہے، اس لئے اس کا ضعف نقصان نہیں دیتا، اور اسی لئے حاکمؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری، مسلم کی شرط پر صحیح ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۷ میں کہا ہے کہ یہ حاکمؒ کا وہم ہے، کیونکہ اسمٰعیل بن مسلم کے ساتھ روایت کرنے میں اگرچہ اور بہت سے شامل ہیں، لیکن اسمٰعیل بن مسلم کا اُستاد ابو الزبیر مکی اس میں بخاری کی شرط پر نہیں، کیونکہ یہ تیسرے درجہ کا مدلس ہے، چنانچہ طبقات المدلسین کے صفحہ ۷ میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے، اور اس نے جابرؓ سے کلمہ عن کے ساتھ روایت کی ہے، یعنی عن جابر (روایت کرتا ہوں، میں جابر سے کہا ہے اور سَمِعْتُ جَابِرًا (سنا میں نے جابرؓ سے) نہیں کہا، اور مدلس جب عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ معتبر نہیں ہوتی، پس اس بنا پر یہ روایت معتبر نہ ہوئی، مگر بعض اور احادیث سے اس کی تاکید ہوتی ہے، اس لئے یہ لائق استدلال ہوگی، چنانچہ نیل الاوطار صفحہ ۲۷۹ ج ۳ اور تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۷ میں ہے، وفی الباب عن علی اخرجہ ابن عدی فی ترجمۃ عمرو بن خالد وھو متروک ومن حدیث ابن عباسؓ اخرجہ ابن عدیؒ من روایۃ شریک عن ابن اسحاق عن عطاء عنہ وقواہ ابن طاھر فی الذخیرۃ وقد ذکرہ البخاری من قول الزھری تعلیقا فی باب اذا استھل

الصبی فمات ھل یُصَلّٰی علیہ ووصلہ ابن ابی شیبۃ۔

یہ عبارت تلخیص الجبیر کی ہے، اور نیل الاوطار کی عبارت بھی اسی کے قریب ہے، ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، ابن عدی نے اس کو عمرو بن خالدؓ کے حالات میں ذکر کیا ہے، لیکن عمرو بن خالد متروک ہے، یعنی بہت ضعیف ہے، اور اس بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث بھی ہے، اس کو بھی ابن عدی نے شریک کی روایت سے اس نے ابن اسحاق سے اس نے عطا سے اس نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے، اور ابن طاہر نے ابن عباسؓ کی حدیث کو ذخیرہ میں قوی کہا ہے، اور بخاری نے بھی اس کو زہری کا قول بنا کر بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو باسناد ذکر کیا ہے، ان احادیث کے علاوہ بعض اور احادیث بھی ہیں۔ جن سے یہ مسئلہ پختہ ہوتا ہے، کہ بچہ آواز کرے، تو اس کا جنازہ پڑھایا جائے، چنانچہ نیل الاوطار کے صفحہ ۲۸۰ اور تلخیص الجبیر کے صفحہ ۲۵۰ میں ہے، وقد اخرج البزار عن ابن عمر مرفوعًا استهلال الصبی العطاس اسنادہٗ ضعیفٌ یعنی بچہ کی آواز چھینک ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو اگرچہ ضعیف کہا ہے، لیکن اوپر کی احادیث کو اس سے تقویت ہو گئی، کیونکہ ضعیف مل کر حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے، چنانچہ کتب اصول شرح نخبہ وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور چھینک سے مراد آواز کا ادنیٰ درجہ ہے، ورنہ کسی اور طرح آواز ہو وہ بھی کافی ہے، اور جمہور کا یہی مذہب ہے وہ کہتے ہیں جب بچہ آواز کرے، تو اس کا جنازہ پڑھا جائے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری کے صفحہ ۶۹۸ ج ۵ باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور نیل الاوطار مقام مذکور میں کہ مقصود آواز سے ترجیح، چھینک حرکت ہے، جس سے حیات معلوم ہو، اور صاحب نیل الاوطار کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی کہا ہے، کہ مقصود آواز سے علامت حیات ہے، آواز چونکہ اکثر اور واضح ہے س لئے اس کا ذکر کر دیا، پس جب کوئی ایسی علامت پائی جائے، جس سے بچہ کی حیات معلوم ہو تو اس کا جنازہ پڑھنا پڑھے گا، اور وہ وارث بھی ہوگا، پھر اس کی وراثت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، پس جب اس کا جنازہ بھی ہوا، اور وہ وارث بھی ہوا، تو باقی کفن دفن بھی اس کا بڑوں کی طرح ہونا چاہیئے اس میں کسی کو اختلاف نہیں، صرف سعید بن جبیر، عبداللہ بن عباس کے شاگرد کہتے ہیں کہ لڑکا جب تک بالغ

نہ ہو، اس وقت تک اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ جب تک بچہ نماز نہ پڑھے، اس وقت تک اس کی نماز جنازہ نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری صفحہ ۶۹۸ ج ۵ باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ میں یہ دونوں قول ذکر کئے ہیں، مگر یہ صریح احادیث کے خلاف ہیں، اوپر کی احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن سے بچوں کا جنازہ ثابت ہوتا ہے، مشکوۃ میں سعید بن مسیب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے ابوہریرہؓ کے پیچھے معصوم بچہ کی نماز جنازہ پڑھی، میں نے ان سے سنا کہ وہ اس کے حق میں عذاب قبر سے پناہ کی دعا کرتے الرحمۃ المہداۃ فصل رابع مشکوۃ صفحہ ۱۴۷ میں ہے عمار ہو لی حارث بن نوفل کہتے ہیں، میں ایک عورت اور اس کے بچے کے جنازہ کو حاضر ہوا، بچہ امام کے نزدیک رکھا گیا، اور عورت بچہ سے قبلہ کی جانب رکھی گئی، پس دونوں پر نماز جنازہ پڑھی گئی، اور لوگوں میں ابوسعیدؓ، ابن عباسؓ، ابوقتادہؓ، ابوہریرہؓ (یہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے،) میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس طرح متعدد میتوں کو آگے پیچھے رکھ کر اگر مردوں کے ساتھ عورت ہو تو اس کو مردوں کے آگے قبلہ کی جانب رکھ کر اکٹھے نماز جنازہ پڑھنا سنت ہے، یعنی ارشاد نبویؐ ہے، نسائی اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے، نیز الرحمۃ المہداۃ کے اسی صفحہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ارجمند ابراہیم جب فوت ہوئے، تو آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی، اور فرمایا ان کے لئے جنت میں دایہ دودھ پلانے والی ہے، یعنی یہ رضاعت کے دنوں میں فوت ہو گئے، اس لئے ان کی رضاعت جنت میں پوری کی جائے گی، اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے، اور ان کے ماموں یعنی قبطی لوگ آزاد ہو جاتے، اور آئندہ کو قبطی غلام نہ بنایا جاتا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے غرض اس قسم کی روائتیں بہت ہیں، جن میں بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، پس سعید بن جبیر کا قول اور اس کے ساتھ کا قول دونوں غلط ہیں، اور بعض کہتے ہیں، جب بچہ پیٹ میں چار ماہ کا ہو جائے۔ تو پھر خواہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جا ہئے، کیونکہ جب چار ماہ کے بعد بچہ میں جان پڑھ جاتی ہے، اس کے بعد اگر وہ مرا ہوا پیدا ہو تو وہ میت شمار ہوگا، پس اس کا غسل (نماز جنازہ وغیرہ) باقاعدہ ہونا چاہیئے، امام شافعی وغیرہ کا

یہی مذہب ہے، اور امام ابن تیمیہ مصنف منتقی نے اسی کو اختیار کیا ہے، کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، مگر ترجیح اسی کو ہے کہ جب زندہ باہر نکلے، تب نماز جنازہ وغیرہ ہونی چاہیئے، ورنہ نہیں، چنانچہ اوپر کی روایت سے واضح ہو چکا ہے، تفصیل، نیل الاوطار وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

حافظ محمد عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵۲)

تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین

(حضرت العلام حافظ عبد اللہ روپڑی)

سوال:۔ تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین کرنی چاہیئے، یا نہیں؟

جواب:۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد اما انا فاری ان الحدیث یدخل فیہ ھذا کلہ وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العین رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتہٰی۔ یعنی روایت کی گئی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اُٹھاتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیروں کو شامل ہے، اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ جنازہ میں اور ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کو اثرم نے روایت کیا ہے، اور صحابہؓ سے حضرت عمرؓ کے اس مسئلہ میں کوئی خلاف کرنے والا معلوم نہیں، حضرت عمرؓ کے اس فعل کو امام بیہقی نے بھی صفحہ ۲۹۳ ج ۴ میں روایت کیا ہے، لیکن اس میں ابن لہیعہ راوی ہے، جو ضعیف ہے اس سے ظاہر ہے کہ تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کرنی چاہیئے،

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)

سوال:۔ جنازہ بلند آواز سے پڑھنا شریعت محمدیہ میں جائز ہے یا نہیں؟

نماز جنازہ بلند آواز سے: **جواب:۔** جنازہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۱

میں حدیث ہے، عوف بن مالک نے بیان کیا صلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فحفظت من دعائہ وھو یقول اللھم اغفر لہ وارحمہ الخ۔
اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری آواز سے جنازہ پڑھا ہے۔ اس کا انکار حدیث کا انکار ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵)

یوسف ابراہیمی مدرس مدرسہ دارالعلوم امرتسر تنظیم محدث روپڑی

غائبانہ جنازہ

سوال:۔ نجاشیؓ کے سوا کسی اور شخص کا بھی جنازہ غائب پڑھا گیا ہے، اگر پڑھا گیا ہے، تو کس شخص کا کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں کئی صحابہؓ بھی تو دیگر ممالک میں فوت ہوئے تھے، تو ان کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا گیا؟۔

جواب:۔ جنازہ غائب کی بابت بہت اختلاف ہے حنفیہ وغیرہ کے علاوہ بہت اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں، نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں، کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کفار تھے، ظاہر یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ مدینہ میں پڑھا خطابیؒ نے اس کو اختیار کیا، اور رویانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، ابوداؤد نے اس پر باب باندھا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور محقق مقبلی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ابن ماجہ، مسند احمد طیالسی، ابن قانع، طبرانی، ضیاء مقدسی میں حذیفہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ یعنی تمہارا بھائی تمہاری غیر زمین میں مرگیا، اٹھو اس کی نماز جنازہ پڑھو، اس حدیث میں تمہاری غیر زمین میں مرنے کا ذکر اس طرف اشارہ ہے، کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں ہوا، اس لئے تم پڑھو، اور قوموا کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ فا تفریع کی ہے، یعنی غیر ملک مرنا یہ اس جنازہ کا سبب ہے

اسی بنا پر ہے کہ وہاں جنازہ نہیں ہوا۔ نجاشی کے واقعہ کے تین اور بھی جواب دیئے گئے ہیں،

(۱) ایک یہ کہ آپ کے لئے زمین لپیٹی گئی، یہاں تک کہ میت آپ کے سامنے ہو گی، یہ جواب ابن عربی نے مالکیہ سے نقل کیا ہے، مگر اس کا ثبوت کوئی نقل نہیں کیا،

(۲) دوسرا یہ جواب دیا گیا ہے کہ درمیان سے پردہ اٹھایا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میت سامنے نظر آ گئی، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے، شاید اس جواب کی بناء ابن عباسؓ کی اس روایت پر ہو جو واحدی نے اسباب النزول میں بلا سند ذکر کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلی علیہ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشیؓ کی چارپائی سے پردہ دور کیا گیا، یہاں تک کہ آپؐ نے اس کو دیکھا، اور جنازہ پڑھا[له]، ابن حبان نے بھی عمران بن حصینؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں فقاموا وصفوا خلفہ وھم لایظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ۔ یعنی صحابہؓ کھڑے ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھی اور وہ یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے، اور ابی عوانہ نے بھی بطریق ابان وغیرہ سے اس نے یحییٰ سے اس قسم کی ایک روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں فصلینا خلفہ ونحن لانری الا ان الجنازۃ قدامنا۔ یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جنازہ پڑھا، اور ہم یہی دیکھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے،

(۳) تیسرا جواب نجاشی کے واقعہ کا یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نجاشی کا خاصہ ہے، دلیل اس کی یہ

له ان تاویلات کا دروازہ کھولنے کی اس وقت ضرورت ہے، جب کہ پہلے غائبانہ جنازہ کی ممانعت پر کوئی نص تصریح موجود ہو، جب نص ہی موجود نہیں تو تاویلوں کی کیا ضرورت ہے، میت سامنے آئی یا نہ آئی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھائی، جب تک ممانعت ثابت نہ ہو، واقعہ نجاشی ہمارے لئے حجت ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی

ہے کہ نجاشیؓ کے سوا کسی اور کا جنازہ نہیں پڑھا، حالانکہ بہت سے صحابہؓ مختلف جگہ فوت ہوتے رہے، اگر جنازہ غائب عام طور پر جائز ہوتا تو کسی نہ کسی کا ضرور نقل ہوتا، لیکن اس پر اعتراض پڑتا ہے، کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ غائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، وہ مدینہ میں فوت ہوا، آپ اس وقت تبوک میں تھے، ابن عبد البر نے اس کو استیعاب میں ذکر کیا ہے، نیز ابن عبد البر نے ابوامامہ باہلی سے معاویہ مقرن کی بابت اور انسؓ سے معاویہ بن معاویہ مزنی کی بابت اس قسم کی روایتیں کی ہیں، پھر کہا ہے کہ ان سب کی سندیں قوی نہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی نجاشی کا خاصہ کہنے والوں پر اعتراض کیا ہے، کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ آپ نے پڑھا، اور مجموعہ طرق کے لحاظ سے اس واقعہ کو قوی بتایا ہے، اور ذہبیؒ کہتے ہیں، کہ صحابہؓ میں معاویہ بن معاویہ ہم کوئی شخص نہیں جانتے، اور ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ معاویہ بن معاویہ کے جنازہ کی روایت صحیح نہیں، اس کی اسناد میں علاء بن یزید راوی ہے، جس کی بابت ابن المدینی نے کہا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ غرض جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلافات ہیں، میری کسی طرف تسلی نہیں، اس لئے میں نہیں پڑھا کرتا، ہاں پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، کیونکہ معاملہ بین بین ہے، اس لئے جو جانب کسی کو راجح معلوم ہو اس پر عمل کر سکتا ہے اور جو کچھ میں نے تفصیل کی ہے یہ نیل الاوطار صفحہ ۲۸۵ ج ۲ میں موجود ہے، اور دیگر شروحات و متون میں بھی اس کی کافی تفصیل ہے، مگر خلاصہ سب کا یہی ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۵۵) | عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

متعدد مرتبہ جنازہ

سوال:۔ اہل حدیث کا معمول ہے کہ اکثر ایک جنازہ متعدد بار پڑھتے ہیں، اور احناف اس سے انکار کرتے ہیں، بلکہ دوسری مرتبہ جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں کسی شخص کا جنازہ دوسری دفعہ نہیں پڑھا گیا، اور حضورؐ کا جنازہ خلافت قائم ہونے کے بعد

حضرت ابو بکرؓ نے پڑھا دیا، پھر کسی نے نہیں پڑھا، پس یہ دوبارہ جنازہ پڑھنا بدعت ہے لہٰذا بتایا جائے کہ حضورؐ کے زمانہ میں کسی کا جنازہ دو یا تین مرتبہ سامنے رکھ کر پڑھا گیا ہو، جیسا کہ آج کل اہل حدیث کا معمول ہے کہ جو لوگ جنازہ سے رہ جاتے ہیں، وہ فوراً دوبارہ جنازہ پڑھ لیتے ہیں، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جنازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد بھی کسی نے پڑھایا ہے یا نہیں؟۔

جواب: مشکوٰۃ شریف میں ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَیْلًا فَقَالَ مَتٰی دُفِنَ هٰذَا قَالُوا الْبَارِحَۃَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالُوْا دَفَنَاهُ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ فَكَرِهْنَا اَنْ نُّوْقِظَكَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰی عَلَیْهِ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْ شَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَ عَنْهَا اَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَكَاَنَّهُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَهَا اَوْ اَمْرَهٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِهٖ فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃً عَلٰی اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِیْ عَلَیْهِمْ (متفق علیہ) ولفظہ لمسلم مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ۔

یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک میت کی قبر کے پاس سے گذرے جو رات کو دفن کی گئی، آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ شخص کب دفن کیا گیا، صحابہؓ نے کہا آج رات، فرمایا مجھے کیوں نہ خبر دی، صحابہؓ نے کہا ہم نے اس کو اندھیرے میں دفن کیا آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، پس آپ کھڑے ہوئے، اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھی، پس اس پر نماز پڑھی، اور ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے، ایک حبشیہ یا جوان مرد جو مسجد کو جھاڑو دیتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا، تو آپؐ نے اس کی بابت پوچھا، لوگوں نے کہا کہ وہ مرگیا ہے، فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہ دی، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ، انہوں نے قبر بتائی، تو آپؐ قبر پہ جاکر نماز جنازہ ادا کی، پھر فرمایا کہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں، میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے، اس قسم کی

کئی روایتیں آئی ہیں، جن میں قبر پر نماز جنازہ کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں مہینہ کی مدت بھی آئی ہے، یعنی ایک ماہ بعد قبر پر جنازہ پڑھا (منتقی فتح الباری جلد ۵) پس جب قبر پر نماز جنازہ ثابت ہوگیا، تو جب میت قبر سے باہر ہو اس وقت بطریق اولیٰ ثابت ہوگیا، بعض لوگ کہتے ہیں، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، اور دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کی قبروں میں نور کر دیتا ہے، مگر یہ ان لوگوں کی ڈبل غلطی ہے، یہ تو ایسا ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس آدمی توحید والے شریک ہوجائیں، خدا ان کی سفارش ان کے حق میں قبول کرے گا (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ) تو کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ چالیس سے کم جنازہ نہ پڑھیں، نیز زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان کے مالوں سے صدقہ لے تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ تاکہ اس صدقہ کے ذریعہ تو ان کا ظاہر و باطن پاک کرے، اور ان کے لئے دعا کر بیشک تیری دعا ان کے لئے تسلی ہے، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے، کہ زکوٰۃ لینا آپ ہی کا خاصہ ہے، کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے تسلی ہے، کسی اور کی نہیں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے، انہوں نے بھی یہی آیت پیش کرکے کہا تھا کہ زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک تھا، اب نہیں اس پر حضرت ابوبکرؓ نے تلوار اٹھائی سوا اس قسم کے دلائل سے خاصہ ثابت نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ کوئی واضح دلیل چاہیے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہؓ نے بھی نماز جنازہ پڑھی، اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں بلکہ عام ہے، اب رہا یہ استدلال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد کسی نے نہیں پڑھا، اوّل تو نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوبارہ جنازہ جائز نہیں، کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے، جب کچھ لوگ پڑھ لیں تو فرض ذمہ سے اتر گیا، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوبارہ منع ہے، جب مذکورہ بالا روایتوں سے دوبارہ ثابت ہوگیا، تو جو پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے،

دوسرے حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ پڑھانے کی روایت قابل استدلال نہیں، کیونکہ یہ روایت صحت کو نہیں پہنچی، نیل الاوطار میں ہے، کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں امام کون بنایا گیا، پس کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امام تھے، یہ روایت ایسی سند سے مروی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں، اور اس کی اسناد میں ایک راوی حرام ہے، جو بہت ضعیف ہے، اور ابن دحیہ کہتے ہیں، یہ روایت قطعاً باطل ہے، کیونکہ اس کے راوی ضعیف ہیں، اور اسناد بھی منقطع ہے، یعنی اسناد میں راوی گرا ہوا ہے، نیز دحیہ نے کہا ہے کہ بات صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھی، امام شافعیؒ نے یہی فیصلہ کیا ہے، یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امام نہ بننے کی وجہ آپ کی عظمت اور بزرگی ہے، نیز ہر ایک اس چیز کی رغبت رکھتا تھا اس لئے کسی ایک کو امام نہیں بنایا گیا، دحیہ کہتے ہیں، کہ آپ پر تیس ہزار اشخاص نے نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ آپ پر کسی نے امامت نہیں کرائی، منتقی میں ہے عن ابن عباسؓ قال دخل الناس علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارسالا یصلون علیہ حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء حتی اذا فرغن ادخلوا الصبیان ولم یوم الناس علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احد رواہ ابن ماجۃ یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر لوگ تھوڑے تھوڑے داخل ہوتے، اور نماز پڑھتے، جب مرد فارغ ہو گئے، تو انہوں نے عورتوں کو داخل کیا، جب عورتیں فارغ ہو گئیں، تو لڑکوں کو داخل کیا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کسی نے امامت نہیں کرائی، اس حدیث کو بیہقیؒ نے بھی روایت کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے، کیونکہ اس میں حسین بن عبد اللہ بن ضمیر راوی ضعیف ہے، نیل الاوطار میں ہے کہ اس بارہ میں مسند احمد میں بھی روایت ہے، ابی عسیب کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کو حاضر ہوا، (آخر وقت) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر نماز جنازہ کس طرح پڑھیں، فرمایا تھوڑے تھوڑے داخل ہوں۔ اسی طرح تلخیص میں ہے، بزار اور ابن عباسؓ سے طبرانی میں بھی اسی طرح مروی ہے، اس کی اسناد میں عبد المنعم بن ادریس

ایک راوی ہے، جو کذاب ہے، اور بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مستدرک حاکم میں کمزور اسناد کے ساتھ، اور نبیط بن شریط سے بیہقی میں بھی (اسی طرح) مروی ہے، اور امام مالکؒ نے اس کو بصیغہ بلغنی (مجھے پہنچا) ذکر کیا ہے، شمائل ترمذی میں ہے، قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا وکیف قال یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس (باب ما جاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو کہا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، فرمایا ہاں لوگوں نے کہا کس طرح، فرمایا ایک قوم داخل ہو کر تکبیر کہیں نماز پڑھیں، دعا کریں پھر نکل جائیں، یہاں تک کہ اس طرح سارے لوگ داخل ہوں،

ملا علی قاری فرماتے ہیں، آپ پر کوئی امامت نہ کرائے، کیونکہ آپ حین حیات اور حین ممات دونوں حالتوں میں امام ہیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وصیت کی، اور اسی وجہ سے کہ آپ کے دفن میں تاخیر ہوئی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نماز جنازہ جائز نہیں، تاکہ یہ سلسلہ جاری ہو کر آپ کی پوجا تک نوبت نہ پہنچ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے متفرق طور سے آپ پر فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ کے اہل بیت نے پھر متفرق طور پر لوگوں نے پھر آخیر میں، امہات المومنین نے، شرح مواہب میں خصائص کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی اوپر کی روایتیں ذکر کر کے بعد لکھتے ہیں فکان الناس یدخل رسلاً فرسلاً فیصلون صفاً صفاً لیس لھم امام رواہ ابن سعد۔

یعنی تھوڑے تھوڑے لوگ آپ پر داخل ہوتے، پس قطار باندھ کر بغیر امام کے نماز پڑھتے، روایت کیا اس کو ابن سعد نے۔

شیخ عبدالرؤف مناوی شرح شمائل میں لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے، یعنی حاکم نے مستدرک میں اور بزار نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اہل کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع کیا، تو اہل نے کہا آپ پر کون جنازہ پڑھے گا، تو فرمایا جب تم مجھے غسل

دے کر میری چارپائی پر رکھو، تو اندر سے نکل جاؤ، کیونکہ پہلے مجھ پر جبرائیل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل علیہ السلام پھر اسرافیل علیہ السلام پھر ملک الموت (عزرائیل) پھر تم فوج فوج داخل ہو کر نماز پڑھو، اور سلام بھیجو۔ اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں صرف عبدالملک مجہول ہے، اس قسم کی روائتیں بے شمار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے جنازہ کا امامت نہیں ہوئی بلکہ ویسے ہی تھوڑے تھوڑے داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہے، ان کا کوئی امام نہیں تھا، اگرچہ بعض روایتوں میں کچھ ضعف ہے، مگر کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ سکتی ہیں، بلکہ شمائل ترمذی حدیث اکیلی ہی حسن کے درجہ کی ہے، اور شرح مواہب میں ابن کثیر سے نقل کیا ہے، ھذا امر مجمع علیہ یعنی اس پر اجماع ہے، پس جب اجماع ہوا تو کوئی شبہ نہ رہا۔

نیل الاوطار کے صفحہ ج۲ میں ابن عبدالبر سے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے، اگرچہ نیل الاوطار میں اس کے بعد ابن دحیہ کا اس پر اعتراض نقل کیا ہے، کہ ابن عبدالبر کا اس کو اجماع کہنا صحیح نہیں، کیونکہ ابن القصار نے اس پر اختلاف ذکر کیا ہے، کہ آپؐ پر نماز جنازہ پڑھی گئی، یا صرف دعا کی گئی، پھر اکیلے اکیلے پڑھی گئی، یا با جماعت لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اختلاف اقل قلیل ہے، قریباً سارے مؤرخین نے آپ پر نماز جنازہ نقل کی ہے، نہ فقط دعا، اور نماز جنازہ بھی اکیلے اکیلے بغیر امام کے اور اوپر کی روایات سے بھی نماز جنازہ ہی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ تکبیر کا ذکر ہے، اور لوگوں کا حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کرنا أيصلى على رسول الله صلى الله عليه وسلم کیا آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے، اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ہی مراد ہے، کیونکہ ویسے تو التحیات وغیرہ میں ہمیشہ آپؐ پر درود پڑھا جاتا ہے، یہ کوئی شبہ کی شئی نہیں، شبہ جنازہ میں ہی ہو سکتا ہے، جیسے آپؐ کے ننگا کر کے غسل دینے میں، اور آپؐ کے مقام دفن میں شبہ ہوا، اسی طرح جنازہ میں شبہ ہوا، آخر غسل آپ کو کپڑوں سمیت دیا گیا، اور دفن آپؐ وہیں ہوئے، اور جنازہ اکیلے اکیلے پڑھا گیا،

اوپر کی روایات اور سب مؤرخین کا اتفاق یہ دونوں مل کر اس بات کا کافی ثبوت ہے، اول

تواد پر کی روایات ہی کافی تھیں، لیکن مورخین کا قریباً اتفاق ان کا موید ہوگیا، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ سے اس بات پر استدلال کرنا کہ متعدد جنازہ جائز نہیں یہ بالکل غلط ہے، بلکہ اس واقعہ سے متعدد جنازہ ثابت ہوتے ہیں، اور اسی واسطے ابن حجرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کو متعدد جنازہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے، چنانچہ شرح شمائل صفحہ مذکور میں ملا علی قاری لکھتے ہیں، قال ابن حجر فیہ ان تکریر الصلوۃ علے المیت لا باس بہا یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ میت پر متعدد جنازہ کا کوئی حرج نہیں، اگرچہ اس کے بعد ملا علی قاری نے کہا ہے، کہ یہ آپ کا خاصہ ہے، کیونکہ باوجود جماعت ہو سکنے کے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ نے جماعت کی اجازت نہیں دی، اور اکیلے اکیلے پڑھنے کا ارشاد فرمایا، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخیر وقت اس کی وصیت فرمائی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ خاصہ ہے،

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ ص ۴۶۱) | حافظ محمد عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

مسجد میں نماز جنازہ

سوال:۔ کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا حنفیہ منع کہتے ہیں، اہل حدیث کے نزدیک جائز ہے۔ راجح یہی ہے، کیونکہ سہیلؓ اور سہیلؓ کا جنازہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پڑھا ہے، اور کوئی صحیح روایت اس کے خلاف نہیں آئی، دعون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۳)

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑ جلد ۲ ص ۴۶۶) | عبداللہ امرتسری از روپڑ

سوال:۔ نماز جنازہ غائبانہ کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے، نماز جنازہ کی ترکیب اور اس میں کیا کیا پڑھنا چاہیے، نماز جنازہ بآواز (جہری) بہتر ہے، یا سری اور مخفی پڑھنا۔ مدلل و بحوالہ جواب سے محظوظ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں،

جواب :۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ اپنے دیس میں فوت ہو گیا، اس کی وفات کی خبر جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں دی، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھو، پھر سب کو ساتھ لے کر میدان عیدگاہ تشریف لے گئے، اور چار تکبیروں سے جنازہ غائبانہ پڑھا، یہ ظاہر ہے کہ اصحمہ حبشہ میں فوت ہوا، اس کی میت وہیں تھی، اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نماز جنازہ پڑھی، حبشہ اور مدینہ میں سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے، اس حدیث سے میت کیلئے نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا سنت ثابت ہوئی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس کام کو ایک دفعہ کریں، وہ امت کے واسطے قیامت تک سنت ہو جاتی ہے، ہاں اگر آپ صاف فرما دیں کہ یہ کام میرے لئے خاص ہے، تم نہ کرنا تو اور بات ہے، اس جگہ آپ نے تخصیص نہیں فرمائی، فرض کرو کہ آپ کے لئے جنازہ غائبانہ مخصوص تھا، تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کیسے پڑھی، حنفیہ چونکہ جنازہ غائبانہ کے قائل نہیں ہیں، اس لئے حدیث کی بیجا تاویل کرتے ہیں، نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کے ادلہ نیل الاوطار وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں ونیز احناف نے جو بیجا تاویلات کی ہیں، ان کا بھی اچھی طرح قلع قمع کر دیا ہے، فی زمانہ بعض علمائے اہلحدیث باوجودیکہ وہ امور مسنونہ میں بے حد اپنے کو متشدد کہتے ہیں، نماز جنازہ غائبانہ کے منکر ہو گئے ہیں اور انہیں تاویلات بیجا کے درپے ہیں جن کو احناف ان سے پہلے کر چکے ہیں، (افسوس) نماز جنازہ میں قرأۃ بالجہر صحیح حدیث سے ثابت صحیح بخاری میں مختصراً اور نسائی اور منتقی الاخبار میں قدرے تفصیل سے ایک روائیت حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتٰب وسورۃ وجہر فلما فرغ قال سنۃ وحق۔ یعنی حضرت ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی، اس میں سورہ فاتحہ اور سورت جہر سے پڑھی، اور کہا یہ حق اور سنت ہے، اس سے جنازہ کی نماز میں قرأۃ بالجہر ثابت ہوئی، ونیز اگر کوئی قرأۃ بالسر کرے، تو اس کا ثبوت بھی ہے، چنانچہ تلخیص الحبیر میں ہے، السنۃ علے الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ القرآن فی نفسہ الحدیث لہذا جہر اور سر دونوں جائز ہیں، فتاویٰ نذیریہ میں دونوں کو جائز کہا ہے، لہذا پہلی تکبیر کے بعد قرأۃ ہونی چاہیے

اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھنی چاہیئے، یہ ترتیب ...
حدیث میں مذکور ہے، جو لوگ جنازہ میں جہر کو منع کرتے ہیں اور اس پر لڑتے جھگڑتے ہیں
وہ جہالت پر ہیں، (الارشاد جدید کراچی جلد ۹ ش ۱۷)

مولانا محمد یونس قریشی دہلوی

باب القرآۃ علی الجنازۃ

سوال۔ نماز جنازہ میں بعد تکبیر اولےٰ کے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں۔

جواب۔ حسن شرنبلالی نے ص۲۰۳ حاشیہ درر میں لکھا ہے قولہ لا قرأۃ فیہا
وقال فی الولوالجیۃ[1] ان قرأ الفاتحۃ بنیۃ الدعاء لا بأس بہ، وان قرأ
بنیۃ القرأۃ لا یجوز اہ اقول نفی الجواز فیہ تامل لانا رأینا فی کثیر من مواضع الخ
استحباب رعایتہ کاعادۃ الوضوء من مس الذکر والمرأۃ فیکون رعایت صحۃ
الصلوۃ بقرأۃ الفاتحۃ علی قصد القرآن کذلک بل اولی لان الامام الشافعی
یفرضہا فی الجنازۃ فتامل۔ عمدۃ الرعایۃ میں ہے قولہ خلافا[2] للشافعی فان عنـ
یقرأ الفاتحۃ بعد التکبیرۃ الاولیٰ وھو الاقوی دلیلا وھو الذی اختار
الشرنبلالی من اصحابنا والف فیہ رسالۃ۔ اور تعلیق الممجد میں ہے قالوا لو قرأ ھـ

[1] والوالجیہ میں لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ بہ نیت دعا کے پڑھنے میں مضائقہ نہیں، اور اگر اس کو پڑھے گا، بہ نیت قرأۃ کے جائز نہ ہوگا۔ الخ۔ میں کہتا ہوں کہ جواز کی نفی میں تامل ہے، ہم خلاف کے بہت سے مقامات میں خلاف کی رعایت کو مستحب دیکھا ہے، جیسا کہ اعادۂ وضو ذکر اور عورت کے چھوتے سے بس رعایت صحت نماز کی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں اوپر قصد قرآن کے اسی طرح ہو بلکہ بہتر ہوگا، اس لئے کہ امام شافعی فرض کہتے ہیں، سورہ فاتحہ پڑھنے کو نماز جنازہ میں پس تامل کر۔ ۱۲۔

[2] یہ خلاف امام شافعی کے اس واسطے کہ پڑھنا چاہیئے، سورہ فاتحہ ان کے نزدیک بعد تکبیر اولیٰ کے اد...

بنیۃ الدعاء لاباس بہ ویحتمل ان یکون نفیا للزومہ فلا یکون فیہ نفی الجواز والیہ مال حسن الشرنبلالی من متاخری اصحابنا حیث صنّف رسالۃ سماھا بالنظم المستطاب بحکم القرأۃ فی صلوۃ الجنازۃ بام الکتاب وردفیھا علی من ذکر الکراھۃ بلادلائل شافیۃ وھذا ھو الاولیٰ لثبوت ذلک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ الخ

قاضی محمد ثناء اللہ حنفی مجددی پانی پتی اپنے وصیت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں، و بعد تکبیراولی سورۃ فاتحہ ہم خوانند و بعد مردن من رسوم دینوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسی ہیچ نکنند آہ (فتاویٰ مفید الاحناف صفحہ ۱۶)

سوال:۔ سورہ فاتحہ نماز جنازہ میں بھی اور نماز وں کی طرح فرض ہے یا نہ حدیث لَاصَلٰوۃَ اِلَّابِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے عموم میں تو نماز جنازہ بھی شامل ہے، جو لوگ سورہ فاتحہ کو نماز جنازہ میں فرض نہیں کہتے، ان کے پاس تخصیص کی کیا دلیل ہے،

جواب:۔ حدیث صحیح لَاصَلٰوۃَ اِلَّابِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ[۱] کے عموم سے اور حدیث ابن ماجہ سے جوام شریک سے مروی ہے، اَمَرَنَا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علے الجنازۃ بفاتحۃ الکتب[۲] نماز جنازہ میں فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہما کا بھی یہی مذہب ہے، اور قول راجح بھی یہی ہے، بعض اہل علم قرأت فاتحہ کو نماز جنازہ میں

قوی تر ہے۔ از روئے دلیل کے اور یہ وہ ہی ہے جس کو اختیار کیا ہے، شرنبلالی نے ہمارے اصحاب سے اور تالیف کیا ہے، رسالہ ۱۲ ۔ (رسالہ) کہا فقہا نے اگرچہ پڑھا سورہ فاتحہ کو بہ نیت دعا کے تو مضائقہ نہیں، اور احتمال رکھتا ہے کہ واسطے لزوم اس کے پس نہ ہوگی، اس میں نفی جواز کی اور اس کی طرف میلان کیا ہے، حسن شرنبلالی نے متاخرین اصحاب ہمارے سے چنانچہ تصنیف کیا، شرنبلالی نے ایک رسالہ نام رکھا، اس کا نظم المستطاب لحکم القرأۃ فی صلوٰۃ الجنازہ بام الکتاب اور رد کیا ہے، اس میں شخص پر جس نے ذکر کیا ہے کراہت کو ساتھ دلیلوں شافی کے اور یہ بہتر ہے، واسطے ثابت ہونے اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہ سے ۱۲ ۔ [۱] سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲۔ [۲] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ۱۲۔ عبدالودود عفی عنہ

سنت جانتے ہیں، اور دلیل ان کی ابن عباس کا قول ہے، جو صحیح بخاری میں ہے، عن طلحۃ بن عبید اللہ قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب قال لتعلموا أنھا سنۃ وعبد الرزاق والنسائی عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف قال السنۃ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ ان یکبر ثم یقرأ بام القرآن ثم یصلی علی النبی ثم یخلص الدعاء للمیت ولا یقرأ الا فی الاولیٰ قال الحافظ اسنادہ صحیح۔ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جنازہ میں قرات نہیں، عینی شرح صحیح بخاری میں ہے، ونقل[ؔ] عن ابی ھریرۃ وابن عمر لیس فیھا قرأۃ وھو قول مالکؒ والکوفیین وقال ابن بطال وممن کان لا یقرأ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ وینکر عمر بن الخطابؓ علی ابن ابی طالب وابن عمرؓ ابو ھریرۃ ومن التابعین عطاء وطاؤس سعید بن المسیب وابن سیرین وسعید بن جبیر والشعبی والحاکم وقال مالک قرأۃ الفاتحۃ لیست معمولاً بھا فی بلدنا فی صلوٰۃ الجنازۃ، مگر ان روایات کی صحت وثبوت بالسند مشکل ہے

(فتاویٰ غزنویہ ص ۱۰۱) | حررہ عبد الجبار الغزنوی عفی عنہ

سوال:۔ نماز جنازہ میں قرأۃ بالجہر ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نماز جنازہ میں قرات بالجہر ثابت ہے، ابوداؤد اور ترمذی ونسائی میں ابن عباس سے مروی ہے۔ انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انھا سنۃ۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر فلما فرغ قال سنۃ وحق یعنی ابن عباس نے ایک جنازہ پر نماز ادا فرمائی، اس میں سورہ فاتحہ اور سورت جہر

ؔ ابو ہریرۃ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے، کہ نماز جنازہ میں قرات نہیں، امام مالک اور کوفیوں کا بھی یہی قول ہے، اور ابن بطال نے کہا کہ عمر بن خطابؓ اور علیؓ بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عمرؓ اور ابو ہریرۃ اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس اور سعید بن مسیب، اور محمد بن سیرینؒ اور سعید بن جبیر اور شعبی اور حکم یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں، جو نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں پڑھتے، اور انکار کرتے ہیں، اور امام مالکؒ نے کہا کہ سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا، ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں اس پر عمل نہیں، ۱۲۔ علوی۔

سے پڑھی، بعد فراغ فرمایا یہ سنت اور حق ہے، دوسری روایت سے جو کہ ابوامامہ بن سہل سے مسند شافعی میں مروی ہے، سِراً پڑھنا ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ عبدالجبار عمرپوری۔ فتاویٰ عمرپوری صـ۱۔ الجواب صحیح والقرأة بالجہر نجیح الراقم علی محمد سعیدی

سوال:۔ جنازہ کی نماز میں امام اور مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیئے، یا نہیں، اگر سورہ نہ پڑھی گئی، تو نماز جنازہ ہو جائے گی، یا نہیں؟۔

جواب:۔ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ پڑھ کر امام اور مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ عام ہے، جو کہ ہر نماز کو شامل ہے، اگر امام یا مقتدی نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوگی، امام نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بالجہر بھی پڑھ سکتا ہے، ملاحظہ ہو نسائی شریف جلد ۱۔ (اہل حدیث گزٹ جلد ۸ شمارہ ۱۷)

مولانا محمد یونس دہلوی

سوال:۔ نماز جنازہ کچھ لوگ بالسر پڑھتے ہیں، اور اس کو صحیح قرار دیتے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جنازہ بالجہر کے بارہ میں کیا فرمایا گیا ہے،

جواب:۔ احادیث کے الفاظ ومعانی سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ بالجہر پڑھی ہے، سورہ فاتحہ بھی اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی، اور تیسری تکبیر میں دعا بھی، منتقی الاخبار میں ہے، عن ابن عباس انہ صلے علے جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی وقال فیہ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجہر فلما فرغ قال سنۃ وحق ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھائی، اور فرمایا کہ میں نے سورہ فاتحہ بلند آواز سے اس لئے پڑھی ہے،

کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ یہ سنت ہے، یہ بخاری اور ابوداؤد میں روایت ہے، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، یہ روایت نسائی میں ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی، ایک سورۃ اور پڑھی، اور یہ سب کچھ بلند آواز سے پڑھا، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے، یاد رہے، سنت سے مراد سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے، نیل الاوطار میں ہے، فیہ دلیل علی الجہر فی قرأۃ صلوٰۃ الجنازۃ یعنی یہ نماز جنازہ کے جہری پڑھنے کی دلیل ہے، اسی طرح صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ہے، عن عوف بن مالک قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ یقول اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ الحدیث جنازہ کی ایک طویل دعا ذکر کر کے حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں، فتمنیت ان لوکنت انا المیت لدعاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لذلک المیت۔ یعنی جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی، کہ کاش یہ میت میں ہوتا، صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے فحفظت من دعائہ یعنی میں نے جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سن کر حفظ کرلی، ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بلند آواز سے پڑھی، جب ہی تو صحابی نے سنی اور حفظ کی، اس پر امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں، ذلک یدل علی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جہر بالدعاء کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے نماز جنازہ میں دعا جہر پڑھی، نیز، فرماتے ہیں،

سنن ابی داؤد میں ہے، فیہ اشارۃ الی الجہر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ سنن ابی داؤد میں ہے، عن واثلۃ بن الاسقع قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللّٰھم ان فلان بن فلان فی ذمتک الحدیث یعنی واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرد مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ نے یہ دعا پڑھی، اللّٰھم ان فلان بن فلان فی ذمتک۔ آخر تک ابوداؤد ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فقال اللّٰھم اغفر لحیّنا الحدیث کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھایا، اور اس میں یہ پڑھی، اللّٰھمّ اغفر لحیّنا آخر تک،

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں ،صلیت وراء ابی ھریرۃ علی صبی لم یعمل خطیئۃ قط فسمعتہ یقول اللھم اعذہ من عذاب القبر یعنی میں نے حضرت ابوہریرۃؓ کی امامت میں ایک معصوم بچے کا جنازہ پڑھا، اور میں نے ان سے سنا، انہوں نے جنازہ میں اللھم اعذہ من عذاب القبر پڑھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ اور دعا جنازہ بلند آواز سے پڑھی، اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بلند آواز سے جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔

حافظ ریاض احمد اندرون موچی دروازہ لاہور

سوال :- میت کو جب گھر سے قبرستان لے جائیں، تو سر آگے ہونا چاہیئے، یا پیر اور جب میت کو قبر میں اتاریں، تو قبلہ رُخ کی طرف سے اتاریں، یا میت کو قبر کی پائینتی کی جانب سے قبر میں اتاریں ؟

جواب :- میت کا لے جانا تعامل مسلمین سے اس طرح ہے کہ میت کا سر آگے ہوتا ہے، اور پاؤں پیچھے، کیونکہ غیر مسلم ہنود وغیرہ اس کے خلاف کرتے ہیں، وہ میت کو لے جاتے وقت پیر آگے کرتے ہیں، اور سر پیچھے، اور ایک حدیث سے بھی اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے، جس میں ہے، قَدِّمُوْنِیْ قَدِّمُوْنِیْ یعنی میت کہتا ہے کہ مجھ کو لے جاؤ، آگے، اس سے بھی میت کی توجہ اور اقبال سمجھا جاتا ہے، اور اقبال مستلزم ہے، سر کی جانب کو کیونکہ اقبال جسم کے اوپر کے حصے سے ہوتا ہے، دوسرے سر انسان کا اعلیٰ حصہ ہے اس کو آگے ہی کرنا زیبا ہے، تیسرے وقت پیدائش بھی انسان اکثر سر کے بل ہی پیدا ہوتا ہے، پس وقت وفات بھی اس کو سر کی طرف سے ہی گورستان لے جانا چاہیئے۔ ہاں اس کے متعلق کوئی نص میری نظر سے نہیں گزری جس کسی اہل علم کو معلوم ہو تو مطلع فرمائیں، (الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۲)

شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمۃ اللہ

سوال :۔ اگر جنازہ کی پوری نماز نہ ملے، یعنی ایک تکبیر ملی، اور شروع کی دو تین تکبیریں چھوٹ گئیں، تو جنازہ کی نماز کس طرح پوری کرے،

جواب :۔ جس طرح امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی نمازوں کو سلام پھیرنے کے بعد پوری کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُّوْا (مشکوٰۃ) امام کے ساتھ جو پاؤ ان کو پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے، اس کو بعد میں ادا کر لو،

یہ حکم سب نمازوں کے لئے ہے، اس میں جنازہ کی نماز بھی شامل ہے، موطا امام مالک میں ہے، کہ امام مالک نے امام زہری سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص جنازہ کی نماز کی بعض تکبیروں کو پائے، اور بعض کو نہ پائے، تو کیا کرے، تو زہری نے یہ جواب دیا کہ فوت شدہ تکبیروں کو بعد میں ادا کرے۔ (الاعتصام جلد ۲۱ ش ۲)

(شیخ الحدیث مولانا عبد السلام بستوی دہلوی رحمۃ اللہ)

سوال :۔ بے نمازی اور فاسق و فاجر کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی، یا نہیں؟

جواب :۔ پڑھی جائے گی، لیکن عالم باعمل نہ پڑھائے، بلکہ دوسروں سے کہہ دے، کہ وہ پڑھا دیں اور لوگ اس کے پیچھے پڑھ لیں،

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص خیبر میں مر گیا، اور اس کے مرنے کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس پر جنازہ کی نماز پڑھ لو۔ آپ کے اس فرمانے سے لوگوں کے چہرے کی حالت متغیر ہو گئے، جب آپ نے لوگوں کے چہروں کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس شخص نے اللہ کی راہ میں چوری کی ہے، یعنی مال غنیمت سے چوری کی ہے، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے کو تیر کے پھل سے ہلاک کر ڈالا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، (مسلم) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاسق و بدکار مسلمان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھنا چاہیے چنانچہ یہی مذہب ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز اور اوزاعی وغیرہما کا، مگر امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ فاسق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ اور حضرت جابر

کی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود نماز نہیں پڑھی تھی، لوگوں کی عبرت اور تنبیہ کے لئے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نسائی کی روایت میں آیا ہے، لیکن میں اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھوں گا، اور فاسق کے جنازہ کی نماز پڑھنے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے صَلُّوْا عَلٰی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس پر جنازہ کی نماز پڑھو، (کذا فی النیل جلد ۳ ص ۲۸۱)

شیخ الحدیث مولانا عبد السلام بستوی دہلوی

سوال:۔ نماز جنازہ میں درود شریف کا پڑھنا فرض ہے، یا نہیں آیا درود شریف نہ پڑھنے سے نماز جنازہ ہو جاتی ہے، یا نہیں، اگر نہیں ہوتی تو کسی معتبر حدیث کی کتاب کا حوالہ دیا جائے

جواب:۔ جنازہ کی نماز میں درود شریف پڑھنے کا ذکر حدیث شریف سے ثابت ہے جس کے صحابہ کرامؓ بھی قائل و فاعل تھے،

(الف) امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ جلد ۴ ص ۴۲ میں باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الجنازۃ کے تحت حضرت ابوامامہؓ کی یہ حدیث ذکر کی ہے، اخرجہ رجال من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ علے الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یصلے علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم (الحدیث) یہی روایت امام بیہقیؒ نے باب القراۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ، میں حضرت امام شافعیؒ کی سند سے ذکر فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، ان السنۃ فی الصلوٰۃ علے الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بعد التکبیرۃ الاولیٰ سراً فی نفسہ ثم یصلے علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم الحدیث منتقی ابن الجارود ص ۲۶۵ طبع ہند میں اسی روایت کے الفاظ یہ ہیں، السنۃ فی الصلوٰۃ علے الجنازۃ ان یکبر ثم یقرأ بام القرآن ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء للمیت ولا یقرأ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ۔

اس آخری روایت کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ التلخیص الحبیر ص ۱۶۱ طبع دہلی میں لکھتے ہیں، رجال ھذا الاسناد مخرج لھم فی الصحیحین نیز حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، اسنادہ صحیح (فتح الباری

صفحہ ج ۱ ۶۹۰ امام حاکمؒ اور حافظ ذہبیؒ بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، (مستدرک صفحہ ج ۱ ۳۶۰) حافظ ابن القیمؒ جلاء الافہام صفحہ ۳۰۶ میں فرماتے ہیں، والبوامامہ صحابی صغیر رواہ عن صحابی آخر کما ذکر الشافعیؒ۔

(ب)۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے صراحت کے ساتھ نماز جنازہ میں درود شریف کا ذکر کیا ہے، مثلاً حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو نماز جنازہ کی کیفیت میں درود شریف کا پڑھنا بھی بتلایا (سنن بیہقی صفحہ ج ۴ ۴۱ وزاد المعاد صفحہ ج ۱ ۱۴۱ وغیرہ)، یہی معمول حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا تھا (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ج ۳ ۲۹۵ طبع ہند حیدرآباد دکن)، حضرت ابوہریرہؓ کا معمول مؤطا امام مالک کے نسخہ یحییٰ ابن بکیر میں بھی ہے، جلاء الافہام صفحہ ۲۰۲ ایسے ہی عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے (کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسمٰعیل القاضی ص ۳۸ طبع دمشق۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع للحافظ السخاوی ص ۱۵۳ وجلاء الافہام ص ۳۰۳ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے قال کذا ینبغی ان یکون الصلوٰۃ علی الجنازۃ (مغنی ابن قدامہ ج ۲ ص ۳۷۰) یعنی نماز جنازہ ایسے ہی ہونی چاہیئے، تابعین کے آثار بھی اس بارے میں مروی ہیں جو کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم از قاضی اسمٰعیل اور القول البدیع وغیرہ میں موجود ہیں،

(ج) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کے مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں الموطن الرابع من مواطن الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الجنازۃ بعد التکبیرۃ الثانیۃ لاخلاف فی مشروعیتہا الخ (جلاء الافہام ص ۳۰۱) حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں، نماز جنازہ میں درود کے وجوب، عدم وجوب میں اختلاف ہے، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک (ان کے مشہور مذہب کی بنا پر) امام ومقتدی دونوں کے لئے ضروری ہے نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی، واختلف فی توقف الصلوٰۃ علیہا فقال الشافعیؒ واحمدؒ فی المشہور من مذہبہما انہا واجبۃ فی الصلوٰۃ یعنی علی الامام والمأموم لا یصح الا بہا وھو

مروی عن جماعۃ من الصحابۃ ۔ وقال مالک رحمہ اللہ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ لیس بواجبۃ انتہی ملخصاً (القول البدیع صفحہ ۱۵۱) حافظ ابن حزم بھی اس کی مشروعیت کے قائل ہیں ۔ (المحلی) البتہ امام مالکؒ وابو حنیفہؒ کے ہاں واجب نہیں ۔ حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد صفحہ ۱۴۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں ، وذکر ابو امامۃ بن سہل من جماعۃ عن الصحابۃ الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ علی الجنازۃ اور جلاء الافہام صفحہ ۲۰۵ میں لکھتے ہیں ، فالمستحب ان یصلی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنازۃ کما یصلی علیہ فی التشہد انتہی ۔ مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ کے الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھتے ، اور دوسری میں درود شریف اور تیسری میں دعا اور چوتھی کے بعد سلام پھیرنے کا ثبوت یہ ہے حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ میں سنت کہ سورہ فاتحہ پڑھے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے ، پھر سلام پھیرے ، (کتاب الجنائز) (الاعتصام جلد ۲۱ شمارہ ۷)

حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی لاہور

نماز جنازہ کی دعاؤں میں آمین

سوال :۔ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب نے نماز جنازہ پر مقتدیوں کو ہر دعائیہ فقرہ پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے ۔ کیونکہ عام لوگوں کو دعا نہیں آتی ، اس لئے آمین کہنے سے وہ دعا میں شریک ہو جاتے ہیں ، وہ فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں تین مقامات پر دعا جنازہ میں آمین کہنے کا ثبوت ہے ، الاعتصام میں اس پر روشنی ڈالی جائے ،

جواب :۔ نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، اور عہد صحابہ وتابعین سے نہیں ملتا ، ، بنا بریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا ، فتح الباری میں راقم کو اس کا ذکر نہیں مل سکا بحکم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (مشکوٰۃ) نماز جنازہ کا پورا طریقہ سیکھنا عام لوگوں کے لئے ضروری

ہے، ایسی مصلحتوں کے لئے عمومات سے استدلال بدعات کے ایجاد کی گنجائش پیدا کرتا ہے، کیونکہ بدعات کی ابتداء کسی دینی مصلحت کے وسوسے سے ہوتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی بے نظیر کتاب اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۲۷۱ میں لکھتے ہیں، ان کل ما یبدیه المحدث لهذا من المصلحة او یستدل به من الادلة قد کان ثابتا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ومع هذا لم یفعل رسول الله صلی الله علیه وسلم فهذا الترک سنة خاصة مقدمة علی کل عموم وقیاس الخ اہل حدیث کو خصوصاً اس سے اجتناب کرنا چاہیے، ہذا ما عندی واللہ اعلم (ع ج)

(الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۹)

توضیح الکلام: نماز کے اندر جو قنوت کی شکل میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں، خواہ قنوت نازلہ ہو، قنوت وتر یا قنوت فجر مومنین کے حق میں دعا ہو یا کفار کے لئے بددعا ہو، سب ہی میں امام دعا پڑھتا ہے، اور تمام مقتدی آمین آمین کہتے ہیں کہ یا الٰہی جو کچھ ہمارے امام نے آپ سے مطالبہ کیا ہے، اس کو پورا کر دے، یہی صورت شکل، نماز جنازہ کی ہے، کہ امام مع مقتدیوں کے نحن شفعاء وغیرہ جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہوا، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے، کہ یا الٰہی کہ ہم سب ہی امام اور مقتدی میت کے لئے شفارشی ہو کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے، یا الٰہی ہماری شفارشں قبول فرما، اور مقتدی امام کے مطالبہ کی تائید کرتے ہوئے، آمین کہتے ہیں، اور اگر امام اور مقتدی دونوں پڑھیں، تو مالی انازع القرآن والی صورت شکل بن جائے گی، جو خشوع اور خضوع کے منافی ہے، باقی رہا یہ سوال کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانہ میں اس کا ذکر نہیں، لہذا یہ خلاف سنت اور بدعت ہے، جواب یہ ہے کہ عدم ذکر، عدم جواز کے لئے مستلزم نہیں ہوتا، بہت سی ایسی چیزیں ہیں، جن کا ذکر خیر القرون یا حدیث میں نہیں ہے، صرف عموم ادلہ یا تعامل امت کی وجہ سے اس کو کیا جاتا ہے، جو خلاف سنت بھی نہیں، اور بدعت بھی نہیں جیساکہ رکوع کے بعد ہاتھوں کی کیفیت مجہول ہے، کہ رکوع سے اٹھ کر ہاتھ کہاں رکھے جائیں، خلافت راشدہ اور زمانہ خیر القرون رکوع کے بعد ہاتھوں کی کیفیت سے خالی ہے، حالانکہ محدثین

نے ہر مسئلے پر باب باندھا ہے، لیکن ہاتھوں کی کیفیت بعد از رکوع کے لئے نہ بخاریؒ اور مسلمؒ نے باب باندھا ہے، اور نہ دیگر محدثین نے تبویب فرمائی، ہر قائل اور فاعل نے عمومات ادلہ یا تعامل امت کے پیش نظر اپنا اپنا پہلو اختیار کیا، رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والے بھی تعامل امت (اگرچہ قلیل) اور استنباطی دلائل موجود ہیں، اور ارسال الیدین کرنے والوں کے پاس بھی استنباطی دلائل اور جم غفیر امت کا تعامل موجود ہے، ہم نے اپنے اساتذہ کو یوں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے اپنے اساتذہ کو دیکھا، حتیٰ کہ محدثین کی کثیر جماعت کے ذریعہ یہ سلسلہ جم کثیر اسانیہ کے ساتھ تابعین اور صحابہ کرام سے ہوتا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کے مطابق باسند حدیث سے ثابت ہو گیا، پھر اس کو بدعت یا خلاف سنت کہنا بہت بڑی جسارت ہے، ہاں تعامل امت کا وہ پہلو جس کا سلسلہ محققین محدثین کے ذریعہ صحابہ کرام اور خیر القرون تک نہ پہنچے، بلکہ بادلائل تاریخی لحاظ سے زمانہ خیر القرون کے بعد اس کا ایجاد ہونا ثابت ہو، تو وہ تعامل امت حجت نہیں ہوگا، بلکہ بدعت ہی ہوگا، جیسا کہ تیجا، ساتواں جہلم وغیرہ رسومات پر تعامل امت ہے، اور میت کے لئے صدقہ خیرات کرنے پر قرآن اور حدیث کے عمومات دال ہیں، لیکن امت کا یہ تعامل راستہ میں مفقود اور گم ہوتا ہے، جس سلسلہ خیر القرون تک نہیں جاتا، حالانکہ خیر القرون میں بھی اموات کثیرہ ہوتے رہے، تو تاریخی لحاظ سے اسکا تعلق جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ تعامل ہندوستان کے ہندوؤں اور برہمنوں سے لیا گیا، اس سلسلہ کی تحقیق کے لئے مولانا عبید اللہؒ صاحب کی مشہور کتاب تحفۃ الہند مفید رہے گی، اور مفتی صاحب نے جو امام تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط سے عبارت نقل کی ہے، اس تعلق بھی آخری صورت کے ساتھ ہے،

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

حررہ العاجز الفقیر الی اللہ ابو الحسنات
علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال
پاکستان ۳/۹۵ ۱۸ مطابق ۱۹۷۵ء ۵/۷۵ ۱

سوال:۔ (۱) نماز جنازہ میں شامل ہونے والے شخص کی اگر کچھ چیزیں رہ جائیں تو وہ کیا کرے۔

(۲) نماز جنازہ کی دعاؤں میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے کیا تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

جواب:۔ نماز جنازہ اگر پوری نہ ملے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرلینی چاہیئے کیونکہ حدیث میں آیا ہے، اِذَا اَتَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا منتقی مع نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ جب تم نماز کے لئے آؤ تو وقار و سکنیت سے جاؤ نماز کا جتنا حصہ امام کے ساتھ مل جائے، پڑھ لیا کرو، اور باقی حصہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرلیا کرو، یہ حدیث چونکہ عام ہے، لہذا نماز جنازہ کو بھی شامل ہے، موطا امام مالکؒ میں ہے، امام مالکؒ کے سوال پر امام زہری نے فرمایا، اگر کسی شخص سے نماز جنازہ کی بعض تکبیریں رہ جائیں، تو فوت شدہ تکبیروں کی بعد میں قضا کرے، موطا امام مالک ص ۷۹

(۲) نماز جنازہ کی ادعیہ ماثورہ ان کے الفاظ سے پڑھنی چاہیئے، جن الفاظ کے ساتھ احادیث میں وارد ہیں، میت کے مذکر مؤنث کے اعتبار سے میت مذکر و مؤنث دونوں پر بولی جاتی ہے، امام شوکانیؒ لکھتے ہیں، والظاھر انہ یدعو بھذہ الالفاظ الواردۃ فی ھذہ الاحادیث سواء کان المیت ذکرا او انثی ولا یحول لضمائر المذکورۃ الی صیغۃ التانیث اذا کان المیت انثی لان مرجعھا المیت وھو یقال علی المذکر والمؤنث (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۶۷) یعنی میت مذکر ہو خواہ مؤنث، ضمائر میں تغیر و تبدل نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ لفظ میت کا اطلاق ہر دونوں پر ہوتا ہے، احادیث میں جن الفاظ کے ساتھ دعائیں وارد ہیں، انہیں الفاظ سے پڑھنا بہتر ہے،

شارح جامع ترمذی حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ صاحب نے بھی کتاب الجنائز میں یہی لکھا ہے، (الاعتصام جلد ۱۱ شمارہ ۲۷)

مولانا محمد علی جانباز سیالکوٹ

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے تعزیت کے دوران ایک مسجد میں مروجہ طریق پر میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اور ساتھ ہی حاضرین سے اس پر آمین کہلوائی، جب ان سے دریافت

ضیا گیا تو انہوں نے اپنے اس فعل کے جواز میں تحریر کیا کہ کسی میت پر اس کے لواحقین سے تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے۔ نیز ان کے ہاں جا کر تعزیت کرنا، میت کے لئے دعا مغفرت کرنا اور میت کے لواحقین کو صبر کی تلقین کرنا، سب جائز ہے۔ ہاں تین دن کے بعد اہل میت کے لئے بیٹھنا منع ہے، لیکن جو آدمی ان تین دنوں میں ان کے پاس نہیں جا سکا وہ انہیں راستے میں آتے جاتے یا دکان پر پہنچ کر ان کے ساتھ تعزیت اور مغفرت کی دعا کر سکتا ہے، البتہ تیجا، یا رسم قل بدعت ہیں، جیسا کہ میت کی نماز جنازہ کے بعد اس کے قریبی رشتہ دار رواجاً اعلان کرتے ہیں، کہ مرنے والے کی رسم قل فلاں فلاں وقت فلاں جگہ ہوگی، رہی یہ بات کہ دعائے مغفرت تو جائز ہے، لیکن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے، تو گذارش ہے کہ ہاتھ اٹھانا بدعت نہیں، بلکہ آداب دعا میں شامل ہے، جیسا کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ باب فضائل ابی موسیٰؓ و ابی عامرؓ میں ہے۔

فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِيْ عَامِرٍ حَتّٰى رَاَيْتُ بَيَاضَ اِبْطَيْهِ (رواہ مسلم) اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوضو ہو کر ابی عامرؓ کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، میت کے لئے دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا جائز ہوا۔[۱] اس حدیث کی شرح میں امام نووی کہتے ہیں، فیہ استحباب الدعاء واستحباب رفع الیدین[۲] نیز شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اپنی مشہور کتاب اربعین میں صفحہ ۳۲ پر ایک جواب میں فرماتے ہیں،

[۱] اس حدیث میں اہل میت کے گھر جا کر دعا کرنا ثابت نہیں، بلکہ جہاں آپ کو اطلاع ملی، وہاں باوضو ہو کر دعا کی، دوسرے ہائیت مخصوصہ کا بھی ذکر نہیں۔

دوسرے ابو عامرؓ نے ساتھی کو وصیت کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا، اور عرض کرنا کہ میرے لئے دعا کریں،

[۲] مطلق دعا اور مطلق رفع یدین جس کا محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں، کاش کہ اس سے عبارت پر بھی غور کر لیا ہوتا۔ (الاعتصام)

کہ اہل میت کے ہاں جاکر تعزیت کرنا، اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے[1]، دیکھئے وتروں میں مغفرت کی دعا ہاتھ اٹھا کر کی جاتی ہے،

حالانکہ اس بارے میں کوئی حدیث موجود نہیں، جس میں صراحت کے ساتھ ذکر ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے، کوئی مرفوع متصل صحیح حدیث موجود نہیں کہ آپ نے وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد اور داماد حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت انسؓ کے شاگرد امام زہریؒ وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بدعت سمجھتے ہیں (قیام امام مروزیؒ) وتروں میں ہاتھ اٹھانے والوں کا موقف یہی ہے، کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں شامل ہے، اور ہاتھ اٹھانے کی فضیلت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پہ ثابت ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو حدیث میں نہیں، وہ بدعت نہیں ہو جاتی، مثلاً ہم اہل حدیث کے نزدیک امام کے پیچھے سری و جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، تو اب کب پڑھنا ہے، امام کے سکتات میں، لیکن سکتات ذکر حدیث سے ثابت نہیں، چنانچہ سبل السلام جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ پر یہ بات مرقوم ہے کہ سکتات امام میں پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں، لیکن ہم اہل حدیث سکتات امام میں سب سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں[2]، تو کیا ہم بدعت کے مرتکب ہوئے، ہرگز نہیں، کیونکہ بدعت کی تعریف یہ نہیں ہے، کہ جو حدیث میں نہیں، وہ بدعت ہے، بدعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ مخالف دین ہو، یا مفسد دین ہو[3]، حدیث مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ لَهٗ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

---

[1] شاہ صاحب نے ایسا عموم ادلہ کی بنا پر لکھا ہے، تاہم ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے تخصیص آں برائے دعا وقت عزیت ماثور نیست (تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا منقول نہیں) اگر مولوی صاحب یہ فقرہ بھی لکھ دیتے، تو بڑی حد تک بات صاف ہو جاتی، (الاعتصام)

[2] کوئی اہلحدیث سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا پابند نہیں، ہاں امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں، ہاں اہلحدیث سورہ فاتحہ کو ہر حالت میں پڑھ کر خاموش ہوتے ہیں، (سعیدی) [3] خود ہی نقل کر دیتے تو ناظرین پر بات واضح ہو جاتی، (الاعتصام)

کے تحت مرعاۃ، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات اور مظاہر حق میں دیکھ لیا جائے، غرض کہ میرے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، ضروری نہیں اور بدعت بھی نہیں، اگر کوئی جیّد عالم اہلحدیث مجھے کوئی مطمئن کریں گے، تو میں چھوڑ دوں گا۔ (الاعتصام جلد ۲۱ شمارہ ۴۷)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مہتمم دار القرآن والحدیث لائلپور

تنقیدی جائزہ

محترم مولوی صاحب کا جواب محل نظر ہے، اول حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا مطلب یہ ہے، کہ حج، نماز، روزہ، جہاد، علم کا حصول یہ تمام کام مرضیات الٰہی کے لئے ہوتے چاہیئے، اگر کسی نے اچھی نیت سے یہ اعمال کئے ہو، یعنی وہاں تحسین کا خیال نہ ہو، بلکہ رضاء الٰہی مطلوب ہو تو اس کا یہ فعل مقبول ہے، اس کی توضیح اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا کرتا ہے، فَمَنْ کَانَ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِمْرَأَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ۔ (مشکوٰۃ شریف) جس خوش نصیب نے ہجرت ترک اوطان اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا، تو وہ مستحق ستائش ہے، اور اگر کسی نے ترک خویش واقارب بھی کیا، لیکن اس کی نیت یہ نہیں، (جس طرح ایک شخص نے اُمّ قیس ؓ کو نکاح کی دعوت دی، تو اس نے شرط لگائی کہ مسلمان ہو کر ہجرت کر دو، پھر یہ ہو سکتا ہے، تو اس نے اس طرح کیا تو لوگ اسے مہاجر اُمّ قیس ؓ کہا کرتے تھے) تو پھر جیسی اس کی نیت ویسا اس کا ثمرہ، اگر آپ کے ہی مطلب نکالے جائیں، تو فرمائے، اگر کسی شخص نے اچھی نیت سے چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھ لیں، تو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے لحاظ سے اس کا فعل مقبول ہوگا، ایسے ہی ہوا تھا، جب کہ بعض نیک نیت لوگوں نے دیکھا کہ عوام غیر اسلامی افعال کی طرف راغب ہیں تو فضائل کے لئے حدیثیں گھڑی گئیں، تو اس

نے قال قال رسول اللہ کہا جس کو محدثین کرام نے سخت مذموم فعل قرار دیا، حالانکہ نیت صالحہ اور نیکی کی ترغیب و تحریص تھی، محدثین کی دلیل اس صحیح حدیث کا عموم تھا، مَنْ قَالَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ نیت ان لوگوں کی صالحہ تھی لہذا فعل جائز ہوگا، اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اس پر چسپاں کیا جائے، تو سخت غلطی ہوگی، دیکھئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایک دفعہ گذرے ایک جماعت جمع تھی، اور ایک آدمی کہہ رہا تھا، رحم اللہ من قال کذا وکذا امرۃ سُبْحَانَ اللّٰہِ فیقول القوم و یقول رحم اللہ من قال کذا وکذا امرۃ الحمد للہ فیقول القوم الخ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، جو اتنی اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہے لوگ اس کے کہنے پر اتنی ہی دفعہ جس طرح کہ وہ کہہ رہا تھا، کہتے تھے، وہ کہتا کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو، جو اتنی اتنی دفعہ الحمد للہ کہے، لوگ اس کے کہنے کے مطابق کہتے، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمانے لگے۔ لَقَدْ هُدِيتُمْ لما لم يهتد له نبيكم وانكم بذنب ضلالة کیا تمہیں ایسی راہ دکھائی گئی ہے، جو تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دکھائی گئی۔ تمہارا یہ کام ضلالت اور گناہ پر مبنی ہے، الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۱۰۱، دیکھئے یہ سب لوگ نیک نیت تھے، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کے اس طرز عمل کو ضلالت قرار دیا، تعجب ہے کہ موصوف نے تلقین آمین بھی فرمائی حالانکہ اگر یہ کام خیر تھا، تو پیغمبر علیہ السلام نے ایسا کیوں نہیں کیا، اور خلفاءؓ اور صحابہؓ کرام نے کیوں نہیں کیا،

یہ کام آج ہم ہی کو کیوں مستحسن معلوم ہوا، باقی رہا مولوی صاحب کا حدیث مسلم شریف سے استدلال، تو پوری حدیث دیکھنے سے اس کی حقیقت خود بخود واضح ہو سکتی ہے، لہذا اصل روایت مع ترجمہ سنئیے، عن ابی بردۃ عن ابیہ قال لما فرغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من حنین بعث ابا عامر علی جیش الی اوطاس فلقی درید بن الصمۃ فقتل درید بن الصمۃ وھزم اللہ اصحابہ فقال ابوموسیٰ وبعثنی مع ابی عامر قال فرمی ابوعامر رماہ رجل من بنی جشم فاثبتہ فی رکبتہ۔

فذکرالحدیث الی ان قال ابوموسی فقتل (ای من رمی اباعامر) ثم رجعت الی ابی عامر فقلت ان اللہ قد قتل صاحبک قال فانزع ھذا السھم فنزعته فنزا منه الماء فقال یا ابن اخی انطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاقرأه منی السلام وقل له یقول لک ابوعامر استغفر لی ثم انه مات فلما رجعت الی النبی صلی اللہ علیه وسلم دخلت علیه وقلت له قال قل له یستغفر لی فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بماء فتوضأ منه ثم رفع یدیه ثم قال اللّٰھم اغفر لعبید ابی عامر حتی رأیت بیاض ابطیه ثم قال اللّٰھم اجعله یوم القیامة فوق کثیر من خلقک فقلت ولی یارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاستغفر فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم اللّٰھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبه وادخله یوم القیامة مدخلا کریما۔

یعنی حضرت ابوبردہؓ اپنے والد ابوموسیٰ عبداللہ بن قیسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین سے فارغ ہوئے، تو اوطاس کے لئے لشکر تیار کر کے بھیجا جس کا کمانڈر ابوعامرؓ کو بنایا یہ حدیث ہے، جیسے مولوی صاحب نے ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعا کرنے اور اپنے فعل کا جواز نکلا ہے، حالانکہ حدیث میں مذکور یہ دعا تو اس پیغام پر مبنی تھی، جو حضرت ابو عامرؓ نے اپنے انتقال کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دیا تھا۔ جس میں اس شہید کی عرض کو عملی جامہ پہنایا گیا تھا، اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنے لئے دعائے مغفرت کی بھی درخواست گذاری، مطلقاً دعا اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ بالکل دوسرا ہے، مابہ النزاع سے اس کا کوئی تعلق نہیں پھیر کیا آپ نے صحابہ کرامؓ کو آمین کہنے کی تلقین بھی فرمائی، دعویٰ اور دلیل میں کوئی بھی مطابقت ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مسنون طریقہ پر جو مجالسِ تعزیت آج کل بیٹھتی ہیں، ان میں فاتحہ خوانی یا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں، یہ ایک طریق رواج پکڑ لیا ہے، جس کسی جگہ پر ثبوت نہیں ملتا، اس کو بدعت کہا جاتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس کے کہنے، اور پیغام پر مبنی تھی، نہ وہاں ان

کے قبیلہ کا کوئی آدمی تھا، اور نہ مقتدی تھا، جو آمین پکارے (جس طرح مولوی صاحب نے شائد گھر والوں کو خوش کرنے کے لئے کیا) اموات کے لئے دعائیں تو کرنی چاہیئے اس لئے کہ وہ اس کے ہمیشہ محتاج ہیں، لیکن غلط رواج کو ختم کرنا چاہیئے، جو کام خلاف شرع ہو، اس پر مصر ہونا قابل مؤاخذہ ہے، یہ مجالس تعزیت کا مفہوم نہیں ہے، بلکہ وہاں جاکر جیسا کہ لفظ تعزیت کا تقاضا ہے، گھر والوں کو تسلی و تشفی دینی چاہیئے، اور زبان سے اچھے کلمات نکالے جائیں، کیونکہ اچھے کلمات کہنے پر ملائکۃ اللہ آمین کہتے ہیں، لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر ہاتھ اٹھاکر دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، پھر ان صاحب کا کہنا کہ ہاتھ اٹھاکر دعا کرلینا اسی طرح جائز ہے، جس طرح کہ وتروں میں دعائے قنوت کے وقت جب کہ اس میں ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، تاہم اہلحدیث وہاں ہاتھ اٹھانا جائز سمجھتے ہیں، اگر یہ درست ہے، تو پھر تعزیت کے لئے بھی درست ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کم از کم نماز فجر میں رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کی ایک روایت تو مستدرک حاکم میں موجود ہے، کہ آپ ہاتھ اٹھا کر قنوت کیا کرتے تھے، وقال الحاکم ھذا حدیث صحیح وان قال الحافظ فی التلخیص ص۹۵ ولیس کما قال فھو ضعیف لاجل عبد اللہ اسی پر قنوت وتر کی دعا کو محمول کرلیا گیا،

لہذا جماعت اہل حدیث کے پاس جیسے کیسی ایک روایت موجود ہے، اس لئے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ جائز ہوگا، قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے میں حرج نہیں، کیونکہ قنوت وتر اور قنوت فجر میں فی الجملہ مماثلت ہے، لیکن دعائے تعزیت میں رفع یدین کا تو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اب رہا سکتات امام میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا مسئلہ تو محترم مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ یہ امام احمد بن حنبل رح کا خیال ہے، سب اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں، اہلحدیث کا عموماً یہ مذہب ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ بہر صورت پڑھنی چاہیئے، اس کے سوا نماز نہ ہوگی، حدیث ابوداؤد میں تصریح ہے، لعلکم تقرؤن خلف امامکم قالوا نعم قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔

یہاں سے سکتات امام میں نہیں، بلکہ امام کے پیچھے فاتحہ ضروری معلوم ہوتی ہے، خواہ امام کے ساتھ پڑھے، یا سکتات کا انتظار کرے، بہر کیف پڑھنی چاہیئے، سکتات امام میں پڑھنا نہ کسی حدیث سے مشروع ہوتا ہے، اور نہ ہی جماعت اہل حدیث کا عمومی مسلک ہے، مولوی صاحب نے حنابلہ کے مسلک کو اہل حدیث کا مسلک سمجھ لیا، اور اس پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو قیاس کیا ہے، جو عقلی اور نقلی طور پر درست نہیں۔ صحیح عقیدہ یہ رکھنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہو چکا ہے، نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے، نہ زیادتی کی گنجائش ہے، جس طرح آنحضرت نے فرمایا وہی سبیل رشد و ہدایت ہے اسکے ماسوا نہ ہدایت نہ نور۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں، کہ ہمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وعظ فرمایا جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ڈر پیدا ہو گیا، اور آنکھیں پرنم ہو گئیں، خطبہ مبارک میں یہ ارشاد فرمایا، ترکتکم علی البیضاء لیلہا کنہارہا علیکم بما عرفتم من سنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی . . . . یعنی لوگوں میں تم کو ایک ایسا دین دے کر جا رہا ہوں، جس میں کسی قسم کی ظلمت نہیں، تمام طریق روشن ہیں، تمہیں اپنے لئے لائحہ عمل میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو قرار دینا ہوگا، یہی ہدایت کا طریق ہے، حضرت امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے، من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراہا حسنۃ فقد زعم ان محمدا خان علی الرسالۃ- لان اللہ یقول اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فمالم یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا فَلَا یَکُوْنُ الْیَوْمَ دِیْنًا ـ جس نے اسلام میں نیا کام جاری کیا، اور اسے کار خیر سمجھا تو اس کے زعم باطل اگمان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نیک کام بتانے میں (معاذ اللہ) خیانت کی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ (جس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں) جو آپ کے زمانہ میں مستحسن نہیں تھا، وہ آج بھی نہیں ہو سکتا، اسی کو بدعت کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے، اور صحیح راستہ کی تلقین فرمائے، اور ضلالت و افتراء سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۱ شمارہ ۴۶)

توضیح الکلام:۔ مُنتقد کا تنقیدی جائزہ خود محل نظر ہے۔

صاحبِ تنقید نے جو احادیث اور اقوال نقل فرمائے ہیں، وہ سب کے سب صحیح اور باب بدعت میں قوی ہیں، لیکن مُنتقد علیہ جواب دے سکتا ہے، کہ جدید یا قدیم میت کے لئے نفس دُعا کرنا تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس کا مُنتقد صاحب کو بھی اعتراف ہے، باقی رہا ہاتھوں کا اٹھا کر دعا کرنا، سو یہ آداب دعاء سے ہے، اور دعا کیلئے ہاتھوں کا اٹھانا شرط نہیں ہے، ہاتھ اٹھا کر کسی چیز کا مطالبہ کرنا یا سجدہ میں عاجزی اور انکساری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، میت کے لئے دُعا کئی وجوہات یا مقامات میں کی جاتی ہے، بعض مقام میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اور بعض میں نہیں، تعزیت کے وقت، اور میت کو دفن کرنے کے بعد، اور عام قبروں کی زیارت کے وقت، ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر صرف زیارت قبور کے وقت ہے، وہ صرف پندرال ۱۵ شعبان کی رات کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ جزء رفع الیدین امام بخاریؒ اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پندرال ۱۵ شعبان کی رات کو جنت البقیع میں جاکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے، اس کے علاوہ کسی موقع پر میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا ثابت نہیں، خصوصاً میت کو دفن کرنے کے بعد نفس دعا کا حکم ہے، ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا، مُنتقد صاحب کے نزدیک میت کو دفن کرنے کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے یا اس کا کوئی حدیث صحیح سے ثبوت ہے، ہرگز نہیں، یہ اُصولی مسئلہ ہے کہ کسی چیز کا عدم ذکر مستلزم عدم جواز نہیں ہوتا جب منتقد صاحب کو اعتراف ہے کہ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی تصریح کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں، تو قنوت وتر کو قنوت فجر پر محمول کر لیا گیا ہے، لہذا جماعت اہل حدیث کے پاس جیسی کیسی ایک روایت موجود ہے، اس لئے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ جائز ہوگا، قنوت وتر اور قنوت فجر کے درمیان تو مماثلت ہے، تو کیا دُعا تعزیت اور عام دُعاؤں کے درمیان مماثلت نہیں، مماثلت نہ ہونے پر کیا دلیل ہے۔ .. صحیح

بات یہ ہے، جیسا کہ قنوت وتر کو دیگر قنوتوں پر محمول کیا گیا ہے، ایسی طرح دعا تعزیت کو دیگر دعاؤں پر محمول کیا جا سکتا ہے، جب کہ ابو عامرؓ کے واقعہ میں نص کے ساتھ ہاتھ اٹھانے ثابت ہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ (۱) بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا، اور اس خیال کہ اس وقت لوگ بہت جمع ہیں اُٹھل یا درود شریف پڑھ کر بخشنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں مع حوالہ کتاب جواب باصورت سے مشرف فرمادیں؟۔

(۲) میت کو دفن کر کے قبر بنا کر ایک شخص سر کی طرف اپنی انگلی سبابہ قبر میں گاڑ کر سورہ بقرہ کا اول پڑھتا ہے، دوسرا پاؤں کی طرف اسی طرح سورہ بقرہ کا آخر پڑھتا ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) میت کے لئے اسقاط کرنا یا کرانا، اور جو کچھ اس میں نقد اور غلہ اور قرآن شریف وغیرہ لے کر آپس میں ایک دوسرے کی تملیک کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو کچھ میت نے اللہ کے حق میں قصور کیا ہے، یہ اس کا جبیرہ ہے، میت کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے۔ اور پھر خود ہی کھا پی لیتے ہیں، یا مزدوروں یعنی میت کے کارکنندوں غسالوں، وقبر کنندوں وغیرہ کو دیدیتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی نے اس کو صراحتہً بھی منع لکھا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا،

جواب:۔ امور مذکورہ در سوالات ثلاثہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وائمہ اسلام سے ثابت نہیں جو امر قرون خیر سے باوجود داعی[1] وعدم مانع ثابت نہ ہو، وہ داخل بدعت ہے، خَیْرُ الْھُدٰی[2] ھدی محمد صلے اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ

---

[1] یعنی جس کام کا باعث موجود ہو، اور مانع کوئی نہ ہو،

[2] سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور سب کاموں سے برے کام وہ ہیں، جو نئے ہوں اور ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی، ۱۲۔ (عبد الودود محمدی عفی عنہ)

بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ ہاں، عبداللہ بن عمر سے فقط پڑھنا، اول سورہ بقرہ کا میت کے سر کی طرف اور آخیر سورہ بقرہ کا میت کے پاؤں کی طرف ثابت ہے، مگر کیفیت مذکورہ درسوال کا ثبوت نہیں،

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ صہ۱۰۲)

سوال:۔ دعا بعد نماز جنازہ شرعاً کیا حکم رکھتی ہے، اور تارک پر کیا کچھ مواخذہ شرعاً لازم آتا ہے، اور اس کے ترک سے میت کو ایصال ثواب سے محرومی لازم آتی ہے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ حدیث میں آیا ہے، کہ جب میت کو دفن کر چکو، تو اس کے لئے خلوص نیت سے مغفرت کی دعا کرو، یہ ہی وقت میت کے امتحان کا ہوتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنے انتقال کے وقت لوگوں کو وصیت کی تھی، کہ مجھے دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک دعا کرنا، جتنی دیر تک ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کی بوٹیاں بنائی جاتی ہیں، میں تمہاری دعاؤں کی برکت سے فرشتوں کے سوالات کا جواب دے سکوں گا، اگر دفن کرنے کے بعد میت کے لئے دعا مغفرت نہ کی گئی، تو میت کی حق تلفی کی گئی۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۸ شمارہ ۱۶)

مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ

توضیح الکلام:۔ فتاویٰ علمائے کرام سوال اور جواب میں عدم مطابقت ظاہر ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، جو حدیث سے ثابت ہے، اور سوال میں بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، جو کسی حدیث سے ثابت نہیں والتفصیل فی المطولات۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال ۱۲۹۳ھ

سوال :۔ تکبیراتِ جنازہ و تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنا چاہیئے یا نہیں، ایک صاحب نہایت سختی سے فرماتے ہیں، کہ ان تکبیرات میں رفع الیدین کرنا ناجائز ہے،

جواب :۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سے متعدد روایتوں میں تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین ثابت ہے، (جزء رفع الیدین امام بخاری)

تکبیرات عیدین میں رفع الیدین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، (بیہقی) ہندوستان میں اکثر علمائے اہلحدیث کا تعامل دونوں مقام پر رفع الیدین ہی پر ہے، صاحب موصوف کا قول غلط ہے، ان کی نظر آثار صحابہ پر نہیں ہے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق ارشاد ہے، اِن يُّطِيْعُوا اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ يَهْتَدُوْا (مسلم شریف یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی اگر لوگ تابعداری کریں، تو ہدایت پر پہنچ جائیں گے) (اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۹ س ۳)

رشحات قلم حضرت مولانا مولوی محمد یونس محدث دہلوی رحمتہ اللہ

فاتحہ بعد جنازہ محققین علمائے احناف کی نظر میں،

یہ دو رواج جو مروج خاص و عام ہیں، یعنی نماز جنازہ پڑھتے ہی گرداگرد میت کے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں، اور دوسرا رواج بعد دفن میت کے چند قدم جا کر پھر متوجہ قبرستان ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں، اس کا بھی کچھ ثبوت سلف میں پایا جاتا ہے، یا نہیں، جہاں تک غور و تفحص کیا جاتا ہے، زمانہ حضرت سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و قرون ثلاثہ میں جس کے متعلق حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیریت کی خوشخبری دی ہے، اس طرح کا کوئی عمل بعد نماز جنازہ و دفن میت پایا نہیں جاتا، ہاں مطلق استغفار و دعا زندوں کی مُردوں کے لیے بعد دفن میت ثابت ہے، فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دفن میت قبر پر تم اتنی دیر تک کہ اونٹ ذبح ہو کر تقسیم کر دیا جائے کھڑے ہو کر دعا کرو، اور اس کے لیے خدا سے ثبت مانگو، فَاِنَّهٗ اَلْاٰنَ يُسْئَلُ کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے، اور بموجب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ بعد دفن سرہانے میت کے اوائل سورہ بقرہ اور پائنتی خواتم سورہ بقرہ پڑھنا بھی ثابت ہے،

اور یہ طریقہ و رواج جو مروج زمانہ ہے، اس کی محدث فی الدین ہونے میں کچھ شک نہیں پھر اس کو ضروری اور واجب جاننا تقول علی ما قال اللہ و قال الرسول ہے، کسی کتاب غیر معتبر میں بھی اس ثبوت نہیں ملتا، چہ جائیکہ کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہو، ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین نے آخر باب جنازہ میں فرمایا ہے،

الاختصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لا یسن الاذان عند دخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد العام وقد صرح ابن حجر فی فتواہ انہ بدعۃ سیئۃ الی آخر ما قال۔ ترجمہ یعنی اختصار کرنا فقہاء کا ذکر مسائل میں اس پر جو وارد ہوا ہے، دلیل ہے، اس بات پر کہ اذان وقت دفن میت کے مسنون نہیں، جیسے عام رواج ہے، اور ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنے فتویٰ میں تصریح کی ہے، کہ یہ بدعت ہے، پس اسی استدلال سے فاتحہ جو بعد فراغ نماز جنازہ میت گرداگرد کھڑے ہو کر کرتے ہیں، اور وہ فاتحہ جو بعد دفن میت چند قدم چل کر پڑھتے ہیں، مثل اذان عندالدفن کے بدعت و مستحدث ہے، صاحب کبیری نے سراجیہ میں ممانعت صریح اس فاتحہ کی نقل کی ہے، چنانچہ فرمایا، وفی السراجیۃ اذا فرغ من الصلوۃ لایقوم بالدعاء کذا فی الکبیری ترجمہ جب فارغ ہو نماز جنازہ سے تو دعاء کے لئے نہ کھڑے ہو، اور اجناس الوفت میں ہے۔

واذا دفن المیت رجع اھل الجنازۃ عن القبر اوانفک من منع الدفن یقدر مائۃ خطوۃ او اکثرا واقل فقاموا وینظرون ای قبرالمیت ویدعون فھولا یجوز لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن ھذہ الافعال انتہی ترجمہ اور جب دفن ہو جائے مردہ تو لوٹتے ہیں، جنازہ والے قبر سے یا الگ ہوتے ہیں، مع منع دفن سے مقدار سو قدم کے یا کم و زیادہ پھر کھڑے ہوتے ہیں، اور قبر میت کو دیکھتے ہیں، اور دُعا کرتے ہیں، پس یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، ان کاموں سے رسالہ تجہیز و تکفین مولفہ محمد عمران میں بعد نقل حدیث صحیح کہا ہے، پس اس سے معلوم ہوا، بعضے دیار کی اس زمانہ میں رسم ہے کہ میت کو دفن کر کے چالیس قدم چلے جاتے ہیں، پھر وہاں سے پلٹ کر قبر پر فاتحہ

پڑھتے ہیں، بدعت مخالف سنت کے ہے اور محض بدخواہی میت کی ہے، اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے۔ انتہی

ما قالہ رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالعلی صاحب اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں، سنت ایں امرین مسطورین از معتبرے بخیر ثبوت نرسیدہ پس التزام بر آن واصرار بر آن خالی از احداث فی الدین نیست وملتزم ومصر در عموم مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ہٰذا مندرج است واللہ اعلم وعلمہ اتم یعنی سنت ان دونوں کاموں کی یعنی دعا بعد نماز جنازہ وفاتحہ چالیس قدم کا کسی معتبر شخص وکتاب سے پایہ ثبوت کو نہ پہنچا ہے، پس اس کا التزام اور اس پر اڑے رہنے والا عموم حدیث من احدث فی اَمْرِنَا ھٰذا مَا لیس منہ فھو رد میں داخل ہے یعنی بدعتی اور ایسا ہی اس میں لکھا ہوا ہے کہ نہیں جائز ہے۔ دعا بعد نماز جنازہ کے کیونکہ نماز جنازہ خود دعا ہے، دعا کے بعد دعا زائد ہے، مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع احمد دہلوی رحمہ اللہ فی باب الجنازہ صفحہ ۱۳۹ سطر ۱۹ برحاشیہ حدیث مالک بن ہبیرہؓ کے تحت میں لکھا ہے۔

لا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ ذکرہ مُلّا علی القاری فی شرحہ للمشکوٰۃ (ترجمہ) اور نہ دعا کرے میت کے لئے بعد نماز جنازہ کے کیونکہ وہ مشابہ ہے، زیادہ کے نماز جنازہ میں ذکر کیا اس کو ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح مشکوٰۃ میں الحاصل یہ طریقہ فاتحہ کا بھی نہایت مذموم وقابلِ ترک ہے۔

فلیتحرا المؤمن الموحد عن الاعمال بما فیہا مَا ھو ثابت صحیح صریح من کل شك وشبہۃ واکتفی بما ورد من السنۃ ومن حام حول الحمٰی یوشك ان یقع فیہ فینبغی التجنب من ھذہ الرسوم المروجہ ومَا یشبہ ذلك۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن۔

(اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۱۵، شمارہ ۱۱)

مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدنی مدرس مدرسہ لطیفیہ، شولاپور

سوال: نمازِ جنازہ کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ اور مرد و عورت کے جنازہ کی نماز میں کیا فرق ہے۔

جواب: سب سے پہلے میت کو نہلا دھلا کر کفن پہنا کر کسی مناسب جگہ چار پائی وغیرہ پر لٹا دیا جائے، کہ سرہانہ اُتر اور پائینتی دکھن اور منہ قبلہ کی طرف ہو، پھر امام میت کو اپنے آگے قبلہ کی طرف رکھ کر کھڑا ہو جائے، اور امام کے پیچھے سب لوگ صف باندھ کر کھڑے ہوں، اگر آدمی زیادہ ہوں، تو تین، یا پانچ یا سات طاق صفیں بنانا بہتر ہے۔ اگر میت مرد ہے، تو امام اس کے سر کے مقابلہ میں کھڑا ہو، اور اگر عورت ہے، تو اس کی کمر کے مقابلہ میں کھڑا ہو، الغرض سب قبلہ کی طرف منہ کر کے صفیں خوب درست کر کے کھڑے ہو جائیں، اور اپنے دل میں جنازہ کی نماز کی اس طرح نیت کریں، کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز اس میت کی بخشش کے واسطے ادا کرتا ہوں، پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھا کر سینہ کے اوپر باندھ لیں، پھر وہی دعا آہستہ پڑھیں، جو ہر نماز کی تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھتے ہیں، پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر امام سورہ فاتحہ کو آواز سے پڑھے، اور مقتدی آہستہ پڑھیں سورہ فاتحہ ختم ہو جانے کے بعد امام قل ہو اللہ وغیرہ آواز سے پڑھے، مقتدی الحمد کے بعد کوئی دوسری سورت نہ پڑھیں، جب اس قرأۃ سے فارغ ہو جائیں، تو امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کو کندھوں تک اٹھا کر پھر سینہ پر باندھ لیں امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے اصلی درود شریف پڑھے جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں، پھر تیسری تکبیر کہہ کر رفع یدین کر کے ہاتھوں کو سینہ پر باندھ لیں، امام آواز سے اور مقتدی آہستہ آہستہ ان دعاؤں کو جو نیچے لکھیں ہیں پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

رواہ احمد و ابو داؤد۔ ترجمہ: اللہ تو ہمارے زندوں اور مردوں اور حاضروں اور غائبوں اور

چھوٹوں اور بڑوں اور مردوں اور عورتوں کو بخش دے، الٰہی ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، تو اسے اسلام پر زندہ رکھیو، اور جسے وفات دے تو اسے ایمان پر ماریو، اے اللہ تو اس کے ثواب سے ہم کو محروم نہ رکھیو، اور اس کے پیچھے ہم کو فتنہ میں نہ ڈالیں، اور اسی طرح بہت سی دعائیں ہیں، ان دعاؤں کو پڑھ کر سلام پھیر لینا چاہیے، اب ہر ایک کی دلیل سُنئے، جنازہ کی نماز میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، جیسے اور نمازوں میں ہے، اس سلسلہ میں چند حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں،

(۱) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُ عَلٰی جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَیَقْرَأُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی (رواہ الحاکم فی المستدرک والامام الشافعی فی کتاب الام)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے،

(۲) وَعَنْ اُمِّ شَرِیْكٍ الْاَنْصَارِیَّۃِ قَالَتْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقْرَأَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ رواہ ابن ماجہ

یعنی ام شریک انصاریہ فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۳) وَعَنْ اُمِّ عُفَیْفٍ قَالَتْ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ بَایَعَ النِّسَاءَ فَاَخَذَ عَلَیْہِ مِنْ اَنْ لَّا یُحَدِّثْنَ الرِّجَالَ اِلَّا مَحْرَمًا وَاَمَرَنَا اَنْ نَقْرَأَ عَلٰی مَیِّتِنَا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر) یعنی ام عفیف نہلہ یہ فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی، جبکہ آپ نے عورتوں سے بیعت لی تھی، تو آپ نے ان عورتوں سے بیعت میں عہد لیا تھا کہ تم غیر محرم مردوں سے باتیں چیتیں نہ کیا کرنا، اور ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم جنازوں کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۴) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجَنَازَةِ فَاقْرَأُوْا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (رواہ الطبرانی)
یعنی اسماء بنت یزید بن السکن خطیبۃ النساء فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر فرمایا سورہ فاتحہ پڑھو،

(۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُتِيَ بِجَنَازَةِ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ اَوْ قَالَ سَهْلِ بْنِ عَتِيْكٍ وَكَانَ اَوَّلُ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ فِيْ مَوْضِعِ الْجَنَازَةِ فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَجَهَرَ بِهَا ثُمَّ كَبَّرَ الثَّانِيَةَ فَصَلّٰى عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ثُمَّ كَبَّرَ الثَّالِثَةَ فَدَعَا لِلْمَيِّتِ۔
الحدیث (رواہ الطبرانی فی الاوسط) یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جابر بن عتیک یا سہل بن عتیک (شک راوی کا ہے) کا جنازہ آپؐ کے سامنے لایا گیا، سب سے پہلا یہی جنازہ تھا، جو مخصوص جنازہ پڑھنے کی جگہ میں پڑھا گیا، سو آپ آگے بڑھے، اور تکبیر کہی، اور اپنی ذات اور مرسلین دیگر پر درود پڑھا، پھر تیسری تکبیر کہی اور میت کے لئے دعا کی، یہ تو ہوئیں صریح مرفوع روایتیں جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں، اب ہم وہ روایتیں ذکر کرتے ہیں، جن میں صحابہ نے تو رعاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ذکر کیا، اور وہ روایتیں مرفوع ہیں، دیکھو صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قرأۃ فاتحہ الکتاب علی الجنازہ

(۶) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ۔ (ترمذی) یعنی طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی، بندہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تم جانو کہ یہ سنت ہے،

(۷) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَكَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْاَنْصَارِ وَعُلَمَاءِ هِمْ وَاَبْنَاءِ الَّذِيْنَ شَهِدُوْا بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ

اللہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَہٗ اَنَّ السُّنَّۃَ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ اَنْ یُّکَبِّرَ الْاِمَامُ ثُمَّ یَقْرَأُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اخرجہ الطبرانی فی معانیہ الاثار والشافعی فی الام وسندہ صحیح والبیہقی۔

یعنی ابوامامہ بن سعد بن سہل بن حنیف جو کہ انصار کے بڑوں میں سے ہیں اور ان کے علماء میں سے ہیں اور بدر یوں کے فرزند انہیں کسی ایک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے، پھر سورہ فاتحہ پڑھے،

(۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ بْنِ سَہْلِ بْنِ حُنَیْفٍ یُحَدِّثُ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ قَالَ السُّنَّۃُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ اَنْ تُکَبِّرَ ثُمَّ تَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ تُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تُخْلِصُ الدُّعَاءَ لِلْمَیِّتِ وَلَا تَقْرَأُ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی اخرجہ ابن الجارود فی المنتقی ص۲۶۵۔

یعنی ابوامامہ مذکور نے سعید بن المسیب سے کہا کہ جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے، پھر خالص دعا کرے قرأت صرف پہلی تکبیر میں کرے، صحابی جب من السنۃ کہے تو وہ حدیث بھی مرفوع ہی ہوتی ہے، تمام محدثین کے نزدیک اب چند آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ ملاحظہ فرمائیں،

(۹) وعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ السَّبَّاقِ قَالَ صَلّٰی بِنَا سَہْلُ بْنُ حُنَیْفٍ عَلٰی جَنَازَۃٍ فَلَمَّا کَبَّرَ تَکْبِیْرَۃَ الْاُوْلٰی قَرَأَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ حَتّٰی اَسْمَعَ مَنْ خَلْفَہٗ۔

اخرجہ البیہقی فی السنن ص۳۹ ج۴ والدار قطنی ص۱۹۱ ج۱ وابن ابی شیبہ فی المصنف فی الجزء الرابع ص۱۱۳

یعنی عبداللہ بن سباق فرماتے ہیں، کہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں یک جنازہ کی نماز پڑھائی پہلی تکبیر کہی تو سورہ فاتحہ پڑھی، اسی طرح کہ مقتدیوں کو بھی سنایا،

(۱۰) رَوٰی بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ قَرَأَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِالْفَاتِحَۃِ کذا فی المحلی للشیخ سلام اللہ الدہلوی والمحلی لابن حزم ص۱۲۹ ج۵ والبیہقی ص۳۹ وابن المنذر و

سعید بن منصور یعنی ابن مسعودؓ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی،

(۱۱) اِنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَۃَ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فَقَرَأَ فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَسُوْرَۃً قَصِیْرَۃً وَرَفَعَ بِھِمَا صَوْتَہٗ۔ اخرجہ ابن حزم فی المحلی ج ۵ ص ۱۲۹ یعنی مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی، ایک جنازہ پر پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورۃ پڑھی، اونچی آواز سے،

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ کَانَ یَقْرَأُ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ بَعْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی عَلَی الْجَنَازَۃِ اَخْرَجَہٗ اِمَامُ الشَّافِعِی فِی الْاُمِّ وَبَلَغَنَا ذٰلِکَ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ وَسَھْلِ بْنِ حُنَیْفٍ وَغَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو بن العاص تکبیر اولیٰ کے بعد جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ابوبکر صدیقؓ اور سہل بن حنیفؓ اور دیگر صحابہؓ سے بھی اسی طرح آیا ہے،

(ب) اور جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا مستحب ہے، بخاری شریف میں ہے، وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا یُصَلِّیْ اِلَّا طَاھِرًا وَلَا یُصَلِّیْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبِھَا وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ (قولہ یَرْفَعُ یَدَیْہِ) وصلہ البخاری فی کتاب رفع الیدین المفرد من طریق عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ علی الجنازۃ وقد روی مرفوعًا اخرجہ الطبرانی فی الاوسط من وجہ اخر عن نافع عن ابن عمر باسناد ضعیف فتح الباری جلد ۳ ص ۱۳۸ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع کرتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح مروی ہے مگر وہ روایت کمزور ہے،[1]

(ج) میت اگر مرد ہے، تو اس کے سر کے مقابلہ میں کھڑا ہونا مستحب ہے، اگر میت عورت

[1] ضعیف حدیث کی تائید اقوال صحابہ یا تعامل امت سے ہو تو اس میں تقویت آجاتی ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے، (سعیدی)

ہے، تو اس کے درمیان کے مقابلہ میں کھڑا ہونا سنت ہے، منتقی میں ہے حضرت سمرہ فرماتے ہیں،

(۱) صَلَّيْتُ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ وَسَطَهَا رواه الجماعة

(۲) وَعَنْ اَبِيْ غَالِبِ الْحَنَّاطِ قَالَ شَهِدْتُّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَلَمَّا رُفِعَتْ اُتِيَ بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ فَصَلّٰى عَلَيْهَا فَقَامَ وَسَطَهَا وَفِيْنَا الْعَلَاءُ ابْنُ زِيَادِ الْعَدَوِيُّ فَلَمَّا رَأَى اخْتِلَافَ قِيَامِهٖ عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ قَالَ يَا اَبَا حَمْزَةَ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ الرَّجُلِ حَيْثُ قُمْتَ وَمِنَ الْمَرْأَةِ حَيْثُ قُمْتَ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ احمد)

تو عورت اور مرد کی نماز میں صرف یہ فرق ہے، اور دعاؤں میں جو مرد کے لئے الفاظ ہیں، وہی عورت کے لئے ہیں، لیکن اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ کی جگہ اَمَتُكَ کہے تو بھی جائز ہے چنانچہ علامہ نووی کتاب الاذکار صہ ۲۰۲ میں فرماتے ہیں، فان کانت امرأة قال اللّٰهُمَّ هٰذِهٖ اَمَتُكَ اسی طرح جہاں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ ہے، وہاں عورت کے لئے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا کہنا چاہیے، اور ابوداؤد مع شرح عون المعبود جلد ۳ صہ ۱۸۹ میں یہ دعا منقول ہے، جس میں لفظ ھا باعتبار جنازہ اور میت مؤنث کے ہو سکتا ہے، دعا یہ ہے، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ، اور بعض روایتوں میں فَاغْفِرْ لَهَا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

(اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۲۴)

سوال :- اگر جنازہ پر پھول کی چادر پڑی ہو، اور میت کسی بدعتی کی ہو تو نماز جنازہ اہل حدیث پڑھ لے، یا علیحدہ رہے، عموماً ہمارے یہاں بدعتیوں کا دستور ہے کہ بعد تجہیز و تکفین و تدفین

میت کے قبر پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں، اس حالت میں میت کے ساتھ قبرستان جانا چاہیئے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ بہتر ہے کہ ایسے جنازے کی نہ نماز میں شریک ہوں، نہ تجہیز و تکفین میں اس لئے کہ جنازہ و اہل جنازہ دونوں بدعتی معلوم ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اہل بدعت سے دور رہو، یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب بھی نہ دو (مسند امام احمد) بس اسی طرح عمل ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر جنازہ نہ پڑھنے سے کسی قسم کے فتنے فساد کا اندیشہ ہو، تو بادل ناخواستہ شریک جماعت ہو جائیں، امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صل وعلیہ بدعتہ۔ واللہ اعلم۔ (اہل حدیث گزٹ جلد ۹، شمارہ ۸)

مولانا محمد یوسف

جنازہ وغیرہ نمازوں میں زبانی نیت اور اس کا حکم

(از افادات مولانا حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ گوجرانوالہ)

چار تکبیر نماز جنازہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے، درود واسطے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دعائیں واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ کی، پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، اکثر جب کہیں نماز جنازہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا ہے، امام کے پیچھے یہ آواز گونجتی ہے، جیسے مؤذن جماعت کے لئے اقامت کہہ رہا ہو، عام لوگ بے چارے ان فقرات کو فرض نمازوں والی تکبیر سمجھے ہوئے ہیں، چنانچہ اگر کوئی امام جنازہ یہ مصنوعی الفاظ نہ کہلوائے تو کہتے ہیں، دیکھو جی بغیر تکبیر کے نماز کرا دی۔ حالانکہ تکبیر (یا اقامت) تو ایک ثابت شدہ متفقہ مسئلہ ہے، اور یہ کلمات کلیہ بے اصل ہیں۔ واضعین نے ان الفاظ کو نیت کے لئے وضع کر رکھا ہے، حب کہ نیت دل کا عمل ہے، زبان کا ہے ہی نہیں، اگرچہ نیت کی اہمیت سے انکار نہیں، بے شک انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ

بالنیات ولکل امرئ ما نوی۔ (صحیحین) لیکن اس کا تعلق دل سے ہے۔ زبان سے نہیں، مندرجہ حدیث کے تحت ابن حجرؒ لکھتے ہیں، فالنیۃ عمل القلب وھی تنفع الناوی وان لم یعمل الاعمال واداءھا لا ینفعہ دونھا۔ نیت دل کا فعل ہے، نیت کرنے والا عمل نہ بھی کرے، تو بھی حسن نیت اسے فائدہ دے جاتی ہے، اور بغیر نیت کیا ہوا کام مفید نہیں، پھر یہ حدیث بھی درج فرمائی ہے، مَنْ نَوٰی حَسَنَۃً فَلَمْ یَعْمَلْهَا کُتِبَتْ لَہٗ حَسَنَۃٌ وَمَنْ عَمِلَهَا کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرًا۔ جو اچھی نیت کرے، اور اس کے مطابق کام نہ کرے، اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور اگر کام کرے، تو دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، جوہریؒ نے نویت کا ترجمہ عزمت امام نوویؒ نے کہا النیۃ القصد وھو عزیمۃ القلب۔ یعنی نیت عبارت ہے، قصد سے، اور قصد دل کے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں، امام بیضاویؒ لکھتے ہیں،

النیۃ عبارۃ عن انبعاث القلب نحوما یراہ موافقا لغرض من جلب نفع او دفع ضر حالا او مالا والشرع خصصہ بالارادۃ المتوجھۃ نحو الفعل لابتغاء رضاء اللہ وامتثال حکمہ فتح الباری ص۶ جلد ا طبع دہلی، یعنی جلد یا بدیر جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے جو کام کیا جائے اس کی طرف دل سے متوجہ ہونے کا نام نیت ہے، اصطلاح شرع میں نیت اس ارادہ کو کہتے ہیں، جو اللہ کی رضا جوئی، اور اس کی اطاعت کے پیش نظر ایک فعل کے کرنے پر کی جائے۔

بعض علماء نے عمل قلب کے تین درجے مقرر کئے ہیں، وہ کہتے ہیں، پہلے عزم پیدا ہوتا ہے، پھر قصد کیا جاتا ہے، بعد میں نیت پیدا ہوتی ہے۔ ان حوالہ جات سے مقصود یہ ہے کہ نیت کا تعلق گوشت کے اس بیضوی ٹکڑے سے ہے۔ جو سینہ کے اندر لٹک رہا ہے۔ دکھائی دینے والی زبان سے نہیں بعض متاخرین فقہا نے احناف اور شوافع سے البتہ تلفظ بالنیۃ کو سنن میں (فرائض میں نہیں) شمار کیا ہے، مثلاً کتاب شرح وقایہ سنن نماز کے ذکر میں ہے، والقصد مع لفظہ ص۱۵۹ الفاظ کے ساتھ نیت

کرنا اس پر مولانا عبد الحیٔ لکھنویؒ نے بڑا عمدہ حاشیہ لکھا ہے، فرماتے ہیں،

ھٰهُنَا ثبت ثلث صور اولها الاکتفاء بنیة القلب وهو مجزی اتفاقا وهو الطريقة المشروعة الماثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم ينقل عن احد هم التكلم بنويت اوانوی صلوٰة كذا فی وقت كذا ونحو ذلك كما حققه ابن الهمامؒ فی فتح القدير وابن القيم فی زاد المعاد وقد فصلت ذالك فی السعاية وفی رسالتی آكام النفائس فی اداء الاذكار بلسان الفارس۔ وثالثها الجمع بينهما وهو سنة على ما فی تحفة الملوك وليس بصحيح ومستحب على ما فی المنية ای بمعنی ما فعله العلماء واستحبوه لا بمعنی ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم اورغب فانه لم يثبت ذالك وعللوا استحبابه وحسنه بان فيه موافقة بين القلب واللسان للعزيمة۔

یعنی اس مسئلہ میں تین کل صورتیں ہیں،

(۱) دل کی نیت پر اکتفاء کرنا، یہ بالاتفاق کافی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے یہی ثابت اور مروی ہے، اور میں نے فلاں نماز کی فلاں وقت میں نیت کی یا نیت کرتا ہوں وغیرہ، ایسا کہنا کسی ایک امام سے بھی ثابت نہیں، جیسا کہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر اور حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کی تحقیق کی ہے، اور میں نے بھی سعایہ اور اپنے رسالہ آکام النفوس میں اس کو واضح کیا،

(۲) دلی قصد کے بغیر زبان سے تلفظ کرنا یہ بالاتفاق ناکافی ہے،

(۳) زبان اور دل دونوں کے ساتھ نیت کرنا تحفۃ الملوک کی عبارت کے مطابق یہ سنت ہے مگر یہ صحیح نہیں، اور منیہ میں اسے مستحب کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء نے اسے مستحب کہا ہے، نہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، یا ترغیب دلائی ہو، آنحضرتؐ سے یہ ثابت نہیں، ان علماء کے مستحب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دل اور زبان کی موافقت اور عزیمت پائی جاتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں، كان صلى الله عليه وسلم اذا قام الى الصلوٰة قال الله اكبر ولم يقل شيئا قبلها ولا يلفظ بالنية النية ولاقال

صلی للہ صلوٰۃ کذا مستقبل القبلۃ اربع رکعات اماماً او ماموما
ولا قال اداء ولا قضاء ولا فرض الوقت وھذا عشر بدع لم ینقل
عنہ احد قط باسناد صحیح ولا ضعیف ولا مسند ولا مرسل لفظ واحدۃ
منہا النیۃ بل ولا عن احد من اصحابہ ولا استحسنہ احد من التابعین
ولا الائمۃ الاربعۃ. یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دیتے تھے،
اس سے پہلے کچھ نہ کہتے، کبھی نیت کا لفظ نہ بولتے، اور نہ ہی کبھی کبھی یوں کہا میں نماز پڑھتا
ہوں اللہ کے لئے، فلاں نماز منہ طرف کعبہ کے چار رکعت امام یا مقتدی ادا یا قضا یا
فرض وقت یہ دسوں کلمے بدعت ہیں، حضرت سے ایک کلمہ بھی ثابت نہیں، تابعینؒ
اور ائمہ اربعہؒ نے بھی اسے مستحسن نہیں قرار دیا، (زاد المعارج جلد ۱ ص۵۱) حنفیہ کے نزدیک
بھی زبانی نیت کی جو حیثیت ہے، وہ اس قول سے واضح ہو جاتی ہے، ولو نوی
الظہر وتلفظ بالعصر اجزاہ لان المعتبر ھو التعیین بالقلب کذا فی القنیۃ
(حاشیہ شرح وقایہ ص۱۵۹) یعنی اگر ظہر کی نیت کرے، اور زبان سے عصر کا لفظ بولے
نماز ہو جائے گی، کیونکہ معتبر دل کی تعیین ہے، اسی صفحہ پر شرح وقایہ کی یہ عبارت
بھی ملاحظہ فرمائیے، ویکفی للنفل والتراویح وسائر السنن نیۃ مطلق الصلوٰۃ و
للفرض شرط تعینہ ولا نیۃ عدد رکعاتہ وللمقتدی نیۃ صلوتہ واقتدائہ،
یعنی نفل تراویح اور سب سنتوں کے لئے مطلق نماز کی نیت کر لینا کافی ہے (نماز
کی قسم کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں) فرض نماز کو البتہ متعین کر لینا چاہئے، تعداد
رکعت کی نیت کوئی نہیں، مقتدی کے لئے اتنا ہی کافی ہے، وہ یہ نیت کرے،
میں امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہوں، حاشیہ میں علامہ عبد الحئیؒ فرماتے ہیں، لا تشترط
نیۃ الاستقبال الی الکعبۃ علی الاصح۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے، استقبال کعبہ کی نیت
شرط نہیں نیز فرماتے ہیں، ولا تشترط نیۃ تعین الامام ولو نوی ولو نوی الاقتداء
بالامام یظن انہ زید فاذا ھو عمرو صح کذا فی البحر حوالہ ایضاً۔

یعنی تعیین امام کی نیت شرط نہیں، اگر وہ زید کو امام سمجھ کر اقتداء کی نیت کرے، حالانکہ امام عمرو ہو تو نماز صحیح ہو گی، یعنی زبانی نیت کا مسئلہ کتاب و سنت میں تو خیر ہے ہی نہیں، فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے کہ اتنی رکعت نماز منہ طرف کعبہ کے پیچھے امام فلاں کے کہنا، مہمل ہے، پھر سوال یہ ہے انما الاعمال بالنیات کا تعلق نماز ہی سے نہیں، ہر عمل سے ہے، بالخصوص نماز جنازہ میں جو بآواز بلند نیت بولی جاتی ہے، اس تخصیص کی کیا دلیل ہے، چنانچہ جنازہ میں ایک شخص نیت پڑھتا ہے، باقی سب سنتے ہیں، دوسری باجماعت اور فرض نمازوں میں یہ باجماعت نہیں ہوتی، بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی نیت پر انحصار کرتا ہے یہ کیا فلسفہ ہے۔ بات یہ ہے نیت کا تعلق دل سے ہے، زبان سے نہیں، اور جس نیت کا تعلق زبان سے ہے، اس کا تعلق زبان سے ممکن ہو، مگر قرآن و سنت سے ہرگز نہیں ہذا ما عندی واللہ اعلم،

(الاعتصام جلد ۱۶ شمارہ ۵)

سوال:۔ دیوبند اور اہل حدیث بعد نماز جنازہ میت کی چارپائی اٹھانے سے پہلے کی دعا درست نہیں جانتے، بلکہ بدعت کہتے ہیں، بریلوی حنفی اس پر اصرار کرتے، اور کہتے ہیں، کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا تو فرض نمازوں کے بعد بھی ثابت نہیں ہے۔ لیکن تمام اسلامی فرقوں کا یہ معمول ہے، سو جہاں یہ درست ہے، وہاں وہ بھی درست ہے، لہذا اس مسئلے کی مدلل حیثیت بیان فرما دیں۔

جواب:۔ نماز جنازہ کے بعد چارپائی اٹھانے سے پہلے دعا مانگنا بدعت ہی کے دائرے میں آتا ہے، بدعت کی تعریف یہ ہے، دین میں ایسا نیا کام ایجاد کرنا، جس کی قرون مشہود لہا بالخیر میں ضرورت موجود ہو، اور اس کا شرعی مانع (رکاوٹ) بھی کوئی نہ ہو، بدعت کہلاتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے، کہ خیر القرون میں حضرات صحابہ کرام رضی سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں فوت ہوئے، لیکن جہاں تک ہمارے استقراء کا

تعلق ہے، نہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ خلفاء راشدین رضؓ سے اور نہ دیگر صحابہ کرامؓ اور نہ پھر حضرات ائمہ دین سے کسی ایک صحابی تابعی امام کے جنازہ پر چارپائی اٹھانے سے پہلے مروجہ دعا کا ذکر صحیح تو کیا کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں، نہ کسی صحابیؓ کے اثر یا اس کے عمل سے ثابت ہے، اور نہ ائمہ دین سے یہ امر ثابت ہے، حالانکہ اس دعا کے اسباب اور دواعی (میت کی خیر خواہی اور اس کے لئے طلب مغفرت) اس زمانہ میں بھی موجود تھے۔ لہٰذا اگر اس دعا کا دین سے کچھ تعلق ہوتا تو اس کا ثبوت (صریح نص سے) ضرور ملتا اور یہ بات بھی پوری طرح عیاں ہے کہ جو کام اس وقت (زمان سلف) میں دین نہ تھا، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا فَلَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا۔ (کتاب الاعتصام شاطبی ص۲۸ جلد ۱) کہ جو چیز اس وقت دین نہ تھی، وہ آج بھی دین نہیں، امام موصوفؒ کے ارشاد کی بنیاد اس حدیث شریف پر ہے، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۷۱) کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہوگی۔ اور اَمْرُنَا هٰذَا سے امر دین اور شریعت مراد ہے، جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، وَالْمُرَادُ بِهٖ اَمْرُ دِيْنٍ (فتح الباری) یہ بات بھی واضح رہے کہ نماز ایسی اہم عبادت کی مسنون ہیئات کذائی تبدیل کر کے اس کو خاص وقت اور خاص کیفیت (جو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو) کے ساتھ ادا کرنے کو بھی حضرات صحابہ کرامؓ بدعت قرار دیتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ہے، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَاِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ اِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ الضُّحٰى فِي الْمَسْجِدِ فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ بِدْعَةٌ۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۳۸ و صحیح مسلم ص۴۰۹ جلد ۱ حضرت مجاہد کہتے ہیں، کہ میں اور عروۃ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس تشریف فرما ہیں، اور کچھ لوگ چاشت

کی نماز پڑھ رہے ہیں، ہم نے عبداللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کی نماز کے متعلق پوچھ
تو انہوں نے اس کو کہا امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں،
هٰذَا قَدْ حَمَلَهُ الْقَاضِيْ وَغَيْرُهُ عَلٰى اِنَّ مُرَادَهُ اِنَّ اِظْهَارَهَا فِي الْمَسْجِدِ
وَالْاِجْتِمَاعِ لَهَا هُوَ الْبِدْعَةُ لَا اِنَّ صَلٰوةَ الضُّحٰى بِدْعَةٌ ۔
نووی ص۴۰۹ جلد ۱ کہ قاضی عیاض وغیرہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ ہے
کہ چاشت کی نماز کا مسجد میں اظہار کر کے پڑھنا، اور اس کے لئے خاص اہتمام اور
اجتماع کرنا بدعت ہے۔ نہ کہ خود نماز چاشت بدعت ہے،

فقہاء حنفیہ کے فتاوی اور ردوش

بدعت کے اس نازک پہلو پر قدرے روشنی ڈالنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات
فقہاء احناف کے فتاوی بھی لکھ دیئے جائیں، اور وہ یہ ہیں،

(۱)۔ خواجہ محمد سعید حنفی بن مجدد الف ثانی رح

مخدوم زادہ بزرگ خواجہ محمد سعید دامت ... نماز جنازہ پیر دپدر بزرگوار خود رضی اللہ
نمودند وبعد از نماز برائے دعا توقف نفرمودند کہ مقتضیٰ سنت چنیں نہیں، ودر کتب
معتبرہ مرقوم است کہ بعد از نماز ایستادہ دعا کردن مکروہ است (زبدۃ المقامات ص۲۹۴)
خواجہ محمد سعید نے اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی رح کی نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر دعا
کے لئے کھڑے نہ ہوئے، کیونکہ یہ دعا خلاف سنت ہے، اور کتاب فقہ معتبرہ نماز
جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنے کو مکروہ لکھا ہے،
(نوٹ):۔ کراہت سے مراد عموماً کراہت تحریمی ہوتی ہے، دلیل الطالب صفحہ ...

(۲) امام طاہر بن علی حنفی رح

لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ فِيْ قِرَاْءَةِ الْقُرْاٰنِ لِاَجْلِ الْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَقَبْلَهَا (خلاصۃ الفتاوی بحوالہ فتاوی ...
ص۱۲۸ نماز جنازہ سے پہلے اور اسی طرح بعد نماز جنازہ قرآن پڑھ کر میت کے لئے دعا
نہ کی جائے۔

(۳) علامہ برجندی حنفیؒ
لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْہَا کَذَا فِی الْمُحِیْطِ (فتاوی سعدیہ صفحہ ۱۳۰)

نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے، کیونکہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

(۴) علامہ علاء سعدی حنفیؒ
لَا یَقُوْمُ الرَّجُلُ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

(قنیہ صفحہ ۵۶ جلد ۱) (فتاوی سعدیہ صفحہ ۱۳۰) ترجمہ گذر چکا ہے۔

(۵) حضرت ملا علی قاری حنفیؒ
وَلَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۷ حاشیہ ۸ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

(۶) مولانا مولوی عبد الحیٔ حنفیؒ
فرماتے ہیں، بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے۔ (نفع المفتی والمسائل صفحہ ۶)

(۷) مولانا مفتی سعد اللہ حنفیؒ
مصنف نوادر الوصول شرح فصول اکبری میں فرماتے ہیں، خالی از کراہت نیست زیراکہ اکثر فقہا بوجہ زیادت بودن براہر مسنون منع مے کنند (فتاوی سعدیہ صفحہ ۱۳۰) کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ یہ دعا امر مسنون پر زیادتی کا حکم رکھتی ہے، اس لئے اکثر فقہا اس دعا سے منع کرتے ہیں۔

رہا یہ اعتراض کہ فرض
فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے

نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے، تو یہ معارضہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ ذکر ایک آدھ[1] روایتوں میں موجود تو ہے۔

[1] ایک آدھ روایت نہیں، بلکہ متعدد روایتوں میں اس دعا کا ذکر ہے جس کی تفصیل کے لئے امام سیوطیؒ کا

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى الْاَسْلَمِيِّ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَرَأَى رَجُلًا رَافِعًا يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ (مجمع الزوائد) وقال الحافظ الهيثمي رجاله ثقات وذكر السيوطي في رسالة فض الوعاء وقال رجاله ثقات (تحفة الاحوذی شرح ترمذی صٓ ۲۲۵ جلد ۲ فتاوی ثنائیہ صٓ ۵۰۴) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک آدمی کو سلام سے پہلے نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ نے اس کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ رَفَعَ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ خَلِّصِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَعَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَضَعَفَةَ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا مِنْ اَيْدِي الْكُفَّارِ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ صٓ ۲۲۵ فتاوی ثنائیہ ج ۱ صٓ ۵۰۴۔

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر قبلہ رخ ہو کر یہ دعا مانگی، کہ اے اللہ ولید، عیاش، سلمہ، اور کفار قید میں گھیرے ہوئے دوسرے کمزور مسلمان قیدیوں کو رہائی عطا فرما، اس روایت میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے، لیکن اس کا ضعف استحباب کو مانع نہیں ہے، ملا علی قاری (حنفی) فرماتے ہیں اَلْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيْفِ غَيْرِ الْمَوْضُوْعِ ۔ (فتاوی ثنائیہ بحوالہ مرقات

رسالہ فض الدعاد فی احادیث رفع الیدین فی الدعا کا مطالعہ کافی ہے، جو کہ سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبوعہ ہندوستان کے آخر میں مطبوع ہے، نیز اور سید علامہ محمد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان زبیدی یمانی کا رسالہ جو کہ سوال وجواب کی شکل میں ہے، اور معجم الصغیر طبرانی مطبوعہ ہندوستانی کے آخر میں موصول ہے، باقی اس کی تفصیل فتاوی نذیریہ میں بھی موجود ہے، ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا، کہ اس بارہ ایک آدھ حدیث ہے یا متعدد ہیں۔ (سعیدی)

فی باب الجنائز) کہ ضعیف روایت سے (بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو) استحباب ثابت ہو جاتا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں بعد نماز جنازہ چار پائی اٹھانے سے پیشتر مروجہ دُعا بدعت ہے۔ اور فرضوں کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، بشرطیکہ التزام نہ کیا جائے، اور نہ ہی اس دعا کو نماز کا حصہ قرار دیا جائے، جیسے کہ آج کل رواج عام ہے، واللہ اعلم۔ (الاعتصام جلد ۲۲ شمارہ ۲۲)

مولانا محمد عبید اللہ حنیف فیروز پوری مسجد چینیانوالی لاہور

سوال:۔ میت کی نماز جو حالت مرض وغشی وغیرہ میں فوت ہو گئی۔ اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے، اگر ادا نہ کی جاوے، تو میت کو مؤاخذہ ہوگا یا نہیں۔ اگر اس کا کفارہ ہے، تو کس قدر یا اس کے والی، اس کی جانب سے ادا کر سکتے ہیں؟۔

جواب:۔ میت کے ذمہ جو فرائض باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے روزہ کے لئے تو یہ امر ثابت ہوا ہے کہ اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ لیکن نماز کے بارہ میں نِیَابَۃً ادا کرنا ثابت نہیں، بلکہ نسائی میں ابن عباس سے موقوفاً ثابت ہے، لَا یُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ. یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز ادا نہ کرے، نیل میں تحت روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکور ہے،

وَاخْتَلَفُوْا ذٰلِكَ بِالْوَلِیِّ لِاَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ النِّیَابَۃِ فِی الْعِبَادَۃِ الْبَدَنِیَّۃِ وَلِاَنَّہَا عِبَادَۃٌ لَا یَدْخُلُہَا النِّیَابَۃُ فِی الْحَیٰوۃِ فَکَذٰلِكَ بَعْدَ الْمَوْتِ اِلَّا مَا وَرَدَ فِیْہِ الدَّلِیْلُ فَیُقْتَصَرُ عَلٰی مَا وَرَدَ وَیَبْقَی الْبَاقِیْ علی الاصل وھذا ھو الراجح۔

یعنی اس امر میں علماء نے اختلاف کیا ہے، کہ نیابۃً روزہ ادا کرنا ولی کے ساتھ خاص ہے، یا غیر ولی بھی ادا کر سکتا ہے، اس واسطے کہ عبادت بدنیہ میں اصل بات یہ ہے، کہ کسی کی طرف سے ادا نہ کی جاوے، ونیز یہ ایسی عبادت ہے کہ زندگی میں نیابۃً ادا نہیں ہو سکتی۔ پس اسی طرح موت کے بعد بھی ادا نہ ہو سکے گی۔ مگر

جس عبادت کے بارہ میں دلیل سے نیابت ثابت ہوئی، وہ اصل سے جدا ہو جائے گی، اور باقی عبادتیں (نماز وغیرہ) لپنے اصل قائم رہے گی، اب رہی یہ بات کہ میت پر ان کی وجہ سے مواخذہ ہوگا، یا نہیں، سو اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے جس عبادت کا ادا کرنا اپنے امکان و قدرت میں تھا، اور باوجود اس کے ادا نہ کی گئی اس پر ضرور مواخذہ ہوگا، اور جو قدرت و طاقت سے باہر تھی، اس پر مواخذہ نہ ہوگا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اگر غشی و بیہوشی کے مریض کو افاقہ ہوا، اور حواس میں درستی پیدا ہوگئی، تو پھر نماز ادا نہ کی تو ضرور مواخذہ ہوگا، اور اگر افاقہ کی نوبت نہ آئی، بلکہ اسی حالت میں وفات پائی، تو پھر مواخذہ نہ ہوگا، آیۃ کریمہ، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ عام و شامل ہے، بہت سے مسائل کا اس سے استخراج ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

عبدالجبار عمرپوری

(فتاویٰ عمرپوری ص ۹)

حافظ عبدالجبار عمرپوری

اصل وطن عمرپور ضلع مظفر نگر ہے۔ لیکن دہلی میں سکونت اختیار کر لی والد کا نام منشی بدرالدین ہے۔ جملہ علوم مولوی فیض الحسن سہارنپوری سے پڑھے، اور حدیث حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے پڑھی کمال قوت حافظہ کے مالک تھے، آخر تا عمر میں بینائی نہ رہی تھی، مگر پھر درسی کتابیں بڑی عمدگی سے پڑھایا کرتے تھے، سخن فہم اور شعر گو بھی تھی، درج ذیل کتابیں ان کے قلم سے نکلیں "صمصام التوحید فی رد التقلید (۲) ارشاد السائلین فی مسائل الثلاثین (۳) تذکیر الاخوان فی خطبۃ الجمعہ بکل لسان (۴) ارشاد الانام فی فرضیۃ الفاتحۃ خلف الامام (۵) تبصرۃ الانام فی فرضیۃ الجمعۃ والفاتحۃ خلف الامام مدت تک "ضیاء السنۃ" کلکتہ کے ایڈیٹر رہے، ۵۰ برس کی عمر میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء وفات پائی مولانا عبدالغفار حسن عمرپوری استاذ مدینہ یونیورسٹی میں ان کے پوتے ہوتے ہیں۔ (تراجم علماء حدیث ص ۱۶۰ طبع دوم)

سوال: کیا نماز جنازہ مسجد میں ناجائز ہے۔

جواب: برادران احناف کا دعویٰ ہے کہ ہم عامل بالقرآن والحدیث ہیں، اور مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی کے مصداق ہیں۔ ہمارا دین وہی دین ہے۔ جو صحابہ کرام کا تھا۔ ہمارا مذہب اعلیٰ وارفع ہے اور یہ فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں۔ ان احناف کا یہ بھی دعویٰ ہے۔ کہ ہم ہی حق پر ہیں۔ باقی سب مردود و باطل ہیں۔ ان کو یہ دعویٰ مبارک ہو۔ لیکن ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کریں۔ یوں تو احناف اپنے ہر طرز عمل کو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی کا مصداق بناتے ہیں۔ لیکن ہم جب ان کے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو احادیث کے خلاف پاتے ہیں اور صحابہ کرام رض کے آثار و طرز عمل کے بھی خلاف پاتے ہیں۔ آج ہم صرف مسجد میں میت کی نماز جنازہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ احناف کا عمل یہ ہے کہ وہ جنازہ کو مسجد میں لانے اور رکھنے سے منع کرتے ہیں۔ اور مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کیلیئے کتب احادیث کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا ہے۔ کہ محدثین نے اس مسئلہ کیلیئے ایک مستقل باب بایں الفاظ منعقد کیا ہے بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ فِی الْمَسْجِدِ پھر بطور استدلال حضرت عائشہ رض والی حدیث کو پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں عَنْ عَائِشَۃَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِہِ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْہِ فَاُنْکِرَ ذٰلِکَ عَلَیْھَا فَقَالَتْ وَاللّٰہِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَیْضَاءَ سُھَیْلٍ وَاَخِیْہِ فِی الْمَسْجِدِ رواہ مسلم فی باب جواز الصلٰوۃ علی المیت فی المسجد ج ۱ ص ۳۱۳ انتہی وفی الباب احادیث کثیرۃ من طرق عدیدۃ تبلغ درجۃ التواتر کما لا یخفی علی ماہر الحدیث
یعنی جب سعد بن ابی وقاص کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رض نے لوگوں سے کہا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تاکہ ہم مستورات بھی جنازہ کی نماز پڑھیں۔ اس پر بعض ناواقف لوگوں نے جن کو نماز جنازہ فی المسجد کے بارے میں علم نہیں تھا انکار کیا۔ تو حضرت عائشہ رض صدیقہ رض نے بطور استدلال ایک حدیث پیش کی اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابی سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ حضرت عائشہ رض کے اس بیان کو تمام صحابہ کرام

نے بلا چون و چراں قبول کیا پھر دوبارہ کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پس مذکورہ بالا روایت ہی اس بات کے لئے کافی و وافی ثبوت ہے۔ کہ مسجد میں جنازہ کو رکھا جاسکتا ہے اور مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے کیونکہ اعتکاف کی وجہ سے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی ہوگی۔ یا پہلے جائز تھا۔ بعد میں منسوخ ہوگیا کما سیاتی بیانہ اس حدیث کے علاوہ بھی۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اور دلائل بھی ملتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ کی نماز حضرت عمر نے (تمام صحابہ کرام کے سامنے) مسجد میں پڑھائی (کسی نے منسوخ نہ کہا) پھر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو حضرت صہیبؓ نے ان کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی۔ جیسا کہ موطا امام مالک میں مذکور ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وَوُضِعَتِ الْجَنَازَةُ تِجَاهَ الْمِنْبَرِ رواہ ابن ابی شیبۃ و زرقانی جلد ۲ ص ۱۵۔ یعنی جنازہ منبر کے سامنے رکھا گیا اور پھر نماز پڑھی گئی اس روایت سے اس خیال کی بھی تردید ہوگی۔ کہ جنازہ کی نماز مسجد کے کسی کونے میں ادا کی جا سکتی ہے۔ وسط مسجد میں نہیں عون المعبود شرح ابو داؤد جلد ۳ ص ۱۸۲ میں درج ہے وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ صُلِّيَ عَلَيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ مَعْلُوْمٌ اَنَّ عَامَّةَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ شَهِدُوا الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمَا فَفِي تَرْكِهِمْ اِنْكَارَهُ دَلِيْلٌ عَلٰى جَوَازِهِ۔

یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں کی نماز جنازہ میں عام مہاجرین و انصار نے شرکت کی اور کسی نے بھی اس کو برا نہ کہا۔ پس ثابت ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے وھکذا قال فی الموطا و فی البیھقی ایضا وَقَدْ رَأَيْتُ فِي الْمَكَّةِ كُلَّ يَوْمٍ غَيْرَ مَرَّةٍ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْفَرِيْضَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَامَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ عَلَى مَيِّتِ الْحَاضِرِ الصَّلٰوةُ رَحِمَ اللّٰهُ ثُمَّ وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ

لہ حنفیہ کی یہ عادت ہے کہ جو حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہو۔ اس کو منسوخ کہدیتے ہیں۔ بلا دلیل حدیث کو منسوخ کہنا انکار حدیث کی قسم ہے۔ اس جس کو تمام صحابہ کرام رضا نے بلا چوں و چراں تسلیم کیا اور کسی نے منسوخ نہیں۔ لیکن آج احناف کو یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ انا للہ (سعیدی)

عِنْدَ الْبَيْتِ، مُقَدَّمَةً دُوْنَ الْإِمَامِ فَصَلَّى الْإِمَامُ صَلٰوةَ الْجَنَازَةِ عَلَى مَيِّتِ الْحَاضِرِ عِنْدَ الْبَيْتِ وَالنَّاسُ خَلْفَهُ وَلَا نَعْلَمُ فِي ذٰلِكَ مِنْهُمْ فِيهِ اِخْتِلَافًا۔

یعنی ۱۹۳۰ء میں حج کرنے کیلئے مکہ معظمہ گیا تو، میں نے دیکھا کہ ہر روز فرض نماز کے بعد جب امام سلام پھیرتا تو موذن کھڑے ہو کر اعلان کرتا کہ جنازہ حاضر ہے نماز جنازہ پڑھ لیجئے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ پھر جنازہ بیت اللہ میں امام کے آگے رکھ دیا جاتا۔ اور وہ نماز پڑھاتا اور لوگ اس کے پیچھے ہوتے۔ میں بھی شریک جماعت ہو کر نماز جنازہ پڑھا کرتا تھا۔ اگر کسی میت کا جنازہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں لایا جاتا تو بھی امام صاحب اس وقت حرم میں موجود چند مقتدیوں کے ساتھ نماز جنازہ حرم ہی میں پڑھا دیتے تھے میں چاشت کے وقت طواف کی حالت میں مسجد حرام میں جاتا تھا تو دو ایک دفعہ جنازہ کی نماز میں شریک ہونیکا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مسجد حرام میں مشرق و مغرب سے آئے ہوئے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی تمام فرقوں کے لوگ مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور جنازہ کی نماز میں بھی بلا۔ چوں و چراں شریک ہوتے ہیں۔ کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جنازہ مسجد میں کیوں لایا گیا۔ اور منبر و محراب کے پاس رکھ کر امام نے کیوں اس کی نماز جنازہ پڑھائی میں نے بعض حنفی بزرگوں سے پوچھا کہ آپ کے مذہب میں جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا منع ہے۔ اس کے باوجود آپ مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز جنازہ کیوں پڑھتے ہیں تو جواب ندارد معلومات حج ۱۹۶۵ء میں لکھا ہے۔ وَهٰكَذَا رَأَيْتُ فِي الْمَدِيْنَةِ كُلَّ يَوْمٍ غَيْرَ مَرَّةٍ إِذْ سَلَّمَ الْإِمَامُ قَامَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ عَلَى مَيِّتِ الْحَاضِرِ الصَّلٰوةُ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ ثُمَّ وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فِي جَوْفِ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِحْرَابِ فَصَلَّى الْإِمَامُ الْجَنَازَةَ وَالنَّاسُ خَلْفَهُ بِلَا اخْتِلَافٍ وَهٰذَا يَقْتَضِي الْإِجْمَاعَ عَلَى جَوَازِ ذٰلِكَ۔

مطلب یہ ہے۔ مولف رسالہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ امام کو نماز جنازہ پڑھاتے دیکھا اس حال میں کہ جنازہ مسجد کے بیچ میں محراب کے پاس رکھا ہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیں مسجد نماز جنازہ پڑھنے کے جواز پر اجماع ہے۔

خیر یہاں تک تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ صحابہ کرام کے عمل اور اہل حدیث کے مسلک کو بیان کیا گیا۔ اب حنیفہ کی خبر لیجئے۔ جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے دعویدار ہیں۔

تفصیل میں اگر آپ جائیں گے تو جگہ جگہ آپ کو حنفیوں کے اس دعوے اور عمل میں تضاد نظر آئیگا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نماز جنازہ فی المسجد کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔ لَا تُصِحُّ الصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ فِی الْمَسْجِدِ کَمَا وَرَدَ فِیْ کُتُبِ الْحَنَفِیَّۃِ الخ بحوالہ نووی جلد اول ص۳۱۲

یعنی جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ حنیفہ کی چوٹی کی کتاب ہدایہ جو ان کے خیال میں قرآن کے مثل ہے۔ اس میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

وَلَا یُصَلّٰی عَلٰی مَیِّتٍ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَۃٍ لِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَلَہٗ وَلِاَنَّہٗ بُنِیَ لِاَدَاءِ الْمَکْتُوْبَۃِ وَلِاَنَّہٗ یَحْتَمِلُ تَلْوِیْثَ الْمَسْجِدِ الخ۔

ہدایہ جلد اول ص۱۶۱ یعنی جس مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہو۔ اس میں جنازہ پر نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھی اس کو کچھ بھی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ مسجد فرض نماز کے لئے بنائی گئی ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ مسجد میں جنازہ کو رکھنے سے اندیشہ ہے کہ بول و براز خارج ہونے سے مسجد گندی ہو جائے۔

حنفیوں کی عادت ہے۔ کہ جب امام صاحب کے قیاس اور رائے کو صحیح حدیث رد کر رہی ہو بلبلا جاتے ہیں۔ حواس باختہ ہو کر عقل و خرد کو بالائے طاق رکھ کر طرح طرح کی تاویلیں گھڑنے لگتے ہیں تاکہ امام صاحب کے قول و فتویٰ کا صحیح محل و مصداق نکل آئے

لہ یہ قول بلا سند امام صاحب کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ اس قول کو مولفین کتب فقہ کی طرف منسوب کرنا مناسب ہے کتب فقہ میں امام صاحب کا یہ قول بھی مشہور ہے اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ اس قول کے مطابق امام صاحب بری الذمہ ہیں۔ یہ مولفین کتب فقہ کے سر پر سہرا ہے (سعیدی)

کبھی حدیث کی سند میں کیڑے نکالتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے غرضیکہ امام صاحب کے فتویٰ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے۔ عام حدیث کو خاص کرنے۔ خاص کو عام کرنے۔ ضعیف حدیث کو مشہور و متواتر اور متواتر کو ضعیف کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس سے بھی مقصد برآری نہیں تو حدیث کے الفاظ گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں۔ اس مرض میں حنیفوں کے چھوٹے بڑے سب علماء مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کی حدیث دانی اسی قسم کی تاویلات کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا سطروں میں ہدایہ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے مذہب کو ثابت کرنے کیلئے یہ حدیث نقل کی ہے۔ مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهٗ۔

یعنی جس نے جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھی اس کیلئے کوئی اجر نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی نہ کوئی سند بیان کی اور نہ حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ دیتے بھی کہاں سے جب کہ یہ حدیث ہی من گھڑت ہے۔

صاحب ہدایہ پر یہ بہت بڑا دھبہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے قول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے گھڑی ہوئی حدیث پیش کر دی۔ صاحب ہدایہ تو گذر گئے۔ ان کے بعد آنے والے حنفی علماء کو خیال آیا کہ اس دھبہ کو دور کرنا چاہیے اور طالبان حق کا یہ خلجان دور کرنا چاہیے کہ اس حدیث کی نہ سند ہے نہ حوالہ۔ چنانچہ مولنا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی نے بخاری شریف کے حاشیہ پر اسی طرح مشکوۃ کے محشی نے جب اس مسئلہ کے موافق و مخالف پہلوؤں کو واضح کیا تو اپنا مذہب بایں الفاظ بیان کیا۔ فَعِنْدَنَا مَکْرُوْہٌ لِحَدِیْثِ الَّذِیْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی مَیِّتٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی مَنْ صَلّٰی عَلٰی مَیِّتٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ انتہی۔

یعنی ہمارے نزدیک مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ پر مسجد

میں نماز پڑھے گا۔ اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کی نماز جنازہ ہی ادا نہیں ہو گی۔ اس حاشیہ کو پڑھنے کے بعد حنفی طالب علم مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہمارا مذہب برحق ہے۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ غلط تلقین کی گئی ہے۔

حنفی علماء کو چیلنج ہے کہ وہ بتائیں یہ حدیث ٹھیک ان ہی الفاظ کے ساتھ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں کہاں اور کس باب میں وارد ہے۔ حنیفہ کے تمام بزرگ قیامت تک کوشش کریں تو صحت نقل کی ذمہ داری سے سبک دوش نہیں ہو سکتے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کجا ساری صحاح ستہ اور تمام کتب حدیث میں یہ الفاظ نہیں دیکھا سکتے۔ اس لئے کہ یہ حدیث بالکل بناوٹی۔ جھوٹی اور موضوع ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رِوَايَةُ فَلَا أَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَقَالَ مُلَّا عَلِي قَارِي اَيْضًا فِي كِتَابِهِ مَوْضُوعَاتِ كَبِيرِ حَدِيثُ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَالصَّوَابُ رِوَايَةُ فَلَا شَيْئَ لَهُ قُلْتُ وَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى رِوَايَةِ فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ۔ یعنی علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ فَلَا اَجْرَ لَهُ والی حدیث بالکل بے بنیاد ہے۔ اور علی قاریؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ فَلَا اَجْرَ لَهُ کو فرمان رسول قرار دینا کھلی خطا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ فَلَا شَيْئَ لَهُ۔ صحیح ہے جس کے معنی ہیں فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ۔ یعنی جو شخص جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھے گا اس پر کوئی برائی نہیں لادی جا سکتی۔ ابوداؤد میں جو روایت ہے اس میں فَلَا اَجْرَ لَهُ کے بجائے فَلَا شَيْئَ لَهُ ہے جس کے معنی ہیں۔ فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ اسی طرح عنایہ صفحہ ۱۶۱ جزء ۱ میں مذکور ہے کہ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رِوَايَةُ فَلَا اَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَالصَّحِيحُ فَلَا شَيْئَ لَهُ لفظ فَلَا اَجْرَ لَهُ اور فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ، کے مفہوم میں تضاد ہے۔ دونوں کی حقیقت جدا جدا ہے۔ حنفی علماء نے فَلَا شَيْئَ کو فَلَا اَجْرَ سے اس لئے بدل دیا تاکہ امام صاحب کا مذہب ثابت ہو جائے۔ آپ نے دیکھا اندھی تقلید کا تماشہ سچ ہے حُبُّكَ الشَّيْئَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ یہ لوگ امام صاحب کے قول کو ثابت کرنے کیلئے قرآن وحدیث میں ردوبدل کرنے کیلئے بھی تیار رہتے ہیں

ان لوگوں نے شریعت کو موم کی گڑیا سمجھ رکھا ہے جس طرف چاہا موڑ دیا۔ ان کے نزدیک اصل حجت و دلیل امام صاحب کا قول ہے۔ اور قرآن و حدیث کو امام صاحب کے قیاس ورائے کے تابع بنا رکھا ہے۔ کتنی ہی صحیح ترین حدیث ان کے سامنے رکھدی جائے اگر وہ امام صاحب کے فتویٰ کے خلاف ہے تو کبھی نہیں کہیں گے کہ امام صاحب نے اجتہاد کرنے میں غلطی کی اور اگر صحیح کے مقابلہ میں ضعیف حدیث سے امام کی تائید ہوتی ہو تو فوراً دلیل میں پیش کر دیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے کو امام صاحب کے قول کا مکلف سمجھتے ہیں اور قرآن و حدیث کی باتیں ذیلی جانتے ہیں۔ جب یہ لوگ چاروں طرف کے دلائل سے گھر جاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ عِنْدَنَا اَوْعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَوْعِنْدَ اَصْحَابِنَا ھٰکَذَا یہ مسئلہ ہمارے نزدیک یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یا ہمارے اصحاب کے نزدیک اسی طرح ہے ہم اُسی کو مانیں گے اور اسی پر عمل کرینگے۔ کیونکہ ہم ان کے مقلد ہیں مذکورہ بالا حدیث کو پھر ملاحظہ فرمائیں ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ فَلَا شَیْئَ لَہٗ محدثین نے اس کے معنی فَلَا شَیْئَ عَلَیْہِ کے بیان کئے ہیں جس کی رو سے اس حدیث میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی مذکورہ بالا احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

یہاں لَہٗ کے لام کو علی کے معنی میں لینا ہی درست ہے اور اگر لام کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ حنیفہ کو یہ حدیث امام صاحب کے قول کی تائید میں پیش نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث قابل حجت و قابل عمل نہیں ہو سکتی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قَدْ اَجَابُوْا مِنْ حَدِیْثِ سُنَنِ اَبِیْ دَاؤُدَ بِاَجْوِبَۃٍ اَحَدُھَا اَنَّہٗ ضَعِیْفٌ لَایَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِہٖ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ ھٰذَا حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ۔

تَفَرَّدَ بِہٖ صَالِحٌ مَوْلَی التَّوْءَمَۃِ وَھُوَ ضَعِیْفٌ اَیْضًا۔

—— نووی ص ۳۱۳ ج ۱ امام نووی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ کسی مسئلہ کیلئے دلیل نہیں بن سکتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ

حنیفہ کا یہ مسئلہ بلا دلیل اور بے بنیاد ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز نہیں اس کے باوجود حنیفہ یہی فتویٰ دیتے رہیں گے۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں شرح وقایہ جلد اول ص۲۵۵ میں ہے کہ وکرہت فی مسجد جماعۃ ان کانت المیت فیہ اور عنایہ جلد اول ص۱۶۱ میں یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قولہ فی مسجد جماعۃ اذا کانت الجنازۃ فی المسجد فالصلوۃ علیہا مکروھۃ باتفاق اصحابنا اور اسی طرح کنز الدقائق اور رد المحتار اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی مذکور ہے یہ حنیفہ کی ہٹ دھرمی کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ شروع میں مسلم شریف سے حضرت عائشہ رضؓ کی ایک حدیث نقل کی جا چکی ہے۔ امام مسلم رحؒ نے اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں متعدد سندوں سے اتنی حدیثیں آئی ہیں۔ جو درجہ تواتر کو پہنچتی ہیں۔ حنیفہ نے حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ اعتکاف کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھی ہوگی یا پہلے پڑھی جاتی ہوگی بعد میں منسوخ ہوگی۔ یہ دونوں باتیں اٹکل سے کہی گئے ہیں کوئی ثبوت نہیں کہ آپ معتکف تھے۔ اعتکاف کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنا ضروری تھا تو آپ رضؓ جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے مسجد سے باہر بھی تشریف لا سکتے تھے۔ غیر ضروری تھا تو نماز کیلئے جنازہ کو مسجد میں کیوں داخل کیا گیا۔ جب کہ بقول احناف مکروہ ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے کئی واقعوں کی طرف اشارہ کیا ہے کیا ہر دفعہ آپ اعتکاف کی حالت میں تھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ اگر اعتکاف کی وجہ سے مکروہ مباح ہوگیا۔ تو صحابہ رضؓ کو اس کا علم ہونا چاہئے تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث سن کر صحابہ رضؓ خاموش کیوں ہو گئے۔ رہا یہ کہ پہلے جائز تھا۔ بعد میں منسوخ ہوگیا۔ تو ناسخ و منسوخ قرار دینے کیلئے ضروری ہے کہ ایک درجہ کی دو متعارض حدیثیں موجود ہوں اور ان کی تاریخ بھی معلوم ہو کہ منسوخ حدیث پہلی کی ہے اور ناسخ بعد کی اگر صحیح حدیث اور ضعیف حدیث میں تعارض ہو تو

ناسخ ومنسوخ کہہ کر تعارض کو دفعہ نہیں کیا جائیگا۔ اگرچہ مقدم ومؤخر معلوم ہو یہاں ناسخ ومنسوخ کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ اس مسئلہ میں ایک ہی طرح کی حدیثیں ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے اس کے خلاف ایک حدیث بھی نہیں ہے اگر یہ حکم منسوخ ہوتا تو آپ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ رضؓ اس کے خلاف نہ کرتے حالانکہ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے حدیث بیان کرنے لبعد سعد بن ابی وقاص رضؓ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی البتہ اس حدیث متواتر اور امامؒ صاحب کے قول میں تعارض ہے۔ کیا آپ امام صاحب کے قول ناسخ اور حدیث متواتر کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

صاحب ہدایہ کا کہنا کہ مسجد فرضوں کیلئے ہے اور مسجد میں جنازہ رکھنے سے مُردہ کی گندگی ٹپکنے اور مسجد کے مُلوّث ہوجانیکا اندیشہ ہے محل نظر ہے احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ معلوم ہوجائیگا کہ قرن اول میں مسجدوں میں کیا کیا امر انجام پاتے رہے ہیں۔ اس کی بھی فہرست ملے گی۔ اگر مسجد صرف فرضوں کیلئے ہے تو آپ اس میں سنت ونفل کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا نماز جنازہ فرض نہیں ہے فرض عین نہ سہی۔ فرض کفایہ تو ہے تلویث مسجد کا احتمال زندوں سے بھی وابستہ ہے۔ ایسی اضطراری کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ جس سے بول وبراز خطا ہوجائے اس لئے مردوں اور عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیجئے یہ سب قباحتیں محض اس لئے پیدا ہورہی ہیں کہ آپ امام صاحب کے غلط فتویٰ کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں حنیفہ سے شکایت ہے کہ وہ امام صاحبؒ سے اس درجہ عقیدت رکھتے ہیں کہ اگر امام صاحبؒ کے قول کے خلاف کسی صحابی نے حدیث بیان کی ہے تو اس صحابی کی تنقیص کرنے لگتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کی روائیت کردہ حدیثیں حنفی مسلک سے ٹکراتی ہیں اس لئے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو غیر فقیہ کہنا شروع کردیا۔ ابوداود کی روایت لَا شَيْءَ لَہٗ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے۔ اور مولنا احمد علی سہارنپوری کے کہنے کے مطابق

لَا اَجْرَ لَهٗ اور لَا صَلٰوۃَ لَهٗ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہیں پہلی حدیث ضعیف اور دوسری موضوع ہے۔ ایک حنفی بزرگ کہنے لگے کہ جب ابوہریرہ رضؓ کی روایت جھوٹی اور موضوع ٹھیری اسی وجہ سے ہدایہ و نہایہ اور اکثر تفسیروں میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے اس لئے ہر مسئلہ میں ہم ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کو نہیں مانتے ناظرین یہ صریح بہتان ہے ہدایہ و نہایہ اور ابن کثیر وغیرہ کیا دنیا کی تمام کتب رجال اور اسماء الرجال میں کہیں نہیں ہے کہ ابوہریرہ متہم بالکذب تھے یہ منکرین حدیث کذب بیان کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے سنئے علامہ عجاج الخطیب اپنی کتاب اعلام العرب ص ۱۴۹ میں یوں فرماتے ہیں۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنْتَ اَعْلَمُنَا یَا اَبُوْ هُرَیْرَةَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَحْفَظُنَا لِحَدِیْثِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا اے ابوہریرہ تم ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جانتے ہو اور تمھیں ہم سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۹ وقال حافظ المغرب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر ان ابوھریرۃ من احفظ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یحضر مالا یحضر سائر المہاجرین والانصار لاشتغال المہاجرین بالتجارۃ والانصار بحوائطھم الخ الاستیعاب ج ۴ ص ۲۰۸ وقال ابن الاثیر ابوہریرۃ الدوسی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واکثرھم حدیثا عنہ الخ۔ اُسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۵ کان ابوھریرۃ وثیق الحفظ ما علمنا انہ اخطأ فی حدیث الخ اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۴۶ وقال ابو صالح السمان کان ابوہریرۃ من احفظ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۴ وابن عساکر ص ۸۱ وقال الشافعی ابوہریرۃ رضؓ احفظ من روی الحدیث فی دہرہ الخ اعلام العرب ص ۱۹۴ قال البخاری روی عنہ نحو ثمان مائۃ من اھل العلم وکان احفظ من روی الحدیث فی عصرہ۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۵ والبدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۳ وقیل لابن عمر ہل تنکر مما یحدث بہ ابوہریرۃ شیئا فقال لا ولکنہ اجترأ وجبنا الخ اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۷ وفی تاریخ دمشق ج ۷ ص ۴۹۲ وقال طلحۃ بن عبید اللہ لا نشک انہ سمع مالم نسمع الخ اعلام

النداء ج۲ ص۳۶ واصابہ ج۲ ص۲۰۶ وفی الباب احادیث کثیرۃ کمارواہ البخاری واقوال کثیرۃ کما لا یخفی علی ماھر الحدیث والفنون من یرید الاطلاع فلیراجع الیہ ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان بالبرھان واقول ھذا مختصرا بخوف الطول ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۱۵ ش ۱۵ ۱۹۰۱)

جیبب الرحمٰن مالدہی مقام کڑیا ڈاکخانہ کمارگنج ضلع مالدہ

سوال۔ نماز جنازہ کا صحیح نقشہ تحریر فرمائیں۔ کیا نماز جنازہ جوتیاں پہن کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جواب۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ امام فوت شدہ مرد کے کندھوں کے برابر اور عورت کے وسط میں قبلہ رو باوضو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کے ہمراہ رفع الدین کرتا ہوا سینے پر ہاتھ باندھ کر سورہ فاتحہ پڑھ کر پھر کوئی اور سورۃ باآواز بلند پڑھے اور مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ پڑھ کر خاموش ہو جائیں پھر امام تین یا چار تکبیروں میں درود شریف وادعیہ مسنونہ جہری آواز سے اور مقتدی آہستہ پڑھ کر کھڑے کھڑے امام ساتھ دائیں بائیں سلام پھیر دیں۔ صاف جوتی سے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۶)

سوال۔ سیلاب میں ایک مردہ عورت کی نعش بہتی ہوئی آئی جس کے ہندو یا مسلمان ہونیکی کوئی علامت نہیں تھی۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا مردہ ہے اور مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارا ہے۔ اس کی شناخت کیونکہ ہو گی اور نعش کو ہندو لیں یا مسلمان۔

جواب۔ جب اس عورت کی نعش میں کوئی ظاہری علامت اور قرینہ (از جہت لباس و زیورات دتباہ شدہ سیلاب زدہ) مسلمان ہونے کا نہیں پایا جاتا تو اس کے پیچھے پڑنا فضول ہے محض شبہ اور احتمال کی بنا پر اس کو مسلمان سمجھنے کے آپ مکلف نہیں ہیں۔ پس ایسی

حالت میں اگر آپ اس پر نماز جنازہ نہ ادا کریں اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں تو شرعی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ومن لا یدری انہ مسلم او کافر فان کان علیہ سیماء المسلمین او فی بقاع دار الاسلام یغسل والا فلا ( )

(محدث دہلی جلد ۹ ش ۵)

مولانا عبید اللہ رحمانی شارح مشکوۃ

سوال: (۱) دس سال کی عمر کا لڑکا بالغ ہے یا نابالغ؟

(۲) اس کے جنازہ کی نماز میں کونسی دعا پڑھنی چاہیے؟

(۳) اس کیلئے دعا مغفرت؟

جواب: (۱) پندراں (۱۵) برس کی عمر سے پہلے جماع۔ یا بغیر جماع کے بیداری یا خواب میں انزال ہونے سے لڑکا شرعاً بالغ ہو جاتا ہے اور پندرہ برس کی عمر کو پہنچ جانے پر بغیر انزال کے بھی شرعاً بالغ سمجھا جائیگا قال الحافظ فی الفتح قد اجمع العلماء علی ان الاحتلام فی الرجال والنساء یلزم بہ العبادات والحدود وسائر الاحکام وھو انزال الماء الدافق سواء کان بجماع او غیرہ وسواء کان فی الیقظۃ او فی المنام و اجمعوا علی ان لا اثر للجماع فی المنام الامع الانزال انتہی۔ عن ابن عمر قال عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الخندق فلم یجزنی ولم یرنی بلغت (عبد الرزاق وابو عوانۃ وابن حبان) قال الحافظ فی الفتح واستدل بقصۃ ابن عمر علی ان من استکمل خمس عشرۃ سنۃ اجریت علیہ احکام البالغین ان لم یحتلم فیکلف بالعبادات واقامۃ الحدود الخ گرم ملکوں میں بعض لڑکے دس گیارہ برس کی عمر میں محتلم ہو جاتے ہیں کما فی تھذیب التہذیب فی ترجمۃ عبد اللہ ابن عمرو بن العاص لم یکن بینہ وبین ابیہ فی السن سوی احدی عشرۃ سنۃ معلوم ہوا دس برس کی عمر میں احتلام کے ذریعہ بالغ ہونے کا احتمال ہے والعشر زمن احتمال البلوغ بالاحتلام (السراج المنیر)

(۲) نابالغ بچے کی نماز جنازہ میں بہتر یہ ہے کہ یہ دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا اِذَا کَانَ الْمُصَلّٰی عَلَیْہِ طِفْلًا استحب ان یقول المصلی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا روی ذلك البیهقی من حدیث ابی هریرة وروی مثله سفیان فی جامعه عن الحسن نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۰۶۔

(۳) حنابلہ اور احناف بچے کیلئے دعا استغفار کے قائل نہیں ہیں ففی الهدایة ولا یستغفر للصبی ولکن یقول اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ الخ وقال ابن عابدین الحاصل ان مقتضی المتون والفتاوی وصریح غرر الاذکار الاقتصار فی الطفل علی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وفرطا وحاصله انه لا یاتی بشیء من دعاء البالغین اصلا بل یقتصر علی ما ذکر انتهی وفی المغنی لابن قدامة وان کان المیت طفلا جعل مکان الاستغفار له اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ الخ۔

اور مالکیہ کے نزدیک بچوں کیلئے دعائے مغفرت جائز بلکہ مستحب ہے کما فی الشرح الکبیر (محدث دہلی جلد ۹ ش ۸)۔

توضیح الکلام:۔ حنابلہ اور احناف کے نزدیک بچے کیلئے نماز جنازہ میں دعائے بخشش کی جائز نہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان فرمایا ہے لیکن حنابلہ اور احناف نے بخشش کی ممانعت پر کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے بیان نہیں۔ ماسوا اس کے کہ بچہ کیلئے یہ دعا پڑھنی چاہیے انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے لیکن اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ عام جنازہ کی دعاؤں میں سے یہ بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا الخ اس دعا میں وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا بھی ہے اس میں بچے اور جوان سب کے لئے بخشش کا ذکر ہے لہٰذا اس میں مالکی مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی عفی عنہ

سوال:۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر میت کیلئے دعا کرنی ثابت ہے۔ یا نہیں۔

جواب:۔ کسی مرفوع روایت یا صحابی کے قول و فعل سے نماز جنازہ سے سلام پھیر کر

میت کیلئے دعا کرنی ثابت نہیں اس لئے یہ بلاشبہ بدعت ہے۔

(محدث دہلی جلد ۹ ش ۸)

مفتی مدرسہ رحمانیہ دہلی

نماز جنازہ غائبانہ اور مولنا مودودی صاحب از مولنا شکر اللہ نعمانی

حضرت مولنا ابوالاعلیٰ مودودی ایک مخصوص مکتب فکر کے موجد اور ہند اور پاکستان کی مشہور شخصیت ہیں۔ جب قید و بند سے آزاد ہوتے ہیں۔ تو مسجد میں درس حدیث بھی دیتے ہیں۔ آپ نے اسی درس میں حدیث ابوہریرہ رضؓ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کے مرنے کی خبر اسی روز دی جس روز اس کا انتقال ہوا تھا الخ کے تحت فرمایا کہ۔

اس روایت سے پہلا مسئلہ نماز جنازہ غائبانہ کا پیدا ہوتا ہے۔ حضور نے تین مواقع پر نماز جنازہ پڑھی ہے ایک نجاشی کی دوسری جعفر طیار کی تیسری ایک اور صحابی معاویہ رضؓ کی۔ اس بنا پر فقہاء کا ایک گروہ اُسے مسنون قرار دیتا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ طریقہ مسنون اس لئے نہیں کہ حضور ؐ کے زمانہ میں بہ کثرت صحابہ کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا۔ مگر حضور ؐ نے نماز غائبانہ نہیں پڑھی جن تین صحابہ کی آپ نے غائبانہ نماز پڑھی اس کی کوئی وجہ اور سبب موجود تھا۔ مثلاً نجاشی۔ کہ وہ وہاں اکیلا مسلمان تھا۔ اور کوئی مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا موجود نہ تھا۔ اس لئے حضور ؐ نے اس کی غائبانہ نماز پڑھی۔ دوسرے جعفر طیار رضؓ کہ وہ کفار کے لشکر میں گھر کر شہید ہوئے اور وہاں نماز جنازہ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ علی ہذا القیاس اس طرح کا کوئی سبب موجود ہوتا تھا۔ جس کی بنا پر حضور ؐ نے دو تین مرتبہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ تاہم چونکہ حضور کے عمل سے ثابت ہے اس لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا جائز اور ممنوع نہیں تجلی دیوبند ۷ لہ ۴۸ مئی ۶۷ء اس مقام پر مولنا نے بھی اگرچہ عام علمائے احناف کی روش اختیار کی ہے۔ لیکن اتنا تو انہوں نے صراحۃً اعتراف فرمایا ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ ممنوع و ناجائز نہیں جیسا کہ علمائے

احناف کی اکثریت ہے فتویٰ دیتی ہے وہ علل واسباب جن کو مولانا نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ تو وہ مہمل وعبث اور غیر ثابت شدہ ہیں حضرت معاویہ کا انتقال مدینہ میں ہوا تھا۔ اور آپ نے نماز جنازہ تبوک میں ادا فرمائی۔ حالانکہ مدینہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اور ان ہی لوگوں نے تجہیز و تکفین کی تھی۔ واللہ اعلم

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۱۷ش ۱۷)

احکام میت کے

سوال ۱:۔ آپ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو بدعت کہا ہے اور کنز العمال کی ایک روایت سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے دیکھئے ابراہیم ہجیری سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی کو دیکھا وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور ان کی صاجزادی کا انتقال ہوگیا تھا (الی قولہ) پھر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے صاحب زادی کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔ پھر اتنی دیر کھڑے دعا کرتے رہے جس قدر دو تکبیروں میں وقفہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے چار تکبیروں کے بعد اتنی دیر دعا مانگی جتنی ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک تاخیر ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ثم قام بعد ذلک قدر ما یکون بین تکبیرتین یدعو۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

سوال ۲:۔ آپ نے فقہاء کے اقوال سے یہ ثابت کیا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے اور نماز جنازہ میں زیادتی کے مترادف ہے۔ لیکن آپ نے بعض فقہاء کا قول نقل نہیں کیا کہ لا بأس بہ (بحر الرائق) کے جس حوالہ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہے وعن الفضل لا بأس بہ۔ یعنی محمد بن فضل سے مروی ہے۔ کہ

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال ۳:۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوگئی اور ان کو غسل کے لئے لٹایا گیا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کی مدح و توصیف کی ان کے لئے دعا رحمت کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ سے پہلے بھی میت کے لئے اجتماع کے ساتھ دعا کرنا ناجائز ہے بلکہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

سوال ۴:۔ بزرگان دین اور مشہور اولیاء اللہ کے مزارات پر پھولوں کے ہار اور پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور آج کل ملک کے بڑے بڑے رہنماؤں کی قبروں پر بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے۔

سوال ۵:۔ جنازہ کے بعد ایک رسم ادا کی جاتی ہے جسے اسقاط کہتے ہیں۔ میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقدی باندھتے ہیں اور ایک دائرہ بنا لیتے ہیں امام مسجد اس دائرہ میں ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید اور نقدی ہاتھ میں لیتا ہے اور اس مضمون کے الفاظ کہتا ہے کہ اللہ کے جتنے حقوق فرائض۔ واجبات۔ کفارات وغیرہ میت کے ذمہ ہیں اور ابھی تک ادا نہیں کئے گئے۔ اور آج میت ان کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ قرآن مجید اور نقدی بطور حیلہ اسقاط کے ادا کئے جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس میت کو بخش دے۔ ان الفاظ کے بعد امام کسی دوسرے کی ملک کر دیتا ہے تین دفعہ اس کو پھرا جاتا ہے۔ اس کے بعد نصف امام کو اور نصف غرباء میں وہ نقدی تقسیم کردی جاتی ہے۔ اس مروجہ حیلہ کا کیا حکم ہے۔

اس عاجز کے فتویٰ پر جو شبہات پیش کئے گئے ہیں۔ پہلی ان کے متعلق توضیحات عرض کروں گا وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

جواب ۱:۔ کنز العمال کی جس روایت کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے۔ یہ روایت مسند امام احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے اس حدیث کے سمجھنے میں سائل کو کچھ غلط فہمی

ہوئی ہے۔ یہ دعا نماز جنازہ کے سلام کے بعد نہیں تھی۔ بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے تھی۔ پورا واقعہ اس طرح ہے۔

كَبَّرَ أَرْبَعًا فَمَكَثَ سَاعَةً حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا دمَا هٰذَا؟) فَقَالَ إِنِّي لَا أَزِيْدُكُمْ عَلٰى مَا رَأَيْتُ رسول الله صلے الله عليه وسلم اذكار امام نووی ص۲۰ یعنی چار تکبیریں کہہ کر اس قدر ٹھیرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے۔ پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھرا۔ جب فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیا کیا تو فرمایا کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کروں گا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد نہیں تھی بلکہ نماز جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے تھی۔ یہ مسلمات میں سے ہے کہ سلام سے پہلے نماز ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے جو مسئلہ میں نے عرض کیا تھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں۔ بحال رہا شبہ جو ظاہر کیا گیا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

جواب۲ : یہ صحیح ہے کہ بعض فقہاء نے دعا بعد از نماز جنازہ کے لئے کہا ہے لا بائس به مگر اس اصل اصول کو پیش نظر رکھیے جو تمام فقہاء اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ کوئی عمل جسے ہم دین اور عبادت سمجھ کر اور دوسرے لفظوں میں موجب ثواب سمجھ کر کریں اور اس کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ نہ صحابہ کرام سے وہ ناجائز ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہے۔ چونکہ یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت نہیں اس لئے اسے بدعت سمجھ کر پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ایک محمد بن فضل کے اس اس لفظ۔ لا بائس به۔ کو آپ نے لیا۔ اور فقہاء کرام نے بالعموم اسے بدعت کہا۔ اور زیادت فی الدین کہا اسے آپ نظر انداز کر رہے ہیں۔ تعجب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ۔ لا بائس به۔ کا لفظ فقہاء کے نزدیک خلاف مستحب کے

مترادف سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ شامی جلد اول کتاب الجنائز بیان تعزیت کے ذیل میں لکھا ہے لا بأس بہ۔ ھٰہنا علی الحقیقۃ لانہ خلاف الاولی یعنی تعزیت کرنے والوں کیلئے میت کے وارثوں کا بیٹھنا ایسا ہے کہ لا بأس بہ فرماتے ہیں کہ لفظ لابأس بہ کا استعمال اس جگہ اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ یعنی خلاف اولیٰ ہے جب یہ عمل خلاف اولیٰ ہو تو اس کا معنی یہ ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنا افضل ہے اور دعا مانگنے میں اجر نہیں۔ کیونکہ اسی فتویٰ شامی جلد اول بیان احکام مسجد کے ذیل میں لکھا ہے۔

ولا بأس بہ بنقشہ خلا المحراب فی ھذا التعبیر کما قال شمس الائمۃ اشارۃ الی انہ لا یؤجر ویکفیہ ان ینجو راسا براس اھ۔ قال فی النھایۃ لان لفظ لابأس بہ دلیل علی ان المستحب غیرہ ص۴۸۶ یعنی محراب کے سوا مسجد میں نقش ونگار کرنے میں گناہ نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ لابأس کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے میں جیسا کہ شمس الائمہ نے کیا ہے۔ اس طرف اشارہ کہ اس میں ثبوت نہیں۔ اگر نقش ونگار مسجد میں کرانے والا برابر برابر رہے اور نجات مل جائے تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ لفظ لابأس جہاں استعمال میں ہو تو سمجھ لیجئے کہ مستحب امر اس کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ لفظ لابأس اگر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہو تو دعا نماز جنازہ کے بعد کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ لابأس کو حقیقی معنوں پر محمول کریں اگر مجازی معنوں پر محمول کریں تو یہ معنی ہوگا کہ میت کیلئے بعد نماز جنازہ دعا فی حد ذاتہ تو جائز ہے مگر جب اس کا التزام کیا جائے اور اہتمام کے ساتھ ایک خاص ہیئت اجتماعی سے دعا کی جائے اور اس پر اصرار ہو اور تارک مستحق ملامت سمجھا جائے تو یہ عمل ناجائز ہوگا۔

جواب ۳ یہ۔ صحیح بخاری کی جس روایت کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ اس میں اس بات کا قطعاً ذکر نہیں کہ لوگ دعا کرنے کے لئے اہتمام سے جمع ہوتے تھے۔ شارحین بخاری نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمرؓ کو غسل کے لئے لٹایا گیا تھا۔ اس وقت جو حضرات موجود تھے ظاہر ہے وہی لوگ ہونگے جو غسل کی ضروریات کو انجام دینے والے تھے۔ اور غسل کو انجام

...ہی کے لئے ہی حاضر ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت درد رقت طاری ہوتی ہے۔ اور بے ساختہ اس کی زبان پر میت کے لئے دعاء مغفرت آجاتی ہے اس دعا کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔

بہرحال اس واقعہ میں یا اس حدیث میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ خاص اہتمام کے ساتھ دعاء کے لئے جمع ہوئے تھے۔ یہ واضح رہے کہ میت کے لئے نفس دعا تنہا تنہا ہر وقت جائز ہے زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کے علاوہ اہتمام و اجتماع کے ساتھ میت کے لئے دعا کرنا ثابت نہیں۔ اور اسے علماء نے بدعت قرار دیا ہے۔ شریعت نے میت کے لئے اہتمام و اجتماع کے ساتھ دعا کے لئے صرف نماز جنازہ کی تعلیم دی ہے اس پر اضافہ کرنا دین میں اضافہ کرنا ہے۔

اس کی ایک مثال کتب فقہ حنفیہ سے ہی دیتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

صاحب بحر الرائق نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ اہل میت کا مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں مکروہ ہے۔ یہ مضمون تقریباً فتح القدیر، عالمگیری، شامی اور شرح منیہ سب میں ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے۔

مگر صاحب بحر الرائق نے تعزیت کے لئے بیٹھنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ لَمَّا قُتِلَ جَعْفَرُ وَزَیْدُ بْنُ حَارِثَۃَ وَالنَّاسُ یَأْتُوْنَہٗ وَیُعَزُّوْنَہٗ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے جب کہ جعفر رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر آئی۔ لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔

علامہ شامی اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یجاب عنہ بان جلوسہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن مقصوداً للتعزیۃ (رد المختار صفحہ ۶۶۴ ج اول) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا بغرض تعزیت نہ تھا یعنی اتفاقاً تھا۔ اور آپ کو بیٹھے دیکھ کر لوگ حاضر خدمت ہو کر تعزیت کرتے تھے۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقیہ بیٹھنے اور لوگوں کی تعزیت

کرنے سے یہ سمجھ کر استدلال کر لیا۔ کہ تعزیت کیلئے بیٹھے تھے۔ اسی طرح ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں بخاری کی روایت میں بغرض غسل جمع ہونے اور دعا کرنے کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ نماز جنازہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی دعا کے لئے اجتماع کیا گیا۔ پس علامہ شامی نے جو جواب اس استدلال کا دیا ہے، وہی جواب آپ اپنے سوال کا سمجھ لیں۔

جواب :۔ بزرگان دین اور مشہور اولیاء اللہ کے مزارات پر پھولوں کے ہار یا پھولوں کی چادریں چڑھانے کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف۔ اگر یہ اس بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہے تو قطعاً حرام ہے۔ یعنی اس خیال سے پھول چڑھائے جائیں کہ بزرگ ہم سے خوش ہو۔ اور ان کی خوشی سے ہماری حاجت برآری ہو تو فقہاء اور محدثین سب کے نزدیک بالاجماع باطل اور حرام ہے۔

درمختار وغیرہ کتب فقہ حنفیہ میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ۔

إِنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ وَمَا تُوْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ يعنی وہ نذر جو مردوں کے لئے کی جاتی ہے اور اسی طرح وہ نقدی روپے پیسے یا شمع اور تیل وغیرہ اشیاء جو قبور اولیاء کرام کے لئے ان کے تقرب کے لئے حاصل کی جاتی ہیں یہ سب اجماع امت سے باطل اور حرام ہیں

(ب) اگر تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے ہے جس کا احتمال بہت کم ہے تو یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ قبر محل زینت نہیں۔ بلکہ احادیث نبویہ کے مطابق قبر کی زیارت اس مقصد سے ہونی چاہیئے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی یاد تازہ ہو۔ آپ نے فرمایا زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔

قبروں کی زیارت کی اجازت دی جاتی ہے اس سے دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوتی ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ پس جو کام کہ خلاف زہد اور خلاف تذکر آخرت ہو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے۔ مقصد زیارت کے خلاف ہوگا۔ اس لئے قبر کو پھولوں کے ہار یا پھولوں کی چادر سے سجانا خلاف مقصد شارع ہوگا۔

ایک حدیث سے استدلال صحیح بعض حضرات اس رسم کے لئے مشکوٰۃ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذکر کردیا جائے مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَةٍ مُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةٍ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ یَیْبِسَا۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے، تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور کسی بڑے کام میں نہیں (یعنی کسی بڑے مشکل کام کی وجہ سے نہیں جس سے بچنا آسان نہ تھا) ہاں! ایک نوجوان ان میں سے یہ کام کرتا تھا کہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، اور مسلم کی روایت کے مطابق پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی لی۔ اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر ہر ایک قبر میں ایک ایک ٹکڑا ٹہنی کا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا اُمید ہے کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوتیں ان قبر والوں سے عذاب کی تخفیف ہو جائے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ تمسک میکنند جماعہ بایں حدیث در انداختن سبزہ وگل وریحان بر قبور وخطابی کہ از ائمہ اہل علم وقدوہ شرح حدیث است۔ ایں قول را رد کردہ است وانداختن سبزہ وگل را بر قبور متمسک بایں حدیث انکار نمودہ گفتہ کہ ایں سخن اصلے ندارد ودر صدر اوّل نبود و بعضے گفتہ اند بنا براں تحدید وتوقیت بدانست کہ آنحضرت شفاعت خواست در تخفیف عذاب،، پس قبول کردہ شد از وے تا مدت خشک شدن آں شاخ وکلمہ لعل ناظر است دریں معنی وگرنانی کہ در جریدہ، ہیچ خاصیتے نیست در رفع عذاب ونبود آں مگر بہ برکت دست مبارک سیدنا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے کو جائز بتاتے ہیں، مشہور محدث خطابی جو کہ ائمہ اہل علم میں سے ہے اور شارحین حدیث میں ممتاز درجہ رکھتا ہے

اس نے اس قول کو مسترد کر دیا ہے اور اس حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کے استدلال پر انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات بالکل بے اصل ہے، صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں اس رسم کا کوئی وجود نہ تھا۔ بعض شارحین حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ نے تخفیف عذاب کی جو مدت مقرر کر دی ہے (جب تک ٹہنیاں خشک نہیں ہو جاتیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے حق میں تخفیف عذاب کے لئے شفاعت کی۔ یہ تخفیفِ عذاب کی شفاعت منظور کر لی گئی مگر ایک محدود وقت کے لئے یعنی جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔ اور آپ کا "لعل" (امید ہے) کے ساتھ فرمانا قرینہ ہے اسی معنی کے لئے اور کرمانی شارحِ صحیح بخاری نے کہا ہے کہ ٹہنی میں کوئی خاصیت اس قسم کی نہیں کہ اس سے عذاب قبر دور ہو جائے۔ یہ تو صرف سیدنا و نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت تھی"۔

اور مشہور سیاسی رہنماؤں کی قبروں پر پھولوں کی چادر کا چڑھایا جانا بھی ایک رسم ہے جس کے لئے شرعاً کوئی وجہ جواز نہیں۔ اور بوجوہ مذکورہ بالا یہ ناجائز ہے۔

جواب ۵۔ رسم اسقاط یا حیلہ اسقاط، یہ صحیح ہے کہ بعض فقہاء نے ایسے شخص کے لئے تجویز کیا تھا جس سے کچھ نمازیں یا روزے وغیرہ عبادات کسی بیماری یا کسی ایسے ہی حادثہ کی وجہ سے فوت ہو گئے اور قضا کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ فقہاء نے اس کے لئے فقہاء نے اس کے لئے فدیہ کی صورت تجویز کی اور اس کے لئے کئی قیود اور شرائط بیان کئے ہیں مثلاً جو رقم کسی کو صدقہ کے طور پر دی جائے اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک بنا دیا جائے اور اس کو پورا اختیار اس میں حاصل ہو کہ جو چاہے کرے۔ اور جس طرح چاہے صرف کرے ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے۔ جیسا کہ آج کل عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو دے دیا ہے وہ صحیح معنی میں اس کا مالک و مختار ہے اور نہ لینے والے کو یہ تصور ہوتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ میں اس کا مالک و مختار ہوں۔

چند لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک رقم کو باہمی ہیر پھیری کا ایک تماشا کر کے اٹھ جاتے

ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میت کے قضا شدہ نماز روزے کا فدیہ دیدیا۔ اور اب وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگیا۔ حالانکہ اس لغو حرکت سے نہ تو میت کو کوئی ثواب پہنچا۔ نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہوا کرنے والے مفت میں گنہ گار ہوئے۔ اس عاجز کی تحقیق کے مطابق اگر فقہاء کے بیان کردہ شرائط اور قیود کے مطابق بھی یہ کفارہ سیئات ادا کیا جائے پھر بھی اس طرح کے حیلہ کا ہر میت کیلئے التزام کرنا اور تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہی اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا احداث فی الدین ہے۔ جس کو اصطلاح شرع میں بدعت کہتے ہیں اور جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے نَعُوْذُ بِاللہِ اس حیلہ کے اختیار کرنے سے عوام الناس اور جہلاء میں یہ جرأت بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں اور نہ روزہ رکھیں۔ نہ حج کریں۔ نہ زکوٰۃ ادا کریں اور سمجھ لیں کہ مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے۔ جو سارے دین کی بنیاد منہدم کردینے کے مترادف ہے۔ اس لئے اس رسم کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

العبد المذنب الراجي رحمتہ ربہ الودود محمد داؤد الغزنوی

(اخبار الاعتصام جلد ۱۱ ش ۲۴)

حالات سید محمد داؤد الغزنوی علیہ الرحمۃ

جولائی ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم امام عبد الجبار غزنوی اور دیگر اہل خاندان سے حاصل کی پھر دہلی چلے گئے۔ اور حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم غازی پوری اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم و فنون میں مہارت پیدا کی پھر لکھنؤ گئے اور علماء فرنگی محل سے اعلیٰ فنون کی کتابیں پڑھیں فراغت کے بعد واپس امرتسر آکر کچھ عرصہ تک مسند درس پر جلوہ افروز رہے اور سیاست میں قدم رکھا انگریز کے خلاف لڑے خلافت کمیٹی، کانگریس، جمعیتہ علماء ہند، مجلس احرار اور مسلم لیگ میں رہ کر اعلیٰ عہدوں پر کام کیا انقلاب کے بعد لاہور آگئے مرکزی جمعیت اہلحدیث کی بنیاد رکھی جامعہ سلفیہ قائم کیا اور ۱۹۴۸ء سے لیکر تادم آخریں مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر رہے ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء میں وفات پائی

(عبد الرشید اظہر سلفی)

باب القبر

سوال: عذاب موت دفع ہونے کے لیے جو کچھ ارشاد ہوئے عمل میں فقیر کے آوے؟

جواب: روایت سے ثابت ہے کہ سکرات موت آسان ہونے کے لیے ہمیشہ آیۃ الکرسی اور سورۃ اخلاص پڑھنا چاہیئے اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ عذاب قبر دفع ہونے کے لیے ہمیشہ سورہ تبارک الذی نماز عشاء کے بعد سونے سے قبل پڑھنا چاہیئے اور ایسا ہی سورہ دخان پڑھنے کے بارہ میں بھی روایت ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص۱۰۹ ج۱)

توضیح: دفع عذاب قبر کے لیے سورہ ملک اور سورہ سجدہ مشہور ہیں جیسا کہ حضرت جابر کی روایت سنن اربعہ وغیرہ میں موجود ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی۔ جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال: میت قبر میں رکھنے سے پہلے سورہ یٰسین یا کوئی اور سورہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سنت سے تو ثابت نہیں۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۳۶)

سوال: عذاب قبر سے بچنے کے لیے کیا پڑھنا چاہیئے؟

جواب: ہمیشہ سورہ تبارک الذی نماز عشاء کے بعد سونے کے قبل پڑھنا چاہیئے اور سورہ حٰم السجدہ کی بھی یہی فضیلت ہے۔ یعنی عذاب قبر سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ سورہ حٰم السجدہ بھی نماز عشاء کے بعد سونے سے قبل پڑھی جاوے۔

(فتاوے عزیزی جلد ۱ ص۱۰۶)

توضیح الکلام فتاویٰ علماء کرام: تفسیر ابن کثیر میں تحت سورہ ملک اور الم السجدہ کے ہے:

عن جابرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا ینام حتی یقرأ الم ، تنزیل وتبارك الذی بیده الملك ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰم السجدہ کے بجائے الم تنزیل السجدہ ہے۔ فافہم وتدبر۔ علی محمد سعیدی

سوال: قبر پر جو شیرینی لیجاتے ہیں اور تعزیہ کے نزدیک جو شیرینی اور حلوا لے جاتے ہیں کہ لوگ اُس کے سامنے بطریق پیشکش کے رکھتے ہیں۔ تو اس بارہ میں صحیح اور مرجح قول آنجناب کے نزدیک کیا ہے؟

الجواب: مکروہ ہے[1]۔ (فتاوٰے عزیزی جلد ۲ صفحہ ۲۵)

سوال: کیلنڈر پر کسی مزار یا قبر کی تصویر ہو تو اُسے لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: نہیں چاہیئے مشرکین قبر کی اہمیت جتانے اور قبروں والوں سے استعانت پر رغبت دلانے کے لیے ایسا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اہلِ توحید کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۴۰،۵)

سوال: قبر کا طواف کرنا کفر ہے یا نہیں اور جو شخص قبر کا طواف کرے اُسکو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: طواف کرنا صالحین اور اولیاء کی قبر کا بلا شبہ بدعت ہے۔ اس واسطے کہ سابق زمانہ میں نہ تھا اور اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ بدعت حرام ہے یا مباح ہے۔ فقہ کی بعض کتابوں میں مباح لکھا ہے اور اصح یہ ہے کہ مباح نہیں اس واسطے کہ بُت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے کہ وُہ بتوں کے گرد اگر دیہ عمل کرتے تھے اور مباح نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ شرع میں طواف کا حکم صرف کعبہ شریف کے بارے میں وارد ہے۔ اور یہ سمجھنا خوب نہیں کہ بزرگوں کی قبر کعبہ شریف کے مانند ہے۔ لیکن یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے اُس کو کافر کہا جائے اور دائرہ اسلام سے اوس کو خارج سمجھا جاوے اور یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو کافر کہے اُس کو کافر کہا جاوے۔ (فتاوٰے عزیزی جلد ۲ صفحہ ۴۴)

توضیح الکلام فتاوٰی علماء کرام: حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے بہت بڑا خطرہ ہے کہ قیامت کو بُت پرستوں کے ساتھ نہ اُٹھایا جائے۔ اس لئے مومن کی شان نہیں کہ ان سے مشابہت کرے

الراقم علی محمد سعیدی

سوال: قبر میں جو سوال و جواب ہوتا ہے، وُہ حضرت پیر و مرشد کی دستخط و مہر ہو کر عنایت ہووے۔

جواب: قبر میں مومن کامل جو جواب دیتا ہے وُہ موافق احادیث کے لکھا جاتا ہے۔ مُہر کی ضرورت نہیں۔ اور یہ جواب وردِ زبان کرنا چاہیئے اور پارچہ پاک پر خوشبو سے لکھوا کر اپنے پاس رکھنا چاہیئے وہ جواب یہ

[1] یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

ہے : اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّرَسُوْلًا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّبِالْمُؤْمِنِيْنَ اِخْوَانًا وَّبِالصِّدِّيْقِ وَبِالْفَارُوْقِ وَبِذِي النُّوْرَيْنِ وَبِالْمُرْتَضٰى اَئِمَّةً رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ مَرْحَبًا بِالْمَلٰكَيْنِ الشَّاهِدَيْنِ الْحَاضِرَيْنِ وَاَشْهَدُ بِاَنَّا نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ عَلٰى هٰذِهِ الشَّهَادَةِ نَحْيٰى وَعَلَيْهَا نَمُوْتُ وَعَلَيْهَا نُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالٰى یعنی گواہی دیتا ہوں یہ کہ نہیں کوئی معبود قابل بندگی کے سوا اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے اللہ کے ہیں اور پیغمبر اللہ کے ہیں راضی ہوں میں اللہ سے از روئے رب ہونے کے اور اسلام سے از روئے دین ہونے کے اور راضی ہوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے از روئے نبی ہونے کے اور رسول ہونے کے اور راضی ہوں قرآن سے از روئے مقتدا ہونے کے اور کعبہ سے از روئے قبلہ ہونے اور راضی ہوں میں مسلمانوں سے از روئے بھائی ہونے کے اور راضی ہوں میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت ذی النورین عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے از روئے امام ہونے کے ان حضرات کی شان میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی رہی اور خوشی ہے دو فرشتوں کے آنے سے کہ گواہ ہیں اور موجود ہیں اور اے تم دو فرشتو گواہ رہو اس پر کہ ہم گواہی دیتے ہیں یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود قابل پرستش کے سوا اللہ کے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اسی شہادت پر ہم زندہ رہے اور اسی پر ہم مریں گے۔ اور اسی پر قیامت میں اٹھائے جاویں گے اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ (فتاوے عزیزی جلد ۱ صفحہ ۴۲)

سوال : کیا میت کو لحد میں چت لٹانا چاہیئے یا داہنی کروٹ، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب : داہنی کروٹ قبلہ رو لٹانا چاہیئے۔ واللہ اعلم محمد عطاء اللہ حنیف (الاعتصام جلد ۱۰ ش ۳۶)

سوال : مسلمانوں کے قبرستان میں کھیتی کرنی یا پرانی قبروں پر قلمی آم یا کوئی اور پھلدار درخت لگانا اور ان پھلوں اور گھاس کو نیلام کر کے پیسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : نئی کی طرح پرانے قبرستان میں بھی کھیتی کرنی ناجائز ہے۔ سئل القاضی الامام شمس الائمہ محمود الاوزجندی عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ

ھل یجوز زرعھا اذا استغلالھا قال لا ولہا حکم المقبرۃ کذا فی المحیط فلو کان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب فیھا کذا فی البحرالرائق (عالمگیری) پرانے قبرستان میں پھلدار درخت لگانے جائز ہیں اور پھل وغیرہ فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد پر صرف کی جا سکتی ہے۔ سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیھا اشجار ھل یجوز صرفھا الی عمارۃ المسجد قال نعم ان لم یکن وقفا علی وجہ آخر الخ عالمگیری (محدث دہلی جلد نمبر ۸ ش ۵)

سوال: میت کو گھر سے قبرستان لے جاتے ہوئے میت کے سرہانے ہو یا سر، ہمارے ہاں طرف پیر کو آگے کر کے لے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں، اگر پیچھے کی طرف پیر ہوں گے تو ان کی بے ادبی ہوگی۔ دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آدمی پیر کے بل چلتا ہے نہ کہ سر کے بل۔ لہٰذا جناب سے دریافت ہے، کہ کونسی صورت مشروع ہے۔

جواب: مسلمانوں کا ہمیشہ سلف سے تا خلف طریقہ چلا آتا ہے۔ کہ میت کو گورستان لے جاتے ہوئے سر آگے رکھتے ہیں اور پیر پیچھے، یہی طریقہ مشروع ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ یعنی ایمان والوں کی راہ سے انحراف کرنا گمراہی و بے دینی ہے۔ لہٰذا جس طرح مسلمانان عالم کرتے ہیں اسی طرح ہونا چاہیئے یہ کہنا کہ اگر سر آگے ہوگا تو پیر کی طرف فرشتوں کی بے ادبی ہوگی، مضحکہ خیز بات ہے اس لیے کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ فرشتے پیر کے پیچھے ہوتے ہیں۔ کیا فرشتے میت کے آگے وائیں بائیں نہیں چل سکتے۔ ونیز یہ عذر بھی لنگ ہے کہ انسان پیر کے بل چلتا ہے۔ لہٰذا جنازے کے پیر آگے ہونے چاہئیں اس لیے کہ جنازہ خود نہیں چلتا بلکہ اس کو آدمی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے یہاں مسلمانوں نے یہ رسم ہندوؤں سے سیکھی ہے۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۵)

سوال: یہاں پر یہ کہاوت مشہور ہے کہ کوڑھی (یعنی جس کے جسم پر سفیدی آگئی ہو) مرنے کے بعد گلتا سڑتا نہیں ہے اور اس کے ناخن، بال بڑھتے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ کہاوت غلط ہے ہاں صحیح حدیثوں سے انبیاء کرام کے متعلق ثابت ہے کہ ان کا جسم اطہر محفوظ رہتا ہے: والحق ابن عبد البر بھم الشہداء والقرطبی المؤذن المحتسب وزاد غیرہ الصدیقین والعلماء العاملین وحامل القرآن العامل بہ والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر اللہ و

المحبین لہ فتلک عشرۃ کاملۃ (زرقانی علی الموطا) محدث دہلی جلد ۸ ش ۱۲

سوال : جو جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کے پاس منکر نکیر نہیں آتے، کیا یہ درست ہے؟

جواب : صحیح حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔ (شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی) الاعتصام جلد ۲ ش ۳

قبروں پر پھول چڑھانے کی رسمِ قبیح کے بارے میں

ایک تحقیقی مکتوب گرامی

مخدومنا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ کے رسالہ "زیارتِ قبور" میں ہے:

ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ حضرات کی ذہنی کیفیت عجیب ہے۔ جو چیز یورپ سے آئے اُسے تو آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں اور اسلام کے مسائل سامنے آجائیں تو سراپا بحث بن جاتے ہیں۔ یورپ میں رواج ہے کہ قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ان حضرات میں دینی شعور تو کم ہے۔ مگر یہ حضرات اہلِ مغرب کی تقلید بغیر سوچے سمجھے کر رہے ہیں، جہاں جاؤ پھول چڑھ رہے ہیں۔ حالاں کہ معلوم ہے کہ اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے چراغ کی روشنی سے میت کو روشنی نہیں مل سکتی، پھول کی خوشبو سے میت کو کوئی فائدہ نہیں، لیکن یہ رسم یورپ سے آئی ہے۔ اس لیے بابو لوگ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان رسوم کو جذبات سے بالا ہو کر دانشمندی سے ان پر غور کیا جائے۔ اب بڑھتے بڑھتے یہ رسم یہاں تک عام ہو گئی ہے۔ کہ بادشاہوں اور وزراء کے دوروں میں مرنے والوں کی قبروں پر پھول چڑھانا خیر سگالی کا ایک جزء قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ رسم ان حلقوں میں خالص دُنیاداری بن چکی ہے۔ لیکن خانقاہی حلقوں میں اسے دین اور شریعت سمجھا جاتا ہے۔ (رسالہ زیارتِ قبور ص ۱۲)

اس پر میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ: بریلوی حضرات بزرگوں کی قبروں پر پھول چڑھانے کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دو قبروں پر سبز ٹہنیاں رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ ان کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی ذیل کا مکتوب گرامی اسی کے جواب میں ہے جس پر ۳، ۲۷ ۱۹۶۱ء کی تاریخ درج ہے۔ محمد عصمت اللہ لاہور

محترم مکرم زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مکتوب گرامی ملا ۔آپ نے ایک دینی معاملہ میں یاد فرمایا ۔اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیں ۔اصل مسئلہ کے متعلق گذارش ہے کہ قبور کے متعلق قطعی صحیح علم وحی سے ہوسکتا ہے اور یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ دعوے کرتے ہیں یا تُک بندی ہے یا دکانداری ۔اس لیے اس کا علاج بھی پیغمبرؐ ہی کا کام ہے ہمارا اور آپ کا کام نہیں اپنے بزرگوں کے متعلق یوں ہی فیصلہ کر لینا کہ وُہ عذاب میں مبتلا ہوں گے ذہن نہیں ۔(۲)، یہ علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے نہ تو اس کی ہر ایک کو اجازت دی جاسکتی ہے ،نہ پیغمبر کے سوا کسی کو معجزات عطا کئے جاتے ہیں ۔اس لیے جو بھی اس قسم کا دعوٰے کرے اس کا دعوٰے صحیح نہیں ہوگا ۔(۳)، معجزات پر قیاس کرنا شرعًا درست نہیں کیوں کہ معجزات انسانی عقل وفکر سے بالا ہوتے ہیں جس کی وجہ ہمیں خود بھی معلوم نہیں ۔اس پر ہم دوسری چیز کو کیسے قیاس کرسکتے ہیں ۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ساری عمر میں ایک دفعہ ثابت ہوا ہے دوبارہ کسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل نہیں فرمایا ۔اگر یہ عمل قیاسی اور عام طور پر مفید ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے مگر آپ سے یہ حکم دوسری دفعہ ثابت نہیں ہوا ۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے ،کہ یہ معاملہ ان دو قبروں کے لیے تھا، عام نہیں ، ورنہ یہ عمل اُمت میں بطور سنت جاری رہتا ۔

(۵) معجزات کو اُمت نے کبھی بھی سنت یا استحباب کا مرتبہ نہیں دیا ۔صحیح مسلم میں ہے ایک دفعہ کھانا کم تھا اور کھانے والے زیادہ ،آنحضرتؐ نے کھانے میں لب مبارک ڈالا ۔اللہ تعالیٰ نے برکت فرمائی ،مگر صحابہ نے اسے وہیں تک محدود رکھا ،آٹے اور ہانڈی میں تھوکنا سنت نہیں سمجھا ۔آنحضرتؐ نے انگشت سے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے لیکن اُمت نے اسے بطور ثواب کبھی نہیں کیا کہ رات کو انگشت سے چاند کو اشارہ کریں ۔حدیبیہ میں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک کو منہ اور ہاتھوں پر ملا ۔مگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ۔آج ہمارے یہ بریلوی دوست کسی فقیر یا عالم کا تھوک منہ پر نہیں ملتے ۔پس تمام معجزات کا یہی حال ہے ، وُہ پیغمبرؐ کی خصوصیت ہوتے ہیں ۔ اُمت کے لیے سنت نہیں ہوتے نہ ان پر قیاس کیا جاتا ہے ۔ وُہ وہیں تک محدود ہوتے ہیں جہاں تک شریعت نے انہیں محدود رکھا ۔آپ اس پر غور فرمائیں ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک دفعہ عمل ،صحابہ اور تابعین کا پورا دور اس سے خالی ہے ۔اُمت نے پورے تیرہ سو سال اس پر عمل نہیں کیا یہ عمل چودھویں صدی میں شروع ہوا جب کہ یورپ نے پھول چڑھانا شروع کیا ۔اگر کسی نے اس پر عمل کرنا ہو تو

انگریز کی سنّت سمجھ کر کرے۔ حدیث سے استدلال محمل پر ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہوگا۔

اُمید ہے کہ یہ مختصر گذارش مسئلہ سمجھنے کے لیے کافی ہوگی۔ اگر مزید وضاحت کی ضرورت ہو تو بلا تکلف فرمائیے۔ لہٰ اگر یہ قیاسی مسئلہ ہو اور بریلوی ذہن سے اسے سمجھا جائے تو جن قبرستانوں میں سایہ دار درخت ہیں پھلواڑیاں لگی ہوئی ہیں ان کو تو عذاب قبر نہیں ہونا چاہیئے نہ ٹہنیاں خشک ہوں اور نہ ان کو عذاب، ویسے بھی عذاب صرف خزاں ہی میں ہو، موسم بہار میں تو ہر قبرستان میں سبزی ہو جاتی ہے۔ اس لیے عذاب کے فرشتے بالکل فارغ رہنے چاہئیں۔ گویا خدا تعالیٰ کا سارا کارخانہ سزا اور جزا چند درختوں اور پھلوں نے روک دیا یہ نظریہ کس قدر مضحکہ خیز ہوگا۔ والسلام محمد اسمٰعیل چاہ شاہاں گوجرانوالہ (الاعتصام جلد ۲۱ ش ۸)

سوال: میّت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دُعا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: میّت کو قبرستان میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دُعا کرنا حدیث مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: وعنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسأل (مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر) یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دفن میّت سے فارغ ہو کر قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دُعا بخشش کرو۔ اور اس کے لیے بارگاہِ ایزدی میں ثابت قدمی کی درخواست کرو، وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔"

لیکن عام طور پر لوگ دُعا اس کو سمجھتے ہیں جس میں ہاتھ اُٹھائے جائیں، حالاں کہ دُعا ہاتھ اُٹھائے اور بغیر ہاتھ اُٹھائے دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً نماز کے اندر، سجدہ میں اور بین السجدتین اور بعض دفعہ قیام میں بلا ہاتھ اُٹھائے دُعا ہوتی ہے۔ اس طرح قبر پر اختیار ہے ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے یا بغیر ہاتھ اُٹھائے۔ ہاں ہاتھ اُٹھانا آدابِ دُعا سے ہے۔ اس لیے اُٹھانا بہتر ہے مگر لازم نہ سمجھے۔ اور اگر کوئی ہاتھ نہ اُٹھائے تو اس پر اعتراض بھی نہ کرے۔ جیسے فرضوں کے بعد کی دُعا میں کوئی ہاتھ نہ اُٹھائے تو ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۶)

سوال : میت کو لحد میں رکھ کر بجائے کچی اینٹوں کے لحد کو مٹی کے پکے ہوئے برتنوں سے بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : چونکہ انسان کچی مٹی سے پیدا ہوا ہے اس لیے لحد میں اور قبر پر پختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے : مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ، یعنی ہم نے مٹی سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے ، اور اسی سے تمہیں نکالیں گے۔

اسی لیے دفن کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ پس لحد کو پکے برتنوں سے بند کرنا ناجائز ہے۔

عبد اللہ امرتسری مقیم روپڑ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۶۷)

سوال : چوہدری صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کو ایسی جگہ دفن کیا گیا ہے کہ وہ جگہ قبرستان سے علیحدہ ہے ، بلکہ ان کے مہمان خانہ کے پاس ایک کونہ میں جگہ ہے۔ صندوق میں بند کر کے ان کو دفن کیا گیا ہے۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ مرحوم کو اس جگہ سے نکال کر مسجد کے قریب دفن کریں تاکہ وہاں ہر نمازی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے اگر جائز ہے تو کیا جب صندوق نکالیں تو میت کو دوبارہ غسل دیں یا اسی طرح بند کا بند دوسری جگہ میں دفن کریں ؟

جواب : بہتر تو یہی ہے کہ جس طرح مرحوم سپردِ خاک ہو گئے ہیں اسی طرح رہنے دیں جن کو مرحوم کے ساتھ ہمدردی ہے ان کی دعائیں دُور سے بھی پہنچیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہاں کوئی ہو اُس کا درود مجھے پہنچتا ہے۔ دعا اور درود کا ایک ہی حکم ہے۔ ہاں اگر نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیتے جائیں تو گنجائش ہے۔ حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہؓ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ دفن کئے گئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ، میرا دل برداشت نہ کر سکا کہ میرے والد دوسرے کے ساتھ دفن رہیں۔ تقریباً چھ ماہ بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیئے اُن کی لاش اسی طرح صحیح و سالم تھی۔ صرف کان میں ذرا سا اثر تھا۔ یہ حدیث بخاری شریف کتاب الجنائز میں ہے۔ اس سے گنجائش ملتی ہے کہ میت دوسری جگہ دفن کر دی جائے ، مگر ایک خطرہ ہے کہ کہیں میت پھٹ نہ گئی ہو۔

صندوق میں دفن کرنے کا رواج ٹھیک نہیں ، مسنون طریقہ خیر قرون میں براہ راست مٹی میں دفن کرنے کا تھا۔ خیر ہو چکا سو ہو چکا ، آئندہ محتاط رہنا چاہیے۔ غسل کفن ، جنازہ کی دوبارہ ضرورت نہیں ، چنانچہ جابرؓ

وغیرہ کی روایت میں دوبارہ کفن وغیرہ کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر کفن مٹی نے کھالیا ہو تو پھر دوبارہ ضروری ہے۔ غسل جنازہ ضروری نہیں اگر کوئی غسل دے دے تو منع بھی نہیں، اسی طرح جنازہ کا حکم ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۶۸)

سوال: قبر اگر گر جائے تو اور مٹی ڈال کر درست کر دینی چاہیئے یا نہیں، اور کچھ مٹی سے لیپ دینی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا کیوں کہ لحد پر جو اینٹیں چنی جاتی ہیں، وہ زائد مٹی ہوتی ہے جو قبر کی مٹی کے علاوہ ہے۔ باقی لپائی کی بجائے مسنون طریقہ چھڑکاؤ کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے بس اس پر اکتفا کرنی چاہیئے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۷)

سوال: خسف شدہ بستی جو کہ بصورت ٹیلہ اوچان موجود ہو وہاں گورستان بنانا جائز ہے؟

جواب: جہاں ثمود ہلاک ہوئے وہاں سے جلدی گزر جانے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان کی ہے۔ کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ غضب الٰہی کی جگہ ہے، پس ان میں دفن کرنا ٹھیک نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۷)

سوال: کیا مزار پر نذر و نیاز چڑھانا اور قبر پہ قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نذر نیاز کا قبر پر چڑھانا اور اس کا کھانا حرام ہے، خواہ میوہ ہو یا کوئی اور شئے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ جو غیر اللہ کی تعظیم کے لیے نامزد کی جائے وہ حرام ہے۔

رہا قرآن مجید قبر پہ پڑھنا سو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: ایک یہ ہے جیسے آج کل رواج ہے کہ قبر پر مجاور بن کر پڑھتے ہیں، نیز سال کے بعد عرس کرتے ہیں دور دراز سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور قبر پہ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور حدیث میں ہے مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) یعنی جو شخص ہمارے

دین میں نئی بات پیدا کرے جو اس سے نہیں وہ مردود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی خاص طریق مقرر نہ کرے بلکہ جب اتفاق پڑے عام طور پر قبروں کی زیارت کرے اور اس وقت قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اس کے قائل نہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں بحوالہ شرح الصدور سیوطیؒ نے لکھا ہے: اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمهور السلف والائمة الثلاثة علی الوصول وخالف فی ذلك اماما الشافعیؒ مرقات جلد ۲ ص ۳۸۲

یعنی میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور تین امام پہنچنے کے قائل ہیں اور ہمارے امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے:

اختلف العلماء فی العبادات البدنیة کالصوم والصلوٰة وقرأة القرأن والذکر فذهب ابو حنیفة وجمهور السلف الی وصولها والمشهور من مذهب الشافعیؒ ومالك عدم وصولها۔ یعنی عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور جمہور سلف پہنچنے کی طرف گئے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اور امام مالک کے مذہب میں نہ پہنچنا مشہور ہے ان عبارتوں میں امام احمد اور امام ابو حنیفہؒ اور جمہور کا مذہب ثواب کا پہنچنا بتلایا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب نہ پہنچنا بتلایا ہے۔ اور امام مالکؒ کے دو قول نقل کیے ہیں، پہلی عبادت میں پہنچنے کا ذکر ہے دوسری میں نہ پہنچنے کا امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے موافق بھی بعض احادیث آئی ہیں۔

اوّل حدیث: ابو محمد سمرقندیؒ نے فضائل قل ہو اللہ احد میں حضرت علیؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جو شخص قبروں کے پاس سے گزرے اور قل ہو اللہ احد گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو مُردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

دوم حدیث: ابو القاسم سعید بن زنجانیؒ نے اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے۔ پھر سورت فاتحہ، قل ہو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ یا اللہ میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے۔ اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن اور مسلمان مردوں کو بخش دے تو وہ مردے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی سفارش کریں گے۔

سوم حدیث: عبد العزیز خلال کے شاگرد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر صورت یٰسین پڑھے تو اللہ تعالےٰ مردوں پر تخفیف فرماتا ہے۔ اور مُردوں کی تعداد کے برابر اس کو نیکیاں ملتی ہیں۔

چہارم حدیث: قرطبی نے اپنے تذکرہ میں حضرت انسؓ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب کوئی مومن آیۃ الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اللہ تعالےٰ مشرق اور مغرب کی ہر قبر میں نور داخل کرتا ہے۔ اور اُن کی خوابگاہ کو وسیع کرتا ہے اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبی کا ثواب دیتا ہے۔ اور ہر میّت کے مقابلہ میں اس کے واسطے دس نیکیاں لکھتا ہے۔

پنجم حدیث: دارقطنی میں ہے، کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں نیکی کیا کرتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ان سے کس طرح نیکی کروں آپ نے فرمایا مرنے کے بعد یہ نیکی ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے واسطے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کے لیے بھی روزہ رکھ۔

تبصرہ: پہلی چار حدیثوں میں قرآن مجید کے ثواب پہنچنے کا ذکر ہے اور پانچویں میں دیگر بدنی عبادات (نماز روزہ) کے ثواب پہنچنے کا بیان ہے۔ بعض اور روایات بھی آئی ہیں، مگر سب ضعیف ہیں صحیح کوئی نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد مروزیؒ نے کہا ہے میں نے امام احمدؒ بن حنبل سے سُنا ہے فرماتے تھے جب تم لوگ قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس اور قل ھواللہ احد پڑھو اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشو، مردوں کو ثواب پہنچے گا۔

امام سیوطیؒ نے قرأت قرآن کی روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے اگرچہ یہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ بتاتا ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے۔ امام سیوطیؒ نے ان کے مجموعہ پر حسن یا صحیح ہونے کا حکم اس لیے نہیں لگایا کہ ان میں ضعف زیادہ ہے۔ اگر ضعف تھوڑا ہوتا تو مجموعہ مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا، خیر ان پر عمل سے روکا نہیں جاتا، خاص کر جب کہ امام بھی اس طرف گئے ہیں۔ چنانچہ اوپر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سے نقل ہو چکا ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے اس میں دفن کے وقت سر کی طرف شروع آیات سورہ بقر اور پاؤں کی طرف اخیر آیات بقر کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے، مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے، بہرصورت عمل میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ فضائل اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے۔ مگر عمل کا کوئی طریق اپنی طرف مقرر نہ کرنا چاہیئے، جیسے آج کل مروج ہے کہ قبروں پر مجاور بن کر یا گھروں میں یا مسجدوں میں حلقے باندھ کر پیسوں یا بغیر پیسوں کے پڑھا جاتا ہے اس کا

ثبوت نہیں۔ خاص کر پیسے لے کر ختم کرنا اور اس کا ثواب پہنچانا یہ کسی کا مذہب نہیں، بلکہ یہ پیٹ کے بندوں کا اختراع نہیں تو دوسرے کو اس سے کیا فائدہ، بلکہ اس طرح پیسے لینے دینے گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے پناہ مانگی ہے۔ جو تراویح میں پیسے لے کر سناتا ہے۔ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اسکے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، اور عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی اس کے قریب مروی ہے۔ ملاحظہ ہو قیام اللیل ص۱۰۲

غرض مروجہ طریقہ ایصال ثواب کا طریق نہیں ایصالِ ثواب کی اگر کوئی صورت ہو سکتی ہے تو صرف وہی ہو سکتی جس کا ذکر روایات میں آیا ہے جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ص۴۴)

سوال: کیا قبر میں سوال وجواب کے وقت آنحضرتؐ کا وجود مبارک میت کے سامنے ہوتا ہے۔ اس سوال کی تفصیل یہ ہے کہ قبر میں میت سے یہ سوال کیا جاتا ہے: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ" یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے، وہ کیا ہے، وہ جواب دیتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی محمد اللہ کا رسول ہے۔ یہ حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مُردہ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے۔ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ" کیوں کہ لفظ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ ہذا کا کوئی دوسرا معنی ہے تو وہ بیان فرما دیجئے؟

جواب: لفظ ہذا اُس مذکر موجود شے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے موضوع ہے جو قریب ہو، عام اس سے کہ مذکر حقیقی ہو یا حکمی اور موجود خارجی ہو یا ذہنی۔ روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات منقولہ فی الباب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ اگر بندہ مؤمن ہے تو تمام اوصاف کو سُن کر جواب دے دیگا۔ عبداللہ ورسولہ۔ پس لفظ ھذا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ مبارک مکشوف ہوتا ہے۔ اور مکشوف ہونے کے بعد کہا جاتا ہے۔ ما تقول فی ھذا الرجل۔ مگر اس بارہ میں کوئی صریح روایت نہیں۔ فی ھذہ بشارۃ عظمی للمومنین وما ذلک علی اللہ بعزیز واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۲۹ ۸/۳۵

حدیث شریف میں ہذا کے ساتھ الذی بُعِثَ بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، رسول مبعوث سے سوال ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا اس کو کیا کہتے ہو، ہذا کے ساتھ جب الذی آئے تو وہاں موجود

مراد نہیں ہوتا مگر موصول مع صلہ کی طرف کلام کا رُخ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ اسی قسم سے ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے ان کا اپنا خیال ہے جس کے ذمہ وار وہی ہیں اس کا فیصلہ آپ فرمائیے۔ اے، امی، پٹیل (افریقہ)

جواب: ہذا کی وضع محسوس مبصر کے لیے ہے جو قریب ہو، یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اس معنی کی بنا پر ترجیح اسی کو ہے کہ میت کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود مبارک قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ مکشوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ یہی ہذا کا لفظ ہے۔ جب اس کا حقیقی معنی یہی ہے تو مکشوف ماننا پڑے گا تاکہ حقیقی معنی بن سکے کیوں کہ حقیقی معنی مقدم ہے جب تک حقیقی معنی بن سکے مجازی نہیں لیا جا سکتا۔ اور یہ کہنا کہ جب ہذا کے ساتھ الذی ہو تو کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں، قرآن مجید میں ہے، وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ (پ ۱۷ ع ۳) اے محمد کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں، پھر الذی بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ موصول میں ضروری نہیں کہ کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہو، ہاں اگر خارجی دلیل سے ثابت ہو کہ شئی سامنے نہیں تو اس صورت میں کلام کا رُخ صلہ کی طرف ہو سکتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ۔ میں ایسا ہی ہے، چونکہ خدا کی ذات دُنیا میں کسی کے سامنے نہیں اور نہ کوئی خدا کی ذات کو دُنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے فرمایا "لَنْ تَرٰىنِیْ" یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا۔ اس لیے اس آیت میں ہذا کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہے اور حدیث "هٰذَا الَّذِیْ بُعِثَ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت سے کوئی مانع نہیں۔ درمیان سے پردہ مکشوف ہو کر رؤیت ہو سکتا ہے۔ پس اس میں کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ الذی بعث کے یہ معنی کرنے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جواب کی عبارت ہے وہ خدا کا رسول ہے۔ تو جواب فضول گیا اس لیے الذی بعث کے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) لینے کی صورت میں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا، کیا تم اس کو رسول مانتے ہو، مؤمن جواب دے گا۔ کہ وُہ خدا کا رسول ہے۔ اور کافر کوئی جواب نہیں دے گا۔ اور یہ مطلب صحیح ہے اس کا جواب یہ ہے

کہ کیا کافر اس لیے جواب نہیں دے گا کہ اس کو جواب کا علم نہیں ہوگا۔ یا اس لیے جواب نہیں دے گا کہ وُہ انکار پر اڑ جائے گا۔ پہلی صورت تو ٹھیک نہیں کیونکہ سوال سے اس کو علم ہو چکا ہے کہ وُہ خدا کا رسول ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جواب کا اس کو علم نہیں۔ اور دوسری صورت بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عذاب کے وقت اڑی کہا۔ نیز احادیث میں صاف آیا ہے کہ کافر کہے گا "ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِیْ" یعنی ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں، یہ بے علمی کا اظہار بتا رہا ہے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) ٹھیک نہیں اگر کہا جائے کہ کشوف مراد لینا ٹھیک نہیں، کیوں کہ صحابہ رضہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود کرنا تو مفید ہو سکتا ہے، کیوں کہ وُہ پہچان سکتے ہیں، جنہوں نے نہیں دیکھا ان کے سامنے آپ کا وجود کرنا کیا فائدہ، نیز جن کافروں نے آپکو دیکھا ہُوا ہے جیسے ابوجہل وغیرہ تو وُہ پہچان کر کہہ سکتے ہیں کہ وُہ خدا کا رسول ہے۔ ان کے ہاہ ہاہ لاادری کہنے کا کیا معنی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا وُہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ کیوں کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو منکر نکیر کہیں گے، تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو وُہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی، یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا ہے اسے دیکھ کر مومن فراستِ ایمانی سے اندازہ کرے گا، کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر ایمان لایا ہوں۔ رہے کفار جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وُہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے واقف بھی ہیں۔ آپ کی رسالت سے واقف نہیں کیوں کہ ان کو ایمان نہیں بالفرض وُہ دنیا میں رسالت سے واقف بھی ہوں تو بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناواقفوں میں اُٹھتے ہیں پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ)

محدث روپڑی کے فتوٰے پر، محدث سامرودی کا تعاقب

مولوی عبدالجلیل سامرودی نے اخبار محمدی دہلی اور اہل سنت والجماعت امرتسر میں محدثِ روپڑی کے فتوٰے پر تعاقب کیا جو حسب ذیل ہے۔

آپ نے اپنی تحقیق کا نتیجہ یہ ظاہر فرمایا کہ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ موصوف ایک امر مرجوح کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر کتب احادیث کو کھول کر ملاحظہ

فرماتے تو اس ترجیح کو مرجوع قرار دیتے، دیکھئے صحیح بخاری باب المیت یسمع خفق النعال میں بروایت انسؓ ملاحظہ ہو۔ بلفظ ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نفط باب عذاب القبر (فی ھذا الرجل لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی حضرت انسؓ کی روایت سے ابن مردویہ نے بلفظ فی ھذا الرجل الذی کان بین ایدیکم الذی یقال لہ محمد کما فی شرح الصدور ص۵۰ الدر المنثور ج۴ ص۸۱ مسند احمد میں حضرت اسماءؓ سے ج۶ ص۳۵۳ میں بلفظ ما تقول فی ھذا الرجل قال ای رجل قال محمد نیز دیکھو شرح الصدور ص۵۷ کتاب الروح ص۷۲ الدر المنثور ج۴ ص۹۵ طبرانی کبیر کے لفظ فیقال لہ رجل یقال لہ محمد ما ھو انتھی دیکھو کنز العمال ج۸ ص۹۵ ابن کثیر ج۵ ص۲۹۵ میں بروایت ابن جریر ابو ہریرۃ سے اور ابن جریر ج۱۳ ص۱۴۵ مستدرک حاکم ج۱ ص۳۸۰ بلفظ ارئیت ھذا الرجل الذی کان فیکم ما تقول فیہ وما تشھد بہ علیہ فیقول آمحمد فیقال لہ نعم الخ لفظ مستدرک فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یھتدی فیقولون محمد الحدیث یہ روایتیں ببانگ دہل بتلارہی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں مکشوف ہو کر سامنے ہونا کسی اجنبی کا مقولہ ہے۔ محدثین کا ہر گز اعتقاد نہیں۔ آپ کا بذاتِ خود مکشوف ہو کر سامنے ہونا لغو محض ہے اگر کوئی نص نبوی سے جو بالتنصیص ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں تو مع حوالہ کتاب ظاہر فرماویں، ورنہ اس خیال شنیع سے رجوع فرمائیں۔ (ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی۔ محمدی دہلی ۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء واہل سنت والجماعت ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء)

محدث روپڑی کا جواب

مذہب اہلحدیث وہی ہے جو حدیث سے سمجھا جائے اور حدیث سے ترجیح اسی کو ثابت ہوتی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں، کیونکہ ہذا کا لفظ اس بارہ میں صاف ہے...... مولوی عبد الجلیل کے پیش کردہ دلائل ہمارے مؤید ہیں، کیونکہ سب میں ہذا کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک میں نہیں، سو وہ سوال کی الگ صورت ہے۔ ہماری بحث صرف اس سوال میں ہے جو ہذا کے ساتھ ہے۔ شاید مولوی عبد الجلیل نے خیال کیا ہوگا کہ قبر میں سوال سب سے ایک طرز پر ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو ڈبل غلطی ہے کیوں کہ احادیث میں سوال کی چار صورتیں آئی ہیں۔ ایک ہذا الرجل (معرفہ) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپکا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ۔

دوم رجل (نکرہ) کے ساتھ اس میں نام صفت کا ہونا ضروری ہے، جیسے یقال لہ محمد ما ھو۔

سوم من کے ساتھ جیسے مَنْ نَبِیُّکَ یا مَنِ الرَّسُوْلُ الَّذِیْ بُعِثَ اِلَیْکُمْ۔

چہارم شہادت کے ساتھ جیسے ما شھادتک۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۹۵، ۲۹۶

آخر الذکر تین سوالوں سے تو ہماری بحث نہیں، کیوں کہ ان میں سوال ہی ایسی طرز کے ساتھ ہے۔ جس کا کشف سے کوئی تعلق نہیں صرف پہلے سوال سے بحث ہے۔ اس میں کشف ہے یا نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ کشف ہوتا ہے، کیوں کہ لفظ ہذا اسی کو چاہتا ہے۔ اس سوال میں کئی طرح کے الفاظ آئے بعض سوال میں محمد کا لفظ ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے پہلی اور تیسری عبارت میں ہے۔ اور بعض میں نہیں چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے دوسری اور چھٹی عبارت میں نہیں۔ چھٹی میں تو ظاہر ہے کیوں کہ اگر سوال میں لفظ محمد ہوتا تو میت آمحمدؐ یا اَیُّ رَجُلٍ کے ساتھ سوال نہ کرتی اور دوسری عبارت میں فی ہذا الرجل لمحمد ہے۔ یعنی منکر نکیر ہذا الرجل سے محمد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس لمحمد منکر نکیر کے سوال میں نہیں۔ بلکہ منکر نکیر کے سوال میں ہذا الرجل کا مشارٌ الیہ تبلایا گیا ہے۔ خواہ تبلانے والے رسول اللہ ہوں یا کوئی راوی ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں مومن کے سوال میں لکھا ہے ماتقول فی ہذا الرجل یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مُردہ کہتا ہے کون ؟ فرشتہ کہتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

فاجر یا کافر کے سوال میں لکھا ہے ماتقول فی ھذا الرجل قال اَیُّ رَجُلٍ قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے تو مُردہ کہتا ہے کونسا شخص، فرشتہ کہتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملاحظہ ہو صفحہ ۲۹۹ ان مختلف الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مکشوف ہو کر سامنے ہوتا ہے تو بعض میتیں تو صرف چہرہ ہی دیکھ کر معلوم کر لیتی ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے تو وہ امحمد یا ای رجل کہہ کر سوال کرتی ہے۔ یعنی کیا یہ محمد ہے۔ یا یہ کونسا آدمی ہے۔ فرشتے اس کے جواب میں نعم کہتے ہیں، یا محمد کہتے ہیں یعنی ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہر صورت یہ تمام الفاظ ہمارے مؤید ہیں۔ کیونکہ ان میں ہذا کا لفظ ہے۔ اور میت کا "امحمد" یا "اَیُّ رَجُل" کے ساتھ سوال کرنا یہ بھی ہمارا مؤید ہے۔ کیوں کہ یہ پورا جملہ نہیں۔ اس کے آگے پیچھے عبارت مقدر ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہذا مقدر ہو۔ کیوں کہ اس سے پہلے منکر نکیر کے سوال میں ہذا ہے۔ اس بنا پر پہلے سوال کی عبارت اصل یوں ہوتی۔

اھذا محمد یا محمد ھذا یعنی کیا یہ محمد ہے۔ یا کیا محمد ہے یہ۔ اور دوسرے سوال کی اصل عبارت یوں ہوئی اَیُّ رَجُلٍ ھذا یعنی یہ رجل کونسا ہے۔ گویا ان سوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی میت کے سامنے ہوتا ہے اس کی طرف وہ اشارہ کر کے سوال کرتی ہے۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ جن دلائل کو مولوی عبدالجلیل ہمارے

مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں وہ دراصل ہمیں مفید ہیں۔ مگر مولوی عبدالجلیل غلط فہمی سے اُسے اہلحدیث کا مسلک نہیں سمجھتے۔ خدا ایسی غلط فہمی سے بچائے۔ اور عبارات میں غور و فکر کی توفیق بخشے۔ آمین عبداللہ امرتسری

محدثِ سامرودی کا تعاقب

علوی عبدالجلیل نے محدثِ روپڑی کے اس جواب پر حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

اگر وفات کے بعد مکشوف کا مسئلہ صحیح ہے تو آنِ واحد میں بے شمار سے سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اس حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی، بخاری وغیرہ میں ہے کہ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا، اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ آپ تو ہرقل کے پاس بھی مکشوف ہو گئے کیوں کہ "ہذا الرجل" حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ ابن مردویہ والی حدیث میں موجود ہے۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل الذی کان بین اظھرکم الذی یقال لہ محمد۔ بلکہ حاکم ج ۱ ص ۳۸۰ کی روایت فیقال لہ ما تقول فی ھذا الرجل الذی کان فیکم وما تشھد بہ علیہ فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یھتدی لہ قال فیقولون محمد۔ لفظ حدیث ھذا الرجل۔ یہ شخص کے بعد ہی کہا جاتا ہے وہ جو تم میں تھے، وہ جنہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا تھا۔ نیز دوسری میں ہے وہ جو تم میں تھے تیری گواہی ان کی بابت کیا ہے۔ پھر اس کا سوال کہ کون شخص ملائکہ کا جواب وہ جو تم میں تھے۔ اتنا کہتے ہوئے بھی نہ سمجھا تو ملائکہ کہیں گے۔ محمد وہ محمد ہیں۔ کیا ان سوالات و جوابات میں صراحۃً ظاہر نہیں ہے۔ کہ حضور موجود نہیں ہوتے۔ آپ کے پاس صرف ہٰذا لفظ کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ مسلک اہلحدیث نہیں بلکہ کسی حنفی کا مذہب ہے۔ مثل عینی وغیرہ کے، چنانچہ فاضلِ قسطلانی نے لکھا ہے۔ قیل یکشف للمیت حتیٰ یر النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم و ھی بشریٰ عظمۃ للمؤمن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لا تکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لما فی الذھن فیکون مجازاً۔ کہا گیا ہے کہ میت کے لیے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہو جائے تو مومن کے لیے بڑی خوشخبری ہے اور ہمیں کوئی صحیح حدیث اس بارہ میں معلوم نہیں اور جو اس کا قائل ہے اس کی دلیل صرف یہی ہے کہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ اشارہ حاضر فی الذہن کی طرف ہو پس یہ مجاز ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتاوٰے ص ۲۵ سوال ۲۸ کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے وھل یکشف لہ فی الحال حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول لہ ما تقول فی ھذا الرجل فاجاب بقولہ بعد ان

اعاد السوال فقال وھو ھل یکشف لہ حتی یرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فالجواب ان ھذا لم یروفی حدیث صحیح وانما ادعاہ من لا یحتج بہ بغیر مستند الا من جہۃ قولہ فی ھذا الرجل وان الاشارۃ بلفظۃ ھذا لاتکون الا للحاضر وھذا لا معنی لہ لانہ حاضر فی الذھن۔

بہرحال یہ سوال کہ میت کے لیے پردہ کھولا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نبی صلے اللہ کو دیکھ لیتی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ اس شخص نے بلا دلیل اس کا دعوئے کیا ہے۔ جو حجت نہیں۔ دلیل صرف یہ پیش کی جاتی ہے۔ کہ ہذا کا اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ حالاں کہ حاضر کے ہونے سے کشف لازم نہیں آتا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن میں حاضر ہیں۔

محدث روپڑی کا جواب

ہم نے تو بقول آپ کے صرف حدیث کے لفظ ہذا سے استدلال کیا ہے۔ تو آپ نے اس کے مقابلہ میں کیا پیش کیا ہے۔ صرف ابن مردویہ یا حاکم کی روایت، حالاں کہ اس میں بھی یہی لفظ ہذا ہے۔ باقی لفظ مثلاً "الذی کان بین اظہرکم الذی یقال لہ محمد" وہ جو تم میں تھے، وہ جنہیں محمد کہا جاتا ہے۔ یہ تو کسی طرح ہمارے خلاف نہیں، چنانچہ آپ کے پہلے تعاقب کے جواب میں اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن دوسرے تعاقب میں آپ کا ان کو دوہرانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ضمیر غائب سے دھوکا لگا ہے۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ضمیر غائب اسی کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے وقت مخاطب کے سامنے نہ ہو، حالاں کہ یہ ڈبل غلطی ہے۔ اور یہی غلطی ایڈیٹر اہل سنت والجماعت کو لگی ہے۔ انہوں نے بھی ضمیر غائب ہی سے رسول اللہ صلی اللہ کا عدم حضور ثابت کیا ہے۔ اس غلطی کی تفصیل سنیئے:۔

(۱) ضمیر کے لوٹانے میں کبھی لفظ کی رعایت[1] ہوتی ہے اور کبھی معنی کی۔ قرآن مجید میں ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے۔ اور درحقیقت

[1] رعایت خواہ لفظ کی ہو خواہ معنی کی، مرجع غائب ہی کہلائے گا۔ ضمیر غائب حاضر نہیں کہلائے گی جیسا کہ من یقول میں ضمیر ھو کا مرجع مَن ہے اور لفظ من کی رعایت ہے۔ جو لفظاً واحد ہے۔ اور ھُم کا مرجع بھی مَن ہے۔ اور معنی مَن کی رعایت ہے۔ کیوں کہ وہ معنیً جمع ہے۔ لیکن دونوں حالتوں میں ضمیر غائب ہی کہلائے گی۔

(سعیدی)

وُہ ایمان والے نہیں۔

اِس آیت میں مَن کا لفظ مفرد ہے۔ اور معنی اس کا جمع ہے۔ لفظ کی رعایت کریں۔ تو اس کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹے گی۔ اگر معنی کی رعایت کریں تو جمع کی طرف لوٹے گی۔ چنانچہ اس آیت میں یَقُوْلُ کی ضمیر مفرد کی طرف رہی ہے۔ اور وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ جمع کی۔ اسی طرح قرآنِ مجید میں ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ ہر نفس موت کے چکھنے والا ہے۔ عربی میں چونکہ نفس کا لفظ مؤنث ہے۔ اِس لیے اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹتی ہے۔ خواہ مراد اس سے مرد ہو یا عورت۔ ہماری زبان میں اس کی مثال ،، ہستی ،، کا لفظ، مراد اس سے خواہ مَرد ہو، استعمال اس کا مؤنث ہی کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ اچھی ہستی ہے، اچھا ہستی نہیں کہا جاتا۔ اِس طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار جب تجھے دیکھتے ہیں، تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (بُرائی سے) ذکر کرتا ہے،، اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں مگر ضمیر غائب لوٹ رہی ہے۔ گویا الذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے بلکہ ایسے مقام پر لفظ الذی کی رعایت زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا پتہ تبلاتے ہوئے کہے: انا الذی یقال لہ زید تو یہ انا الذی یقال لی زید سے زیادہ فصیح ہے۔ چنانچہ قواعدِ عربیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حالاں کہ متکلم سامنے ہوتا ہے۔ مگر الذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے۔ مولوی عبد الجلیل اور اہلسنت و جماعت دونوں بیچارے ضمیر غائب کی اُلجھن میں پھنس کر راجح بات سے غائب ہو گئے، "اِنَّا لِلّٰہِ" علاوہ ازیں ان سے اور غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ نمبروار سنیئے:

<u>دوسری غلطی</u>: مولوی عبد الجلیل نے بخاری وغیرہ کے حوالہ سے ہرقل کی حدیث کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے۔ اِنِّیْ سَائِلٌ ھٰذَا عَنْ ھٰذَا الرَّجُلِ، اس عبارت میں پہلے ہذا سے ابو سفیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف؛ یعنی ہرقل نے ابو سفیان کے ساتھیوں سے اپنے ترجمان کی معرفت کہا کہ میں ابوسفیان سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی عبد الجلیل کا اس سے یہ مطلب ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرقل کی مجلس میں نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہذا کے استعمال میں سامنے ہونا شرط نہیں۔ لیکن مولوی عبد الجلیل نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے کہ اُخروی معاملات پر قیاس کیا ہے۔ حالاں کہ آخرت کا معاملہ عموماً خرق عادت ہے۔ مثلاً قبر کا فراخ ہونا یا تنگ ہونا، یا قبر کا میت سے باتیں کرنا۔ جنت

اور دوزخ کی طرف سے کھڑکی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر مسلط ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ خرق عادت کی قسم سے ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا کوئی بعید امر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب لفظ کا حقیقی معنی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں مکشوف مانا جائے۔ تا حقیقی معنی مراد ہوسکیں۔ برخلاف ہرقل کی حدیث کے کیوں کہ یہ دنیوی معاملہ ہے۔ اور دنیوی معاملہ میں خرقِ عادت کی صورت میں حقیقی معنی متروک ہوسکتا ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں رَأَیْتُ اَسَدًا یَرْمِیْ میں نے شیر کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی کرتا ہے۔ چونکہ شیر کا تیر اندازی کرنا خرق عادت ہے۔ اس لیے شیر کا حقیقی معنی چھوڑ کر اس سے بہادر آدمی مراد لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہرقل کی حدیث میں ہذا لفظ کو سمجھ لینا چاہیے۔

کیوں کہ ہرقل کی حدیث میں بھی یہی صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو خط لکھا جس میں اسکو دعوت اسلام دی، اس نے خط پڑھ کر دریافت کیا کہ محمد کے رشتہ داروں سے یہاں کوئی موجود ہے۔ پتہ چلا کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھی موجود ہیں۔ اس نے ان کو بلا کر ابوسفیان کو سامنے بٹھایا۔ اور ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھا کر مذکورہ بالا گفتگو شروع کرکے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے۔ اس سارے واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے نہ تھے۔ اور مکشوف ماننا خرقِ عادت ہے۔ اس لیے مجازی معنی مراد ہوگا۔ غرض آخرت کے معاملہ میں خرقِ عادت ایسا ہی ہے، جیسے دنیوی معاملہ میں موافق عادت اور موافق عادت ہونے کی صورت میں حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے۔ جب حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ پس قبر میں سوال کی حدیث میں مکشوف ماننا چاہیے تاکہ ہذا کا حقیقی معنی قائم رہے۔ ہاں اگر مجازی پر دلیل ہوتی جو حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہوتی تو اس صورت میں حقیقی معنی متروک ہوسکتا۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ میں اوپر گزر چکا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں۔

تیسری غلطی: مولوی عبدالجلیل نے لکھا ہے، کہ ہرقل نے ترجمان سے کہا اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا حالانکہ ہرقل نے اپنے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان کے ساتھیو سے یہ کہا۔

چوتھی غلطی: مولوی عبدالجلیل لکھتے ہیں، حافظ روپڑی نے وہی ہذا کی ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ بات یہ ہے حلق سے بات کیسے اترے۔ آپ لوگ اصولِ مخترعہ کے پابند رہ کر کلامِ نبوی کا اس پر موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ اصول مخترعہ سے مولوی عبدالجلیل کی مراد حقیقت مجاز کا مسئلہ ہے۔ حالاں کہ قسطلانی نے آپ کی نقل کردہ عبارت میں

تصریح کی ہے کہ حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ مجاز ہے۔ اور کتب معتبرہ عربیہ میں ہذا کو اشارہ حسیہ کی قسم سے شمار کرنا اور ہذا کو قریب کے لیے اور ذاک اور ذالک کو بعید کے لیے۔ یا ذاک کو متوسط کے لیے اور ذالک کو بعید کیلئے کہنا اور جب ہذا کا استعمال معقول (حاضر فی الذہن) میں ہو تو اس وقت یہ کہنا کہ اس کو منزلہ محسوس کے قرار دے کر یہاں ہذا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اسی خبر کی بنا پر ہے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہیں۔ اور حاشیہ خضری شرح ابن عقیل کے ص۵۹ میں ہے: اسم الاشارۃ ما وضع لمشار الیہ ای حسا بالاصبع ونحوہ فلا بد من کونہ حاضرا محسوسا بالبصر فاستعمالہ فی المعقول والمحسوس بغیرہ مجاز۔ یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے موضوع ہو، جس کی طرف انگشت وغیرہ سے حسی اشارہ ہو۔ پس ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو اور بصر کے ساتھ وہ محسوس ہو۔ پس معقول میں یا محسوس میں اس کا استعمال جس کی طرف انگشت وغیرہ سے اشارہ نہ ہو سکے مجاز ہے۔ تاج العروس شرح قاموس ص۳۳۴ جلد ۱۰ میں امام ابو الہیثم سے نقل کیا ہے۔ ذا اسم لکل مشار الیہ معاین یراہ المتکلم المخاطب یعنی ذا ہر مشار الیہ کا اسم ہے۔ جس کا مشاہدہ ہو اور متکلم مخاطب اور اس کو دیکھتے ہوں۔ غرض اس قسم کی تصریحات ائمہ عربی وغیرہ کی بہت ہیں۔ جن کا اصل یہی ہے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے۔ پس حقیقت مجاز کے مسئلہ کو اصول مخترعہ کہہ کر ہذا کے حقیقی مجازی معنی میں فرق نہ کرنا یہ ڈبل غلطی ہے۔ اگر الفاظ کے معانی میں حقیقت مجاز کا فرق نہ کیا جائے، تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً آیت کریمہ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ: میں چچا کو بھی باپ کہا ہے۔ اس بنا پر کوئی کہے کہ آیت وراثت وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ۔ میں چچا بھی مراد ہے اگر باپ وغیرہ نہ ہو تو چچا اس کے قائم مقام ہوگا۔ تو کیا یہ صحیح ہے ہرگز نہیں کیوں کہ چچا حقیقتہً باپ نہیں بلکہ اس کو مجازاً باپ کہا ہے[1]۔ اس قسم کی بے شمار امثلہ ہیں جو مسئلہ حقیقت مجاز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو اصول مخترعہ کہنا غلطی ہے۔

<u>پانچویں غلطی</u>: قسطلانی کی عبارت کو اس محل میں پیش کرنا غلطی ہے۔ کیوں کہ قسطلانی نے حاضر فی الذہن کا احتمال ذکر کر کے اس کو مجاز کہہ دیا ہے۔ گویا اس سے احتمال کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیوں کہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کا احتمال کمزور ہے۔ جس کا ارتکاب بلا دلیل درست نہیں۔ پس یہ عبارت درحقیقت ہماری مؤید ہے۔ مگر

---

[1] اس آیت میں حقیقت اور مجاز دونوں جمع ہو گئیں، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کیوں کہ اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے حقیقی باپ ہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مجازی باپ ہیں: (سعیدی)

مولوی عبدالجلیل غلطی سے اپنی مؤید سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ عینیؒ کا خیال اس مسئلہ میں راجح ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق عموماً بڑی ہوتی ہے مگر بحکم لِکُلِّ جوادٍ کبوۃ اس مسئلہ میں عینیؒ کی رائے کو ترجیح ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کا کہنا کہ آپ حاضر فی الذہن ہیں۔ اس کی بابت عرض ہے کہ کیا یہ معنی حقیقی ہے یا مجازی۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجازی ہے۔ پس عینیؒ کا خیال درست ہوا۔ پس ان پر کوئی چوٹ نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا حاضر فی الذہن ہونا ان لوگوں کی نسبت تو درست ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے کیوں کہ ان کے ذہن میں آپ کی خاص شکل و صورت حاضر ہو سکتی ہے۔ لیکن جنہوں نے آپکو دیکھا ہی نہیں۔ ان کے ذہن میں تو آپ کے صفات ہیں جو کلیات ہیں جن میں تعین اور تشخص نہیں۔ تو پھر آپ بعینہٖ حاضر کس طرح ہوئے اور جب آپ بعینہٖ حاضر نہ ہوئے۔ اور صرف آپکی صفات ہوئیں۔ جو کلیات ہیں تو ان کے نزدیک بھی حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہ ہوا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عینیؒ کا خیال درست ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنیٰ ہے۔ تو حاضر فی الخارج بطریق اولےٰ ہذا کا حقیقی معنی ہوگا۔ پس اس صورت میں عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ برابر ہوں گے۔ کیوں کہ لفظ جب دو معنوں کے درمیان مشترک ہو تو بغیر دلیل کے کسی کو نہیں لے سکتے۔ نہ حافظ ابن حجرؒ کا مذہب ثابت ہوا نہ عینیؒ کا۔ ہاں عینیؒ کے مذہب کو ایک اور طرح سے ترجیح ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ حاضر فی الذہن کو ہذا کا حقیقی معنی ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہذا دو معنوں میں مشترک ہو اور اگر حاضر فی الذہن کو مجازی معنی قرار دیں تو اس صورت میں ہذا حقیقت مجاز ہوگا۔ اور عربیت کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب ایک لفظ اشتراک اور حقیقت مجاز کے درمیان دائر ہو تو اس کو حقیقت مجاز بنانا چاہیئے۔ کیونکہ اشتراک سے حقیقت مجاز کی کثرت ہے پس کثرت پر محمول ہوگا۔ اس بنا پر عینیؒ کے مذہب کو ترجیح ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا ہی غالب رہا۔

چھٹی غلطی: مولوی عبدالجلیل نے ایک یہ اشکال پیدا کیا ہے۔ کہ آنِ واحد میں بیشمار اموات سے سوال ہوتا ہے۔ تو آپ کی ذات کو تو اسی حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔ مگر یہ اشکال مولوی عبدالجلیل کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری عبارت یہ ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میت کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور میت کو آپ کا وجود باوجود قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔ اس عبارت میں قریب نظر آنے لگتا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے ذوالقرنین کے قصہ میں قرآن مجید میں مذکور ہے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۔ یعنی ذوالقرنین نے سورج کو سمندر میں غروب ہوتے پایا۔ اس پر مفسرین نے لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعہ میں سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح دکھائی دیا۔ ٹھیک اسی طرح ہماری عبارت ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع ہر ایک قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔ سچ ہے کم من عائب قولا صحیحًا ۔ وآفته من الفهم السقيم مثل مشہور ہے۔ ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیئے۔ مولوی عبدالجلیل اعتراض تو ہم پر کرتے ہیں۔ کہ۔ ایڈیٹر تنظیم کی عادت قدیمہ ایسی ویسی ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے قلم برداشتہ اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ حالاں کہ مسائل کا معاملہ بڑی ذمہ داری کا ہے۔ قلم سوچ سمجھ کر اُٹھانا چاہیئے۔ خدا ہدایت دے اور سمجھ دے۔

ساتویں غلطی : مولوی عبدالجلیل نے حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے لکھ کر کہا ہے کہ مولانا روپڑی نے جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ اہلحدیثوں کا ہرگز نہیں۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے۔ اہلحدیث کا طریق تو قرآن وحدیث اور اتباع السلف ہے مولوی عبدالجلیل نے کونسی آیت وحدیث پیش کی ہے۔ جو ہمارے خلاف ہے۔ یا کون سے اقوال سندًا پیش کئے ہیں جن سے ہم علیحدہ ہو گئے۔ مولوی عبدالجلیل کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں۔ محض بریلویوں کی ریس ہے۔ کہ یہ وہابی ہیں۔ ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ حقیقت اس کی کچھ نہیں۔ مولوی عبدالجلیل صاحب آپکی شان کے یہ لائق نہیں، آئندہ احتیاط رکھیں۔ خدا آپ کی حفاظت کرے۔ آمین

تنبیہہ : مولوی محمد صاحب ایڈیٹر محمدی نے بھی اس محل میں چند باتیں لکھی ہیں، ہم چاہتے کہ ان کی خدمت میں کچھ عرض کر دیں۔ مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں۔ محترم مولانا حافظ صاحب! ذرا ایک بات تو بتلائیں ۱۔ چودہ سو سال کے بعد کے آنے والے کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا کوئی شخص جسے کبھی اس نے دیکھا نہ ہو کھڑا کر دیا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کون ہے؟ تو کیا عقل کہتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے سکے گا۔

۲۔ یہ مان لینے سے کہ حضور قبر میں لائے جاتے ہیں آپ کی تشبیہہ پیش کی جاتی ہے، سوال وجواب میں وہ لطافت ہی باقی نہیں رہتی، جو شریعت نے رکھی ہے، ذوق سلیم اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، جس کی تعلیم آپ دے رہے ہیں۔

۳۔ جناب من صرف لفظ ہذا کو جو اس موقعہ پر مثل تشابہ کے ہے اے کہ صراحت کے جو مَنْ نَبِيُّكَ

وغیرہ میں مثل محکمات وغیرہ کے ہے، چھوڑ دینا تو شاید آپ اتباعِ سلف میں داخل نہ کر سکیں۔

۴ کیا جناب نے یہ بھی خیال کیا کہ بدعتی طبقہ کے ہاتھ میں جو پہلے ہی حضورؐ کو ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں۔ آپ کیسا کچھ ہتھیار دے رہے ہیں۔

۵ کیا اس قسم کے الفاظ ایسے مسائل کے استخراج کے لیے کافی ہیں کہ قبرستان کے سلام کا خطاب مردوں کے حسّاس اور سننے والے مثل زندوں کے ہونے کے لیے بس ہے۔

۶ کیا رَبِّی وَرَبُّکَ اللہ کا خطاب چاند سے کرنا اس لیے بھی کوئی کمالِ قدرت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اگر نہیں،

۷ تو کیا جناب کے پاس قرآن وحدیث سے مذہب سلف سے کوئی ایسی دلیل ہے۔ جس سے حضورؐ کا ہر گورے، کالے، مسلم، کافر، عربی، عجمی کی قبر میں پھیرے کرنا اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔

۸ لفظ ہٰذا اگر موجود شے کی طرف اشارہ کے لیے ہے۔ تو پھر اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ جو اتنا لمبا سوال ہو جائے۔

۹ لفظ ہٰذا پر اتنا اصرار کرنا اس کے لفظی معنی کی وجہ سے ہے کہ عقائدِ اسلام اور اجماعِ صحابہؓ اور ضروریاتِ دین کے فوت ہونے پر بھی اس لفظ کو اس معنی سے نہ ہٹایا جائے۔ تو پھر اس سوال کے جواب میں لفظ ھُوَ پر بھی ایسا ہی اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ وہ تو غائب کی ضمیر ہے۔ پس مان لیجئے کہ حضورؐ غائب ہو جاتے ہیں موجود نہیں ہوتے۔

۱۰ آخری ایک اور چیز سُن لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ہٰذا معنیٰ ذٰلک کے ہے۔ یعنی اسم اشارہ قریب کے لیے نہیں بعید کے لیے ہے۔ اور اسم اشارہ قریب کا بعید کے لیے اور بعید کا قریب کے لیے لغت عرب میں برابر مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اس کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ذٰلِكَ معنیٰ میں ہٰذا کے ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر پارہ اول ص۲۳۔ پس جیسے ذٰلِکَ معنیٰ میں ہٰذا کے آتا ہے۔ ویسے ہی ہٰذا معنیٰ ذٰلِکَ کے بھی مستعمل ہے۔ پس یہاں دوسری حدیثوں کی تشریح کے مطابق لفظ ہٰذا معنیٰ میں ذٰلِکَ کے ہے۔ چنانچہ تفسیر محمدی ترجمہ ابنِ کثیر کے اسی صفحہ میں ہے۔ یہ دونوں لفظ قائم مقام عربی زبان میں آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے ابوعبیدہؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ عربی کی تفسیر کے لفظ بھی ملاحظہ ہوں

فستعملون کلا منهما مکان الاخر وهذا معروف فی کلامهم وقد حکاه البخاری من معمر المثنیٰ عن ابی

عبیدة۔ (جلد اول مصری ص۶۵)

مولانا کا سارا مدار اس لفظ پر تھا اور یہ لفظ دور کے اشارہ کے لیے بھی آتا ہے۔ اب وہ نیو ہی نہ رہی جس

پر کشت کی یا تنبیہہ کی یا حاضری کی عمارت کھڑی کی جائے۔

۱۔ قرآن میں ہے ذَالِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ تو کیا اس میں اللہ تعالےٰ کا وجود سامنے موجود تھا جس کی طرف اشارہ ہو

۲۔ حاشیہ تہذیب میں صراحت ہے کہ لفظ ہذا سے اشارہ کبھی غیر موجود غیر محسوس غیر مشاہد کیطرف بھی ہوتا

ہے۔ امید ہے کہ ان وزنی بھر دلیلوں کے ہوتے ہوئے مکرمی حافظ صاحب مزید غور فرمائیں گے۔ والسلام

محمد۔ اخبار محمدی یکم مارچ ۳۶ء

جواب

۱۔ چودہ سو برس کے بعد آنے والے کا پہچاننا اس کا حل ہم نے پہلے ہی حل کر دیا تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، وہ بھی آپ کے وجود باجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے۔ کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ کیوں کہ احادیث

میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو وہ جواب میں کہے گے تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ

کے رسول ہیں، تو وہ جواب دے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی

اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر مومن فراست ایمانی سے اندازہ کرلے گا

کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں۔ (تنظیم ۲۲ نومبر ۳۵ء)

ہاں بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے۔ تو وہ۔ آہ محمد۔ یا ائی رجل کہہ کر سوال کرتی ہیں، چنانچہ ابھی

اوپر ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں اس کی تفصیل ہوئی ہے۔

۲۔ حضور قبر میں نہیں لائے جاتے بلکہ درمیان سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔ جس سے آپ میت کے سامنے ہو جاتے

ہیں۔ ۳۔ اس سے پہلے تفصیل ہو چکی ہے کہ سوال کی چار صورتیں ہیں۔ ایک هذا الرجل (معرفہ کے ساتھ) خواہ

اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ۔ دوم رجل نکرہ کے ساتھ۔ اس میں نام یا صفت کا ہونا ضروری ہے۔

جیسے رجل یقال له محمد مَا هُوَ۔ سوم مَنْ کے ساتھ جیسے مَنْ نَبِیُّکَ یا من الرسول الذی بعث الیکم چہارم

شہادت کے ساتھ جیسے مَا شَهَادَتُکَ تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵، ۲۹۶ جلد ۵، یہ چار صورتیں الگ الگ ہیں۔

اگر ان میں سے مَنۡ نَّبِیُّکَ وغیرہ محکمات سے ہو تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ ہٰذا کی صورت میں کشف نہیں، پھر ہٰذا کو تشابہ کہنا بھی ٹھیک نہیں، کیوں کہ تشابہ وُہ ہے جس کے معنٰی میں اشتباہ ہو اور اس کی تعیین نہ ہو۔ اور ہٰذا کا معنٰی معلوم ہے۔ اس میں کوئی اشتباہ نہیں چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔

۴ اس کا جواب ۲ میں آ گیا کہ آپ قبر میں نہیں لائے جاتے۔ پس ہم نے بدعتیوں کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں دیا۔ آپ کو مولوی عبدالجلیل کی طرح غلطی لگی ہے ورنہ ہماری کلام کا مطلب واضح ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط ۵ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

۵، ۶ ہمارا مردوں کو، چاند کو خطاب کرنا دنیوی معاملہ ہے۔ اور فرشتوں کا ہٰذا کے ساتھ میت سے سوال کرنا اُخروی معاملہ ہے۔ اس لیے اس کا قیاس مردوں کے یا چاند کے خطاب پر صحیح نہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط ۲ اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۷ قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیر نکلنے کے ہم قائل نہیں۔ چنانچہ ابھی ۲ میں گزرا ہے۔

۸ بعض میتوں کو آپ کے چہرہ مُبارک پر نظر پڑنے سے کچھ تردد رہتا ہے۔ تو ان کے لیے اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۹، ۱۰ ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ہٰذا کا معنی لینے میں کون سے عقائدِ اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریات دین فوت ہوتے ہیں۔ اور ضمیر غائب سے غائب سمجھنا یہ مولوی عبدالجلیل کی طرح آپ کی ڈبل غلطی ہے چنانچہ اوپر گزر چکا ہے اسی طرح اشارہ بعید کے بعد ہونے سے غائب سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھئے آفتاب کتنی دُور ہے مگر دن کو سامنے ہے غائب نہیں پھر ہٰذا کو ذالک کے معنی میں لینا مجاز ہے۔ اس کے لیے آپ نے اس جگہ کوئی قرینہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ہمارا خیال نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ میں قریب ہوتے ہیں، ہاں یہ خیال ہے کہ میت کو قریب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہٰذا کو ذالک کے معنی میں لینے پر کوئی قرینہ ہو تو ہم بعید کے قائل ہو جائیں گے۔ مگر اس سے غیب کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا۔

۱۱ ذَالِکُمُ اللہُ رَبُّکُمۡ کا جواب وہی ہے جو اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ کا ہے۔ جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ ۱۲ تہذیب کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وُہ مجازی معنی ہے۔ جس کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے۔ حدیث میت میں کوئی قرینہ نہیں پھر بلا قرینہ کیوں کر مُراد ہو سکتا ہے۔ پس درجن بھر دلیلیں نام ہی کی ہیں، کام کی نہیں۔ والسلام

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوائے اہلحدیث جلد ۲ ص۴۷۰ تا ص۴۹۰)

سوال: قبر میں میت کو کرم وغیرہ کھا جاتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی بیرونی جانور شیولہ وغیرہ بھی قبر میں گھس کر لحم میت کو کھاتا ہے۔ آیا میت کو اس سے ایذا پہنچتی ہے؟

جواب: مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت فصل ۳ میں ہے۔ عن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لا توذ صاحب ھذا القبر ولا توذہ رواہ احمد عمرو بن حزم کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا فرمایا اس قبر والے کو ایذا نہ دو۔

مشکوٰۃ کے اسی باب فصل ۲ میں ہے۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ احمد مالک وابوداؤد وابن ماجۃ حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔

اس قسم کی کئی روائتیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے مگر بعض روایتوں سے معلوم ہے کہ ظاہر اسباب کا اثر میت پر نہیں۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ مر عبد اللہ بن عمر علی قبر عبد الرحمن بن ابی بکر اخی عائشۃ وعلیہ فسطاط مضروب فقال یا غلام انزعہ فانما یظلہ عملہ فقال الغلام تضربنی مولاتی قال کلا فنزعہ، عبداللہ بن عمر رضی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی حضرت عائشہ رضی کے بھائی کی قبر پر گذرے۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا فرمایا اے غلام اس کو اکھاڑ دے۔ کیونکہ اس کو اس کا عمل سایہ کرے گا۔ غلام نے کہا میری مالکہ مجھے مارے گی۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ پس اس کو اکھاڑ دیا۔

اسی طرح ابوہریرۃ رضی سے روایت ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میت کو دنیوی اشیاء کا فائدہ یا نقصان نہیں۔ نیز حدیث میں ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جنگ احد میں شہید ہوئے اور کفار ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ میری پھوپھی صفیہ (حمزہ رضی کی بہن) برداشت کرے تو میں حمزہ رضی کو اسی حال میں چھوڑ دوں کہ کتے بلے کھا جائیں اور قیامت کے دن ان کے پیٹوں سے جمع کیا جائے۔ اس کہنے سے مطلب آپ کا یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں ذلت حقیقت میں ذلت نہیں، لیکن عورتوں کے دل کمزور ہوتے

ہیں۔ اس لیے دفن مناسب ہے۔ یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ میت زندہ کی طرح نہیں ورنہ زندہ کو بھی اس طرح رکھ دینا درست ہوتا۔ پھر ظاہر پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ میت کو دنیوی اسباب کی تکلیف نہیں، مثلاً زندہ کو قبر میں دبا دیں تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ہرگز نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ ہاں میت کا وقار اور اس کی حیات کی وضع کو قائم رکھنے کے لیے جس قدر حدیث میں آگیا ہے اتنا کرنا چاہیئے، مثلاً میت کو غسل عزت کے ساتھ دیا جائے۔ کفن اچھا پہنایا جائے۔ عزت کے ساتھ قبر میں اتارا جائے۔ اسی طرح ہڈی توڑنے سے ممانعت بھی اسی وقار پر محمول کرنی چاہیئے۔ اور ایذا آنے نبی ؑ کی حدیث کا مطلب بھی یہی لینا چاہیئے کہ اس کی توہین نہ کی جائے۔ پس اس صورت میں سب روایتوں میں موافقت ہو جائے گی۔ لیکن یہ جو کچھ ذکر ہوا ہے بدنی ایذاء کے متعلق ہے۔ رہا سماع کا مسئلہ تو اس کی تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ سماع موتیٰ ملاحظہ کریں بلکہ اس میں بدنی ایذاء کے متعلق بھی کافی مواد موجود ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ صـ۴۹۰)

سوال : شہداء کی لاش کو قبر میں مٹی یا دیمک وغیرہ کھاتی ہے یا نہیں ؟

جواب : شہید کے جسموں کے متعلق قرآن مجید و حدیث میں تشریح نہیں آئی۔ کہ ان کو قبر میں مٹی کھاتی ہے یا نہیں، البتہ انبیاء کے اجساد کے متعلق حدیث میں تصریح آئی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (ابن ماجہ باب ذکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دفنہ " یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کو کھائے۔ ہاں بعض واقعات اس قسم کے پائے گئے ہیں کہ بزرگوں کی لاش کو مٹی نے نہیں کھایا جن میں بعض شہید ہیں اور بعض غیر شہید۔ عبداللہ امرتسری (فتاوٰی اہلحدیث صـ۴۹۲/۲)

سوال : جب شہید زندہ ہیں تو ان کے زندہ ہونے کی کیا نوعیت ہے ؟

جواب : شہداء کی زندگی کی نوعیت حدیث میں آئی ہے کہ پرندوں کی شکل میں ان کے ارواح جسموں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی جامع اہلحدیث لاہور (فتاوٰے اہلحدیث صـ۴۷۴/۲)

ـــ تو کیا میت کو بھی دبانے سے تکلیف ہوتی ہے۔

سوال: جب درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص آپ کی قبر شریف کے پاس خود سنتے ہیں اگر نہیں سنتے تو کیسے سنتے ہیں؟

جواب: یہ حدیث صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر زیر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (پ ۲۲ ع ۱۳) ضعیف حدیث مسائل اعتقادیہ میں معتبر نہیں ہوتی۔ عبداللہ امرتسری (فتاوےٰ اہلحدیث ص ۴۲۳/۲)

سوال: قبر میں میت کو دفن کرتے وقت تھوڑی سی مٹی پر ایک شخص قل ہو اللہ احد پڑھے وہ مٹی قبر میں رکھی جائے۔ اور ایک اینٹ پر کلمہ لکھ کر اندر رکھی جائے۔ دفن کے بعد قبر پر اذان دی جائے کیا جائز ہے؟

جواب: ایسے افعال حدیثوں سے ثابت نہیں ہیں اگر کچھ ہے تو بدعت ہے۔

تشریح: واضح ہو کہ ڈھلے مٹی پر سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں نہ صحابہ کرام و نیز قول و فعل تابعین و تبع تابعین و طبقات ہفت کا نہ فقہائے حنفیہ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ و معتمدہ میں ثابت، غرض اسکی کوئی سند نہیں، اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن پڑھنا یا چنوں پر کلمہ پڑھنا، اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں، چہلم چھ ماہی اور برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں۔ اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے۔ ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقرر اور تعین وقت اور دن کے جب چاہے پہنچا دے۔ درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں۔ جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ملخص) حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ فتاوےٰ نذیریہ ص ۴۲۱/۱ ، فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹،

سوال: قبر پر میت کا نام اور وفات تاریخ سنگ مرمر کے پتھر پر کندہ کروا کر قبر پر بطور یادداشت کے گاڑنا، از روئے قرآن و حدیث جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر ایک صحابی کی قبر پر رکھ کر فرمایا تھا۔ اس لیے رکھتا ہوں یہ قبر پہچان لیا کروں، پتھر پر نام میت لکھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں۔ مدینہ شریف کے قبرستان میں آج تک بھی امام مالکؒ کی قبر پر اسی طرح کا ایک پتھر یا لکڑی کی تختی کھڑی ہے۔

تعاقب: مفتی صاحب! اہلحدیث نے ۱۵ محرم کے پرچے میں لکھا ہے۔ کہ قبر کے سرہانے پتھر رکھ دیا جائے اور اس پر میت کا نام وغیرہ لکھ دیا جائے تو حرج نہیں۔ حالاں کہ ترمذی کی حدیث میں ہے: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تجصص القبور وان یکتب علیہا پس مطلق قبر پر لکھنا نام ہو یا سنہ سب منع ہے۔

(عبداللطیف از دہلی)

جواب تعاقب: آپ نے قبر کے لفظ پہ غور نہیں کیا، جو حدیث کا لفظ ہے۔ قبر کوہانی شکل کا نام ہے پتھر اس سے الگ منفصل چیز ہے۔ حدیث کے صریح الفاظ حجت ہیں قیاس کسی کا حجت نہیں، باوجود اس کے میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۵۳۰

توضیح الکلام: تحقیق متعاقب صحیح ہے۔ رائے مفتی صاحب کی مرجوح ہے۔ جیسا کہ اعتراف مفتی صاحب سے واضح ہے کہ میرا اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ نشانی کے طور پر پتھر وغیرہ قبر کے سرہانے رکھنا سنت ہے اور اس پر لکھنا خلاف سنت ہے۔ (سعیدی)

سوال: قبروں پر عرس کرنا، جھنڈا کھڑا کرنا۔ گلی کوچوں میں باجے بجاتے پھرنا اور اس قسم کی خرابیاں کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: یہ کام سخت گناہ کے ہیں بغیر کسی اور خرابی کے صرف عرس کرنا بھی بدعت اور سخت گناہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، نہ صحابہ کرام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا نہ تابعین نے کیا، نہ ائمہ دین نے حکم دیا یہ سب رسومات پیچھے کی بنی ہوئی ہیں۔

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ بنانا قبر کا چونہ اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست ہے یا نہیں اور بلند قبر کا پست کر دینا درست ہے یا نہیں اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں، ان سے پتھر وں کا علیحدہ کرنا اور ان کا بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: پختہ بنانا قبر کا چونہ اور اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے۔ اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے، یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جائے۔ اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں، ان کو منہدم کر کے پتھر علیحدہ کر لینا درست ہے، چونکہ وہ پتھر متعلق

قبرے نہیں ہیں اس لیے اس کا بیع کرنا شرعًا درست ہے۔ عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر۔ نہی کرد آنحضرت از گچ کردن گور۔ وگفتہ اند اگر گل کنند تا ویران نشود بر گور است۔ وان یبنیٰ علیھا ونہی کرد از آنکہ بنا کردہ شود بر گور۔ بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است از سنگ وما نند آں نیز مکروہ ومنہی عنہ است الخ رواہ مُسلم کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ وایضًا فیھما عن جابرؓ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور نہی کرد آں حضرت آنچہ گچ کردہ شود قبرہا از جہت آنچہ درو ست از تکلف وتزیین۔ و ورد داشتہ است حسن بصری گل کردن وشافعی گفتہ مستحب است گل کردن۔ ودرخانیہ گفتہ تطیین قبور لاباس بہ کذا فی مطالب المومنین۔ ونیز گفتہ اند کہ مکروہ است برپا کردن الواح مکتوبہ کہ بیفائدہ ہے انتہٰی ویکرہ الاجر والخشب لانھما لاحکام البناء والقبر موضع البلی کذا فی الھدایۃ۔ ویکرہ الاجر والخشب کذا فی شرح الوقایۃ والکنز ای یکرہ ان یوضع علی القبر اجر وخشب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یشبہ القبور بالعمران والاجر والخشب للعمران ولانھما یستعملان للزینۃ ولا حاجۃ ایھما للمیت کذا فی البداع ھکذا فی المستخلص شرح الکنز وغیرہ واصل النھی التحریم کما ھو مذکور فی اصول الفقہ کذا فی مأیۃ المسائل فی تحصیل الفضائل فی البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع۔ انتھیٰ وفی درالمختار یسنم مندوبا وفی الظھیریۃ وجوبًا قدر شبر انتھٰی وکذا فی العالمگیریۃ وغیرھا عن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالًا الاطمستہ ولا قبرًا مشرفًا الا سویتہ ونہ گذاری گور بلند را مگر آنکہ برزمین برابر ہموار کنی یعنی پست کنی چنانکہ نزدیک بزمین باشد آں قدر کہ پیدا ونمایاں بود مقدار یک شبر چنانکہ سنت است رواہ مُسلم کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات۔

واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین (دہلوی) فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۴۳۴

سوال : ایک اونچا چبوترہ ہے۔ جس کے جنوبی طرف بے شمار قبریں ہیں اور مغرب کی طرف دو قبے اور ایک مسجد ہے۔ اثنا نماز وغیر نماز میں قبروں کے تعویز کھڑکیوں کی جالی سے صاف نظر آتے ہیں، زید مسجد اور صحن کو چھوڑ کر اکیلا اور بحالت امامت شمال قبہ متصل مسجد کے کھلے دروازے کے بالکل سامنے نماز پڑھتا ہے الخ

جواب : قبر جو نظر میں آتی ہو اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنی ممنوع ہے۔ تاکہ شرک کا شُبہ نہ ہو۔

واللہ اعلم۔ فتاوے ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۴۸

سوال: میت کو قبر میں رکھ کر منکر نکیر کے سوال بتا کر جواب بتانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیا مردہ سنتا ہے؟

جواب: ایک حدیث میں ہے لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھلایا کرو۔ اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اصل مُردوں کو قبروں میں سکھاؤ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اصل مراد نہیں بلکہ جو لوگ قریب المرگ ہیں ان کو سکھاؤ، پہلے قول والے قبر میں رکھ کر مردہ کو لا الٰہ الا اللہ وغیرہ تلقین کرتے ہیں دوسرے قول والے قریب المرگ کو کرتے ہیں۔ پچھلا قول صحیح ہے کیوں کہ اس کا فائدہ خود حضرت نے فرمایا کہ جو شخص دُنیا کے کوچ کے آخری وقت لا الٰہ الا اللہ پڑھے گا وُہ نجات پا جائے گا۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول صہ ۵۴۹)

سوال: قبرستان میں جوتا، یا کھڑاؤں پہن کر چلنا کیسا ہے اور اسمیں کھلیان دھان وغیرہ طیار کرنے کے لیے بنانا اور رلار پات کا تال لگانا اور اس میں درخت لگانا اور پاخانہ پیشاب وغیرہ کرنا اور قبرستان سے مٹی کھود کر گھر بنانے کے لیے لانا کیسا ہے؟

جواب: جوتہ کھڑاؤں پہن کر چلنا جائز ہے، یسمع قرع نعالهم حدیث میں آیا ہے، زمین خالی ہو تو کھلیان بنانا بھی جائز ہے۔ ورنہ قبروں میں کھلیان نہیں ہو سکتا۔ نہ جائز ہے۔ کیوں کہ قبروں کی توہین ہے۔ زمین وقف نہیں تو مٹی لینا منع نہیں۔

تشریح: قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست نہیں ہے۔ منتقیٰ میں ہے: عن بشير بن الخصاصية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يمشي في نعلين بين القبور فقال يا صاحب السبتيتين القهما رواه الخمسة الا الترمذي: یعنی بشیر بن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وُہ جُوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے۔ فتاوٰی نذیریہ جلد اول صہ ۴۰۷

توضیع الکلام: یسمع قرع نعالهم جوتہ پہن کر قبرستان جانے کے لیے نص صریح ہے اور مثبت ہے لہذا القهما کسی خاص وجہ کی بنا پر جوتہ ڈالنے کا حکم دیا ہو گا۔ مثلاً جوتہ صاف نہ ہو گا، ورنہ مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے جائز ہے۔ سعیدی

سوال : اگر کسی قبر میں مُردہ کی ہڈی پائی جائے تو کیا کرے ؟

جواب : ایسی جگہ دفن کرنا منع نہیں۔ ہڈی نکال کر مردہ دفن کر دیں۔

شرفیه : مسلم مُردہ کی ہڈی کا احترام لازم ہے۔ حدیث نبوی ہے کسر عظم المیت ککسرہ حیًا رواہ ابوداؤد باسناد علی شرط مسلم وزاد ابن ماجۃ من حدیث ام سلمۃ فی الاثم بلوغ المرام لہٰذا مُسلم کی ہڈیوں کو یونہی رہنے دیا جائے اور دوسری قبر بنا کر مردہ کو دفن کریں۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی

توضیح الکلام : تمام ہڈیوں کو احتیاط سے جمع کیا جائے اور قبر کو تیار اور صاف کر کے میت کو اسمیں دفن کیا جائے اور ہڈیوں کو ایک طرف رکھا جائے تو اسمیں کوئی حرج کی بات نہیں۔ جیسا کہ آج کل عرب میں ہو رہا ہے کہ کچھ مدت کے بعد ہڈیوں کو ایک طرف کیا جاتا ہے۔ (سعیدی)

سوال : قبر پر ہاتھ اٹھا کر مُردے کے لیے دُعا مانگنی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر ناجائز ہے تو کس دلیل سے، زید کہتا ہے کہ جب قبرستان جا کر اسلام علیکم یا اہل القبور کہنا جائز ہے تو قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، بکر کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں، دونوں میں سے کس کا قول درست ہے ؟

جواب : دفن کے وقت قبر پر کھڑے ہو کر دُعا کرنا ثابت ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جب بلکہ دُعا کرتے تو ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اس لیے اسلام علیکم پر قیاس کرنے کی حاجت نہیں صاف فعل نبوی سے ثابت ہے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۵۴۲)

توضیح الکلام : قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا عین سنت کے مطابق ہے اور صریح نص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ امام بخاری کی جزء رفع الیدین اور نسائی شریف میں حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) میں تشریف لے گئے اور مُردوں کے لیے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جس کو حضرت عائشہ رضی نے دیکھا اور بیان کیا۔ (سعیدی)

سوال : مُردے کو تابوت میں بند کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : ترمذی میں حدیث کہ حضرت عائشہ رضی کا بھائی عبدالرحمٰن موضع حبشی میں فوت ہوا، وہاں سے

مکہ معظمہ میں لایا گیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت یا مصلحت سے میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا جانا جائز ہے۔ اللہ اعلم

شرفیہ: مگر اس حدیث کے آخر میں قالت لوحضرتک ما دفنت الاحیث مت ولو شھدتک مازرتک رواہ الترمذی مشکوٰۃ جلد ۱ صہ ۱۴۹ لہذا یہ دلیل نہ رہی۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول صہ ۵۴۵)

سوال: کوئی وصیت کر جائے کہ میری لاش کو لکڑی کے تابوت میں بند کرکے قبر میں رکھنا، یہ وصیت کیسی ہے؟

جواب: یہ وصیت خلاف سنت ہے لہذا واجب العمل ہے۔ میت کو زمین میں دفن کرنا اسلامی طریقہ ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول صہ ۵۴۵)

سوال: زیارتِ قبور کی ترکیب کیا ہے؟

جواب: عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کے لیے جاوے تو پہلے قبلہ کی طرف پشت کرکے اور میت کے سینہ کے سامنے منہ کرے اور سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورہ قل ہو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ میں جاوے تو یہ کہے، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔ یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہلِ دیار مؤمنین اور مسلمین سے بخشش فرماوے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ (فتاوے عزیزی صہ ۲۲۵/۱)

سوال: کیا قبرستان میں جوتا اتار کرنا سنت ہے اور نہ اتارنے والا گناہ گار ہوتا ہے؟

جواب: کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، ہاں کسی قبر پر چڑھنا ممنوع ہے۔ اگر قبرستان میں راستہ بنا ہو تو جوتے سمیت گزرنا جائز ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۲۹)

سوال: قدوۃ السالکین حضرت مولانا عبدالواحد صاحب غزنویؒ! قبرستان میں دعائے مغفرت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی الحمد للہ

رب العلمین ۔ ۔ ۲ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی (بخاری) قبرستان میں دعائے مغفرت کریں یا قرآن کریم پڑھیں تمہاری نیت کے مطابق مُردوں کو تقسیم ہوں گی [لہ]۔ البتہ مشرکوں اور منافقوں کو نہ ملیں گے ۔ مشرکوں کے بارہ میں تو قرآنی حکم ہے ۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ الایۃ اور منافقوں کے بارہ میں فرمایا وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ الایۃ اور فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ الایۃ جب اللہ عزوجل کے رسول کی دعائے مغفرت ان کو نہیں پہنچ سکتی ہے تو ہماری دعا اور تلاوت کیوں کر پہنچیں گے لہذا ان کے لیے نیت نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ وہ تو اللہ عزوجل کو برے لگتے ہیں پھر ایماندار (جو اللہ ہی کے ساتھ اسکو تعلق و محبت قلبی ہے) ان کے واسطے کیوں کر دعا کرے گا۔ (الاعتصام جلد ۱۶ ش ۲)

زیارتِ قبور پر تعاقب

مولانا حاجی یونس خاں صاحب فرماتے ہیں، عورتوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع کیا ہے اور اباحت کی حدیث میں صیغہ مذکر کا ہے ۔ جناب عبدالسبحان صاحب مظفر پوری لکھتے ہیں کہ حدیث میں زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت آئی ہے اور مزاروں پر جو لوگ ناجائز حرکات کرتے ہیں ان کے لیے کیا فتوے ہے۔

الجواب: اس مسئلہ کی تحقیق نیل الاوطار میں کافی ملتی ہے ۔ فتاوےٰ نذیریہ میں اس کا خلاصہ یوں ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک عورتوں کے لیے زیارتِ قبور جائز ہے ۔ مگر بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے ۔ جو اہل علم عورتوں کے لیے زیارت قبور جائز بتاتے ہیں ۔ ان کی دلیلیں بہت سی حدیث ہیں ۔ ملاحظہ ہو فتاوے نذیریہ جلد اول صـ ۴۰۵

ناجائز کام کرنے والے مسجدوں میں ہوں یا مقبروں میں وہ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ کے تحت ہیں اس کی بابت پوچھنا ہی کیا ۔ اللہ اعلم فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۵۴۶

لہ دعا صحیح احادیث سے ثابت ہے ۔ قرآن کریم پڑھنے کا مسئلہ ضعیف احادیث پر مبنی ہے ۔ اور تقسیم محض قیاسات پر ۔ کتاب الروح لابن قیم سے تفصیل مل سکتی ہے ۔ (سعیدی)

سوال : قبر کی زیارت کو کس طرح جانا چاہیئے اور پھول چادر وغیرہ باجہ بجا کر لیجانا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : قبر کی زیارت کو اس طرح جانا چاہیئے کہ نیت یہ ہو کہ وہاں جا کر موت یاد کر کے عبرت حاصل کریں۔ چادریں چڑھانا، باجہ بجانا یہ سب خرافات ہیں۔ اصل غرض کے بالکل مخالف، عورتوں کا قبروں میں جانا حدیث شریف میں منع آیا ہے۔ اللہ اعلم (فتاوے ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۵)

سوال : قبر پر سبز شاخ یا سبز ٹہنی نصب کرنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس سے مُردہ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے ؟

جواب : حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحاح ستہ میں اور ابوامامہؓ و ابوبکرہؓ و انسؓ سے طبرانی اور مسند احمد میں اور ابن عمرؓ و یعلی بن سبابہؓ سے مسند احمد و صحیح ابن حبان میں اور عائشہؓ سے طبرانی میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی دو تر ٹہنیاں رکھتے ہوئے فرمایا لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا وما دامتا رطبتين۔ یعنی جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی۔ ان احادیث سے قبر پر صرف کھجور تازہ سبز ٹہنی رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ لیکن بظاہر یہ آپ کی ساتھ مخصوص ہے کیوں کہ عذاب میں تخفیف آپ کی دعا اور سفارش سے ہوئی تھی اور اس تخفیف کی مدت کی تعیین ٹہنیوں کی تری باقی رہنے کی مدت سے کی گئی تھی۔ چنانچہ اواخر مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مطول حدیث میں ہے۔ انی مررت بقبرين يعذبان فاحببت بشفاعتی ان يرفه عنهما ما دام الغصنان رطبين۔ حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اگرچہ دوسرا واقعہ مذکور ہے۔ جو سفر میں پیش آیا تھا لیکن ان کے علاوہ دوسرے صحابیوں کی حدیثوں کے مطلق واقعہ کو بھی حضرت جابر کی حدیث کی روشنی میں شفاعت و دعا ہے پر ہی محمول کرنا قرین قیاس اور راجح ہے۔ اسی لیے امام خطابی فرماتے ہیں : هو محمول على انه دعا لهما بالتخفيف مدة بقاء النداوة لا ان فی الجريدة معنى يخصه ولا ان فی الرطب معنی ليس فی اليابس پس تخفیف کا اصل سبب آپ کی دعا اور سفارش تھی، کھجور کی شاخ یا اس کی تری تخفیفِ عذاب کا سبب نہیں تھی۔ اس لیے اب قبر پر کھجور یا کسی اور درخت کی تازہ شاخ رکھنی یا نصب کرنی فضول اور بیکار ہے۔

سوال : حاجیوں پر زیارت قبر شریف نبوی کا حرام یا مکروہ ہونا۔

جواب : حاجیوں پر زیارت قبر شریف کو کوئی مسلمان حرام و ناجائز نہیں کہتا نہ کسی نے ایسا لکھا ہے۔

البتہ اہلحدیث وبیشتر فقہا معتمدین یہ کہتے ہیں کہ حاجیوں پر صرف ادائے حج کعبہ فرض و واجب ہے۔ زیارت قبر نبوی واجب نہیں بلکہ مستحب یا مسنون ہے۔ اگر کوئی شخص حج صرف پر اکتفا کرے اور زیارت کے لیے نہ جاوے تو اس کے حج میں کچھ نقصان نہیں اور نہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اور زیارت کے بارے میں جو روایتیں مشہور ہیں اور ان میں بعض موضوع اور جعل اور بعض ضعیف اور متروک ہیں۔ اس کی تفصیل بہت سی کتابوں میں ہو چکی ہے۔

فتاوے ارغام المبتدعین ص ۱۴۱

مذاکرہ علمیہ

از مولانا محمد عبد الجلیل صاحب سامرودی رحمہ اللہ

قبر پر مٹی ڈالتے وقت دعاء۔ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ط

میں اس تحریر میں اپنی تحقیق معاصرین اہل علم بالحدیث کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے معاصرین سے عرض کروں گا۔ کہ آپ حضرات بنظر تحقیق و بنظر غائر ملاحظہ فرما کر تقلیدی طریقہ سے یک سوئی فرماتے ہوئے ما ہو الحق کو واضح فرماویں۔ میری تحقیق فی الواقع غیر محقق ہے تو لزوماً مطلع فرماویں۔ تاکہ مجھے انابت الی الحق کی باری تعالےٰ توفیق بخشے اور میں علی رؤس الخلائق اظہار کروں کہ میں اپنی تحقیق سے دست بردار ہوں۔ خداوند تعالےٰ انظہر حق کو اجر عظیم بخشے اور ہم تہہ دل سے ان کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔

حضرات یہ جو ہمارے اہل علم وغیرہ میں رائج ہے کہ میت کو مٹی دیتے وقت پہلے لپ پر مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ اور دوسری لپ پر وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ اور تیسری لپ پر وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى۔ پڑھا جاتا ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اسلاف سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس کو امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف اذکار میں بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے وہ لکھتے ہیں۔ السنة عن کان علی القبران یحثی فی القبر ثلاث حثیات بیدیه جمیعا من قبل رأسه (میت کے سرانے کی طرف سے قبر پر تین لپ مٹی ڈالنا مستحب ہے) یہاں تک تو صحیح ہے۔ اس کے آگے امام نووی فرماتے ہیں: قال جماعة من اصحابنا یستحب ان یقول فی الحثیة الاولیٰ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وفی الثانیة وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وفی الثالثة وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى۔ (باب ما یقوله عند الدفن) یعنی ایک جماعت نے تینوں لپوں پر مذکورہ آیت کے تینوں ٹکڑوں کو علی الترتیب

پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ امام نوویؒ کے بعد جو بھی تشریف لائے بس مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے اور اس کو شافعیہ کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں۔ کسی نے اس سلسلہ میں حدیث کا حوالہ نہ دیا۔ ہمارے مفسر و محقق حافظ ابن کثیر تشریف لائے اور آپ نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا کہ وفی الحدیث الذی فی السنن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر جنازۃ فلما دفن المیت اخذ قبضۃ من التراب فالقاھا فی القبر وقال منھا خلقنکم ثم اخذ اخری وقال وفیھا نعیدکم اخری وقال ومنھا نخرجکم تارۃ اخری یعنی کتب سنن میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ میں شرکت فرمائی جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک لپ مٹی لی اور قبر میں ڈالی اور پڑھا "منہا خلقنکم" پھر دوسری اور تیسری لپ پر علی الترتیب "وفیہا نعیدکم" اور "منہا نخرجکم تارۃ اخری" پڑھا مفسر ابن کثیرؒ نے سنن کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے۔ سنن کی مشہور کتابیں یہ چار ہیں، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور مزید براں سنن دارمی وسنن بیہقی ہیں۔ مگر یقیناً یہ حدیث ان کتابوں میں قطعاً نہیں ہے میں علی وجہ البصیرت سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث کسی ایک سنن میں نہیں ہے اور وہ بھی مٹی ڈالتے وقت۔ البتہ مسند احمد وحاکم اور سنن امام بیہقی میں بروایت ابوامامہؓ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو قبر میں اتارتے وقت مذکورہ آیت پڑھی (مٹی دیتے وقت پڑھنا ثابت نہیں) امام جزریؒ حصن حصین اور مختصر حصین میں اسی طرح لکھا ہے۔ واذا وضعہ فی القبر قال مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو قبر میں رکھا تو یہ پڑھا "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" اور "بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

امام جزریؒ نے یہ روایت حاکم کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اور یہی روایت مسند احمد اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی ہے۔ امام شوکانیؒ شرح عدہ میں فرماتے ہیں: ضعف ابن حجر اسناد ھذا الحدیث (حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے) ملاحظہ ہو حافظ کی تلخیص ص۱۶۲ نیز نیل الاوطار جلد ۳ ص۳۲۱ میں حاکم اور بیہقی سے مع تضعیف مذکور ہے۔ یہ حدیث مسند احمد جلد ۵ ص۲۵۴ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۳ ص۴۳ باب "ما یقول عند ادخال المیت القبر" میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اور لکھا ہے کہ رواہ احمد واسنادہ ضعیف۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص۳۷۹ میں تفسیر سورۃ طٰہٰ میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کے ص۳ ۵۳ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے استاد علامہ ہیثمیؒ نے بھی اس حدیث

اہلِ حدیث و دیگر فقہاء معتبرین یہ کہتے ہیں کہ حاجیوں پر صرف ادائے حج کعبہ فرض و واجب ہے۔ زیارت قبر نبوی واجب نہیں بلکہ مستحب یا مسنون ہے۔ اگر کوئی شخص حج صرف پر اکتفا کرے اور زیارت کے لیے نہ جاوے تو اس کے حج میں کچھ نقصان نہیں اور نہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اور زیارت کے بارے میں جو روایتیں مشہور ہیں اور ان میں بعض موضوع اور جعل اور بعض ضعیف اور متروک ہیں۔ اس کی تفصیل بہت سی کتابوں میں ہو چکی ہے۔

فتاوے ارغام المبتدعین ص۱۲

مذاکرہ علمیہ

از مولانا محمد عبد الجلیل صاحب سامرودی

قبر پر مٹی ڈالتے وقت دعاء: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ط

میں اس تحریر میں اپنی تحقیق معاصرین اہل علم بالحدیث کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے معاصرین سے عرض کروں گا۔ کہ آپ حضرات بنظر تحقیق و بنظر غائر ملاحظہ فرما کر تقلیدی طریقہ سے یکسوئی فرماتے ہوئے ما ہو الحق کو واضح فرما دیں۔ میری تحقیق فی الواقع غیر محقق ہے تو لزوماً مطلع فرما دیں۔ تاکہ مجھے انابت الی الحق کی باری تعالےٰ توفیق بخشے اور میں علی رؤس الخلائق اظہار کروں کہ میں اپنی تحقیق سے دست بردار ہوں۔ خداوند تعالےٰ اظہر حق کو اجرِ عظیم بخشے اور ہم تہہ دل سے ان کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔

حضرات یہ جو ہمارے اہلِ علم وغیرہ میں رائج ہے کہ میت کو مٹی دیتے وقت پہلے لپ پر مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ اور دوسری لپ پر وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ اور تیسری لپ پر وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ. پڑھا جاتا ہے۔ یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اسلاف سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس کو امام نووی نے اپنی تالیف اذکار میں بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے وہ لکھتے ہیں۔ السنة عن کان علی القبران یحثی فی القبر ثلاث حثیات بیدیه جمیعاً من قبل رأسه (میت کے سرانے کی طرف سے قبر پر تین لپ مٹی ڈالنا مستحب ہے) یہاں تک تو صحیح ہے۔ اس کے آگے امام نووی فرماتے ہیں: قال جماعة من اصحابنا یستحب ان یقول فی الحثیة الاولیٰ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وفی الثانیة وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وفی الثالثة وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ. (باب ما یقوله عند الدفن) یعنی ایک جماعت نے تینوں لپوں پر مذکورہ آیت کے تینوں ٹکڑوں کو علی الترتیب

پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ امام نوویؒ کے بعد جو بھی تشریف لائے بس مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے اور اس کو شافعیہ کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں۔ کسی نے اس سلسلہ میں حدیث کا حوالہ نہ دیا۔ ہمارے مفسر و محقق حافظ ابن کثیر تشریف لائے اور آپ نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا کہ وفی الحدیث الذی فی السنن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر جنازۃ فلما دفن المیت اخذ قبضۃ من التراب فالقاھا فی القبر وقال منھا خلقنکم ثم اخذ اخری وقال وفیھا نعیدکم ثم اخری وقال ومنھا نخرجکم تارۃ اخری یعنی کتب سنن میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ میں شرکت فرمائی جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک لپ مٹی لی اور قبر میں ڈالی اور پڑھا "منہا خلقنکم" پھر دوسری اور تیسری لپ پر علی الترتیب "وفیہا نعیدکم" اور "منہا نخرجکم تارۃ اُخریٰ" پڑھا مفسر ابن کثیرؒ نے سنن کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے۔ سنن کی مشہور کتابیں یہ چار ہیں، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور مزید برآں سنن دارمی وسنن بیہقی ہیں۔ مگر یقیناً یہ حدیث ان کتابوں میں قطعاً نہیں ہے میں علی وجہ البصیرت سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث کسی ایک سنن میں نہیں ہے اور وہ بھی مٹی ڈالتے وقت۔ البتہ مسند احمد و حاکم اور سنن امام بیہقی میں بروایت ابوامامہؓ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو قبر میں اُتارتے وقت مذکورہ آیت پڑھی (مٹی دیتے وقت پڑھنا ثابت نہیں) امام جزریؒ حصن حصین اور مختصر حصین میں اسی طرح لکھا ہے۔ واذا وضعہ فی القبر قال مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو قبر میں رکھا تو یہ پڑھا "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" اور "بِاسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

امام جزریؒ نے یہ روایت حاکم کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ اور یہی روایت مسند احمد اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی ہے۔ امام شوکانیؒ شرح عدہ میں فرماتے ہیں، ضعف ابن حجر اسناد ھذا الحدیث (حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے) ملاحظہ ہو حافظ کی تلخیص ص۱۶۲ نیز نیل الاوطار جلد ۳ ص۳۲۱ میں حاکم اور بیہقی سے مع تضعیف مذکور ہے۔ یہ حدیث مسند احمد جلد ۵ ص۲۵۴ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۳ ص۴۳ باب "ما یقول عند ادخال المیت القبر" میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اور لکھا ہے کہ رواہ احمد واسنادہ ضعیف۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص۳۷۹ میں تفسیر سورۃ طٰہٰ میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کے ص۵۳ ۳ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے استاد علامہ ہیثمیؒ نے بھی اس حدیث

کے علاوہ اور کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی مخرج احادیث مستند محدث نے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ زوائد مسند احمد کے بیان کرنے کا متعدد محدثین نے التزام کیا ہے۔ مگر کسی نے اس حدیث کے سوا کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ کنز العمال دیکھئے اس میں بھی صرف ام کلثومؓ والی روایت ہے۔ اور لپ کے ڈالتے وقت مذکورہ آیت پڑھنے کی روایت بالسند کسی محدث نے بیان نہیں کی۔ امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں مسند احمد اور حاکم سے یہی ام کلثومؓ والی روایت بیان کی ہے۔ ساتھ ہی محولا بالا ابن کثیرؒ کا مضمون تقلیداً نقل کر دیا ہے۔ نہ کہ تحقیقاً۔ ہمارے والاجاہ صدیق الحسن بھوپال نے بھی اپنی تفسیر فتح البیان میں امام شوکانیؒ کی تقلید کی اور انہی کی تفسیر کی عبارت نقل کر دی۔ صرف مکھی پر مکھی ماری، کسی تحقیق کے طریقہ سے نہیں لکھا۔

اب ان سے قدرے نیچے آیئے، مولانا وحید الزمانؒ مترجم صحاح ستہ ابن ماجہ کے ترجمہ میں نواب قطب الدین دہلویؒ کی مظاہر الحق کی تقلید میں وہی مضمون لکھتے ہیں۔ مطبوعہ نظامی ۱۳۱۴ھ زیر حدیث جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلاً روایت کی، احمدؒ نے ساتھ اسناد ضعیف کے کہ حضرت کہتے تھے ساتھ پہلی لپ کے "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" اور ساتھ دوسری لپ کے وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور ساتھ تیسری لپ کے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" انتہی یہ عبارت مظاہر الحق کی ہے۔ اسی عبارت کو مترجم ابن ماجہ مولانا وحید الزماں نے بھی نقل کر دیا۔ وہی مکھی پر مکھی ماری گئی ہے۔ مجھے اپنے مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ پر تعجب ہے کہ ایک مشہور محقق ہوتے ہوئے اپنی کتاب الجنائز کے ص۳۵ پر علمائے حنفیہ اور شافعیہ سے مستحب ہونے کو لکھ اس کی تائید میں لکھتے ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں اس بارے میں ایک حدیث ضعیف آتی ہے آپ اس کے حاشیہ میں بایں اسلوب تحریر فرماتے ہیں۔ قال القاری فی المرقاۃ ج۲ ص۲ وروی احمد باسناد ضعيف انه يقول مع الاولى "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" ومع الثانية وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ومع الثالثة وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى"۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولانا وحید الزمان کو نواب قطب الدین سے دھوکہ ہوا اور نواب قطب الدین کو ملا علی قاری کی مرقات سے دھوکہ ہوا اور ملا علی قاری کو ابن کثیر وغیرہ سے دھوکا ہوا۔ یہ ہے اس کی اصل حقیقت۔ کیا کوئی محب حدیث اصل تحقیق اس گتھی کو سلجھا سکتے ہیں۔ اور تحقیقی قلم سے طمانیت قلبی کا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ خداوند کریم تقلید کا منہ کالا کرے۔ اس مرض نے اچھوں اچھوں کو نہیں چھوڑا۔ پھر بھی علمائے وجہ البصیرت یہ کہتے نہیں رہ سکتا کہ قبر پر مٹی ڈالتے وقت پہلی، دوسری، تیسری لپ پر مذکورہ بالا آیت کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ محض ایجاد و توہم ہے۔ اور بس اس سے احتراز لازمی ہے

اخبار اہلحدیث دہلی ج۱۷، ش ۵

۲۹۱

ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا فرماتے ہیں سبب کشف قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان السماء لما رأت قبرہ بکت وسال الوادی من بکائہا قال تعالیٰ فما بکت علیہم السماء والارض حکایۃ عن حال الکفار فیکون امرہا علیٰ خلاف ذلک بالنسبۃ الی الابرار الخ۔ یہ حدیث دارمی کی ہے۔ امام دارمی نے اس پر بایں الفاظ باب منعقد کیا ہے۔ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد موتہ یعنی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ ایک آپ کا معجزہ وکرامت اللہ تعالیٰ نے ظاہر کی کو یا یہ آپ کا یہ ایک خاصہ ہوا کسی دوسرے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ کتاب مصباح الظلام کے صفحہ ۱۱ میں ہے۔ فلیس فیہ حجۃ للمبطل۔ یعنی اس حدیث سے اہل بدعت کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی واسطے صحابہ کرامؓ میں صلحاء بھی تھے اور شہدا بھی تھے۔ تمام صحابہ اولیاء اللہ تھے۔ مگر کسی صحابی نے کسی قبر کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ ازمنہ خیر القرون میں جب بارش بند ہو جاتی تھی تو نماز استسقاء ادا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحاح وسنن ومسانید میں ثابت ہے کہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلی فی الاستسقاء رکعتین والصحابۃ فی زمن عمر وغیرہ صلوا واستشفعوا بالعباس وغیرہ ولم یکشفوا عن قبرہ ولو کان مشروعا لما عدلوا عنہ الخ کذا فی تلخیص کتاب الاستغاثۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رح ص۲۹ یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ حدیث ہذا کے متعلق فرماتے ہیں کہ جدب دیار وقحط امطار کے وقت نبی علیہ السلام سے نماز استسقاء ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی خلافت فاروقی میں نماز پڑھی۔ حضرت عباسؓ سے دعا کرائی۔ نبی علیہ السلام کی قبر نہیں کھولی۔ نہ آپ کا وسیلہ لیا۔ اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا تو کبھی اس سے عدول نہ کرتے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ بلاغ المبین صفحہ ۱۷ میں فرماتے ہیں جا ثابت شد کہ توسل بگذشتگان وغائبان جائز نہ داشتند وگرنہ عباسؓ از سرور عالم بہتر نبود چرا نگفت توسل می کردیم بہ پیغمبر تو والحال توسل می کنیم بروح پیغمبر تو صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ اور غائبوں کا وسیلہ پکڑنا صحابہ جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس نبی علیہ السلام سے بہتر نہ

تھے۔ اگر جائز تھا تو کیوں نہ کہا یا اللہ اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں۔

امام ابن قیمؒ نے اغاثۃ اللھفان میں تنصیص کی ہے اس امر پر کہ شرک کی جڑ یہی مردوں کو پکارنا اور ان سے فریاد کرنا ہے۔ اِنَّ اَصْلَ الشِّرْكِ سَالِمُهُوْ دُعَاءُ الْمَوْتٰى وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِهِمْ پھر امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حدیث ھذا۔

محمد بن حسن بن زبالہ نے بھی اپنی تصنیف اخبار مدینہ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن زبالہ غیر معتبر شخص ہے۔ ایسوں کی بات قابل احتجاج نہیں وھذا العلم العام المتفق علیہ ولا یعارضہ بما یرویہ ابن زبالۃ وامثالہ ممن لا یجوز الاحتجاج بہ ولو قال عالم یستحب عند الاستسقاء اوغیرہ ان یکشف عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوغیرہ من الانبیاء والصالحین لکان مبتدعا بدعۃ مخالفۃ للسنۃ المشروعۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن خلفائہ۔ یعنی اگر کوئی عالم استسقاء وغیرہ مصیبت کے وقت نبی علیہ السلام یا دیگر انبیاء وصالحین کی قبر کا کھولنا اور ان سے امداد چاہنا مشروع ومستحب کہے تو وہ بدعتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کا مخالف ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے کتاب الاستغاثۃ فی الرد علی البکری صفحہ ۲۲ میں ابوالجوزاء کی روایت کے دو جواب لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ ابن زبالہ ضعیف وغیر قابل احتجاج ہے صحابہ کرام سے بالاتفاق یہی ثابت ہے کہ وہ استسقاء کے وقت مسجد میں یا جنگل میں جاکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ اور یہی استسقاء مشروع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس فعل یعنی کشف قبر میں ہرگز یہ دلیل نہیں کہ اہل قبور سے مدد مانگنا یا سوال کرنا جائز ہو۔ اس میں تو صرف یہ ہے کہ قبر کھولدی تاکہ اللہ کی رحمت (بارش) نازل ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت انبیاء وصالحین پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس میں نہ تو کوئی اہل قبور سے سوال ہے نہ کسی چیز کی طلب ہے نہ فریاد ہے۔ کیونکہ میت وغائب کو فریادرس سمجھنا خواہ نبی ہو یا ولی ہرگز جائز نہیں اگر یہ جائز ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ ایسے کرتے حالانکہ سلف میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استمداد واستغاثہ

بالامُوات پر دلیل پکڑنا بالکل باطل ہے شیطان نے اس سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ دیا۔ اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی میں سدًا للذریعتہ کشف قبر کی بھی ممانعت کر دی تھی۔ چنانچہ اہل قسطنطنیہ نے ابوایوب انصاری رضؓ کی قبر کے ساتھ استسقاء کرتے اور اہل تستر دانیال نبی کی قبر وجسم کے ساتھ قحط سالی کے وقت ایسا ہی کرتے تھے۔ ابوموسیٰ نے حضرت عمرؓ کو تحریراً اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عامل ابوموسیٰ کو لکھا کہ دن میں تیرہ ۱۳ قبریں جدا جدا کھولدو۔ اور رات کو ایک قبر میں دانیال کو دفن کرکے ساری قبریں بھر دو حتیٰ کہ لوگوں پر ان کی قبر مخفی ہو جائے۔ پتہ نہ چلے کہ کون سی قبر میں مدفون ہیں۔ تاکہ وہ آئندہ اس حرکت سے باز آئیں۔ وقد روی ان اھل تستر کانوا یفعلون ذلك بقبر دانیال وان اباموسی کتب الی عمرؓ فی ذلك فکتب الیہ عمر اذا کان النہار فاحفر ثلاثة عشر قبرًا ثم اجعلہ فی احدھا لیخفی علی الناس (ملاحظہ ہو کتاب المغازی لابن اسحاق وبیہقی وشعب الایمان وکتاب الاستغاثۃ لابن تیمیہ) صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۳ میں ہے حفرنا بالنہار ثلاثۃ عشر قبرا متفرقۃ فلما کان باللیل دفناہ وسوینا القبور کلھا لنعمیۃ علی الناس الخ۔ یعنی ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے حکم کیمطابق ایسا ہی کیا۔ علامہ محمد بشیر صاحب سہسوانی رحمہ نے کتاب مذکور میں دارمی کی اس حدیث کو جس میں ابراز قبر کا ذکر ہے۔ ضعیف ومنقطع کیا ہے اس کی سند کے رُواۃ پر جرح وقدح کی ہے۔ اس کے سات جواب لکھ کر غیر قابل احتجاج قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کتاب الرد علی البکری صفحہ ۶۸ میں فرماتے ہیں وَمَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا من فتح الکوۃ من قبرہ الی السماء لینزل المطر فلیس بصحیح ولا یَثْبُتُ إِسْنَادُہٗ۔

یعنی یہ حدیث صحیح نہیں نہ اس کی اسناد ثابت ہے۔ صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں۔ وَاَمَّا وجود الکوۃ فی حیاۃ عائشۃ فکذب بین ولو صح ذلك لکان حجۃ ودلیلا علی ان القوم لم یکونوا یقسمون علی اللہ بمخلوق ولا یتوسلون فی دعائھم بمیت ولا یسئلون اللہ بہ وانما فتحوا علی القبر لتنزل الرحمۃ علیہ ولم یکن ھناك دعاء یقسمون بہ علیہ فاین ھذا من ھذا۔

یعنی اول تو حضرت عائشہ رضؓ کی زندگی میں روشندان کا چھت میں وجود ہی مفقود و کذب ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو اس میں ہماری دلیل ثابت ہوتی ہے نہ کہ اہل بدعت کی۔ کہ دیکھو صحابہ کرام رضؓ اپنی دعاؤں میں آپؐ کا وسیلہ نہیں پکڑتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ سے آپؐ کا واسطہ دے کر سوال کرتے تھے۔ صرف انہوں نے قبر کے اوپر سے جگہ کھول دی تھی۔ تاکہ رحمت نازل ہو۔ پس کجا یہ فعل اور کجا اہل بدعت کا اہل قبور سے استغاثہ و استمداد۔ اسی واسطے حضرت عمر رضؓ وغیرہ صحابہ کرام رضؓ نے کشف قبر کو بھی جائز نہیں رکھا۔ بلکہ ہر ممکن طریق سے اس کا انسداد کیا تاکہ لوگ اس سے غلط استدلال کر کے شرک کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں۔ جیساکہ قصۂ قبر دانیال اوپر مذکور ہوا۔ کتاب تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللفہان میں لکھا ہے فانظر ما فی ہذہ القصۃ من صنع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تعمیۃ قبر ہذا الرجل لئلا یفتتن بہ الناس۔ مصباح الظلام فی الرد علی من کذب علی الشیخ الامام مصنفہ شیخ عبد اللطیف صفحہ ۱۱ میں مرقوم ہے ولیس فی انزال المطر اذ کشفت اجساد الانبیاء او قبورھم ما یستدل بہ علی جواز التوسل الشرکی بھم۔

یعنی انبیاء کے جسم یا قبر کے کشف سے بارش ہونے پر وسیلہ شرکیہ کے جواز پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔

اسی کتاب میں ہے وقد خاب عمر من ان یشرک بہ ویجعل ندا للہ۔ یعنی حضرت عمر رضؓ نے دانیال نبی علیہ السلام کے جسم کو (جو شہر تستر میں ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی پر رکھا ہوا تھا) دفن کرا دیا کہ کہیں مشرک لوگ اسے اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اللہ کا ند و شریک نہ بنا لیں۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحؒ نے تفسیر سورہ اخلاص میں لکھا ہے۔ نیز اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۱۶۲ میں امام ابن تیمیہ رحؒ رقم طراز ہیں کہ اہل قبور سے مدد چاہنا یا جلب منفعت و دفع مضرت کی غرض سے پکارنا یا ان کی قبروں کے پاس آکر دعا مانگنا یا یہ خیال کہ یہاں آکر دعا ان کی برکت سے جلد قبول ہوگی یا ان سے استغاثہ و استسقاء کرنا حرام و شرک ہے۔

۲۹۰ مہر

مسئلہ۔ واضح ہو کہ ڈھیلے مٹی پر سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول وفعل آنحضرت صلعم وصحابہ کرام سے ثابت نہیں ونیز قول وفعل تابعین وتبع تابعین وطبقات ہفتگانہ فقہاء حنفیہ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ ومعتمدہ میں ثابت نہیں غرض اس کی کچھ سند نہیں ہے۔ اور جو کسی نے بلاسند کسی کتاب غیر معتبر میں لکھا ہو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کیونکہ کتب اصول فقہ اور حدیث میں مقرر ہو چکا ہے کہ حدیث بلاسند حجت نہیں اور اسی طرح ۔ جواب نامہ کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی شرع شریف میں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب[1] علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت کذا فی رد المختار حاشیۃ الدر المختار اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن مجید پڑھنا جیسا کہ معمول ہو رہا ہے۔ یا چنوں پہ کلمہ پڑھنا یہ بھی قرون ثلثہ اور ائمہ اربعہ اور محدثین اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں۔ اور اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں چہلم وچھ ماہی برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے اور ان رسموں میں صریح تشبہ ساتھ کفار کے پایا جاتا ہے۔ اور فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے من[2] تشبہ بقوم فھو منھم کذا فی المشکوٰۃ وبلوغ المرام ان امور کو فتاوے جامع الروایات اور شرح مہذب نووی اور فتاویٰ قرطبی اور نصاب الاحتساب اور رسالہ علامہ حسام الدین عبدالوہاب متقی وغیرہ میں بدعت شنیعہ اور کراہت شدیدہ لکھا ہے اور اسی طرح سے مستملی وصغیری شرح منیۃ المصلی وفتاوے بزازی وغیرہ میں بھی صراحتہً بدعت اور کراہت ان امور مذکورہ کو لکھا ہے اور طعام پر فاتحہ وغیرہ پڑھنا بھی تشبہ ساتھ ہنود کے ہے کیونکہ مسلمان جاہل فاتحہ کہتے ہیں۔ اور ہنود کے برہمن اشلوک کہتے ہیں یہ واہیات رسمیں کفار سے مسلمان جاہلوں نے اخذ کی ہیں یہ امور مذکورہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

[1] جائز نہیں ہے کہ کفن پر سورہ یٰسین یا کہف یا اور کوئی سورہ لکھی جائے کیونکہ میت کی پیپ سے اس کے آلودہ ہونے کا خوف ہے۔

[2] جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔

اور صحابہ و تابعین و مجتہدین اور محدثین متقدمین اور متاخرین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ ان امور مذکورہ کا تعامل اور رواج قرون ثلثہ وغیرہ میں پایا گیا۔

وفی[1] تلخیص السنن قال مؤلفہ ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصا لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن ومذمۃ وملامۃ علی السلف حیث لم یتنبھوا لہ بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک حقوق المیت بل علی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعۃ وقد قال اللہ تعالیٰ فی تکمیل الشریعۃ المحمدیۃ صلعم اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً الآیۃ کذا فی الرسالۃ للعلامۃ حسام الدین الشہیر بالمتقی وذکر البزازی انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقبرۃ واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القراءۃ سورۃ

---

[1] یہ تیسرے دن کا اجتماع جو خصوصاً منعقد ہوتا ہے یہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا سلف صالحین پر الزام ہے کہ ان کو یہ مفید باتیں معلوم نہ ہو سکیں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کہ انہوں نے میت کے حقوق چھوڑ دیئے۔ بلکہ یہ الزام تو اللہ تعالیٰ پر بھی آئے گا کہ اس نے شریعت کو مکمل نہ کیا۔ اور ویسے ہی کہہ دیا کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم کو پوری طرح دے دیں۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ علامہ حسام الدین المعروف متقی کے رسالہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے اور ساتویں روز کھانا تیار کرنا اور اس کو قبر پہ لے جانا اور قرآن پڑھنے کے لئے دعوت پکانا اور نیک لوگوں اور قاریوں کو ختم قرآن یا سورہ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن پڑھنے کے وقت قاریوں کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اور اگر فقیروں کے لئے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے۔ امام نووی نے شرح منہاج میں کہا تیسرے۔ چھٹے۔ دسویں۔ اور بیسویں دن کھانا تیار کرنا ایک بدترین قسم کی بدعت ہے۔

الانعام والاخلاص قال والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکرہ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا انتہی مافی الصغیری والکبیری والعینی شرح الهدایة وردالمحتار وغیرہ من کتب الفقہ وقال النووی فی شرح المنہاج اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث والسادس والعاشر والعشرین وغیرهما بدعة مستقبحة هکذا فی جامع الروایات وغیرها من کتب الفقة اور ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقرر و تعیین وقت اور دن میں جب چاہے پہنچا دے درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے۔ اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال (۱) اذان قبر پر بعد دفن میت کے درست ہے یا نہیں (۲) جواب نامہ کفن پر لکھنا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب (۱) اذان قبر پر دینا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں فرمایا رسول خدا نے جو دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد کما رواہ البخاری وغیرہ کذا فی المشکوٰۃ اور فقہاء لکھتے ہیں کہ قبر کے نزدیک جو امر معہود سنت سے نہ ہو وہ مکروہ ہے یکرہ[1] عند القبر مالم یعهد من السنة والمعهود هنا لیس الا زیارته والدعاء عندہ قائما کذا فی فتح القدیر والبحر والنهر والعالمگیریة۔ اور اصرار کرنا مکروہ پر گناہ ہے چنانچہ ملا علی قاری وطیبی وغیرہ نے لکھا ہے واللہ اعلم۔

(۲) جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ کفن پر لکھنا جواب نامہ کا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا

---

[1] قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت کے خلاف ہے۔

درست نہیں بلکہ یہ دونوں کام بدعت ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر پستی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ و احادیث سے واضح ہے فی البحر الرائق[1] ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی الصحیح من حدیث علی رض لا تدع قبرا مشرفا الا سویتہ فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ویسنم ای یرفع نقیل قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رأی قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر پستی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ و احادیث سے واضح ہے فی البحر الرائق[1] ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی

[1] اور قبر کو کوہان نما بنائی جائے۔ اور بقدر ایک بالشت یا چار انگل کے برابر رکھی جائے۔ حضرت علی کی حدیث میں ہے کہ میں جس قبر کو بلند دیکھوں۔ اس کو برابر کر دوں۔ برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک بالشت کے برابر کوہان نما بنادوں۔ اور خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر بھی کوہان نما ہے جیسا کہ بخاری۔ ظہیریہ مجتبیٰ درمختار عالمگیری زیلعی عینی میں ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] بحر الرائق میں ہے۔ کہ قبر ایک بالشت یا چار انگل کوہان نما ہو صحیح بخاری میں جو حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا

الصحیح من حدیث علی لا تدع قبرا مشرفا الا سویته فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ای یسنم ای یرفع فقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رای قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہیریۃ وجوبا وفی المجتبی مندوبا انتہی وفی الدر المختار ویسنم مندوبا وفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال۔ (۱) قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا حرام (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) قبر کا بوسہ لینا حرام ہے فی المدارج[1] وبوسہ دادن قبر را وسجدہ کردن آنرا وسر نہادن حرام و ممنوع است ودر بوسیدن قبر والدین روایت فقہی نقل مے کنند وصحیح آنست کہ لا یجوز انتہی وادنیٰ لا یجوز گناہ صغیرہ است واصرار برآن کبیرہ است کذا فی شرح عین العلم (۲) قبر کا طواف کرنا حرام ہے اگر مستحب جان کر کرے کافر ہوگا فی شرح للمناسک لملا قاری[2] ولا یطوف ای لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء

کہ جس قبر کو بلند دیکھو، برابر کردو، اس سے مراد وہ قبر ہے۔ جو ایک بالشت سے زائد ہو۔

اور النہر الفائق میں ہے، کہ کوہان نما ہو یعنی بلند ہو بعض کہتے ہیں، چار انگل کے برابر ہو کیونکہ بخاری میں حضرت سفیان سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما تھی ظہیریہ میں اسے واجب اور مجتبیٰ میں مندوب لکھا ہے۔ یہی در مختار میں ہے ظہیریہ میں بالشت کا وجوب لکھا ہے۔ اسی طرح عالمگیری، زیلعی اور عینی میں ہے ۱۲۔

[1] قبر کو بوسہ دینا اس کو سجدہ کرنا اور سر جھکانا حرام و ممنوع ہے۔ ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں ہے اور لا یجوز کا ادنیٰ درجہ گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

[2] ملا قاری لکھتے ہیں کہ آپ کی قبر مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف خانہ کعبہ کی خصوصیت ہے اور نبیوں اور ولیوں کی قبروں کے گرد طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو عوام جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگرچہ وہ جاہل علماء اور مشائخ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

ولاعبرۃ بما یفعلہ العامۃ الجہلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والعلماء انتہی

ھکذا فی البحر والنہر۔

	سید محمد نذیر حسین		ابو الفیض محمد عبد اللہ حنفی
احمد الدین	جواب سب صحیح ہیں	رشید احمد گنگوہی	
	پیر محمد دارم صد شکر کہ من		محمد ہاشم
	سید محمد عبد السلام غفرلہ		

جواب صحیح

جواب صحیح اور درست ہیں

سوال۔ مشکوٰۃ شریف کے باب الکرامات میں ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قحط سالی کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کی قبر کے اوپر چھت میں سوراخ کردو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ خوب بارش ہوئی الخ۔

اس حدیث سے اہل بدعت اہل قبور سے استمداد و استغاثہ اور وسیلہ پہ دلیل پکڑتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب بعون الوہاب۔ مشرکین مبتدعین کا اہل قبور اولیاء اللہ سے استمداد و استغاثہ پر حدیث ہذا سے استدلال کرنا اور اپنی دعاؤں میں ان کا وسیلہ پکڑنا اور یہ خیال کرنا کہ اہل قبور سے دنیا کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ اموات متصرف الامور ہیں۔ مخلوق کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرتے ہیں۔ قطعاً غلط و مبنی علی الشرک ہے۔ کجا استمداد و استغاثہ از اولیاء اللہ و کجا یہ حدیث بینہما فرق بیّن و بون بعید۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب لوگوں نے قحط سالی کی شکایت کی تو مائی صاحبہؓ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نبیؐ کی کرامت ظاہر کی۔ اور بس ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ خیال ہوا کہ کفار کے مرنے پر آسمان نہیں روتا۔ ابرار کے فوت ہوتے پر روتا ہے جب آسمان آپ کی قبر کو دیکھے گا۔ تو ممکن ہے کہ روئے اور اس کے رونے سے نالے بہہ پڑیں۔ پانی کی کثرت

صحابہ کرامؓ پر بار ہا مصیبتیں آئیں۔ مگر کسی صحابی نے نبی علیہ السلام کی قبر پرآکر فریاد نہیں کی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف کشف قبر کا حکم دیا تاکہ اللہ کی رحمت سے بارش نازل ہو جائے۔

نبی علیہ السلام سے پانی نہیں مانگا۔ نہ آپ سے دعا کرائی نہ قبر پر جاکر کسی قسم کی فریاد کی

بل قد روی عن عائشة رضی الله عنها انها کشفت عن قبر النبی صلی الله علیه وسلم لینزل المطر فانه رحمة تنزل علی قبره ولم تستسق عنده ولا استغاثت هناك۔ فقط۔ السلام ابو محمد کفاء الصمد خادم جماعت غرباء اهل حدیث۔ (فتاوی ستاریہ جلد ۳ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مومنہ بے قرار کو زیارت قبور مطابق سنت رخصت ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر عورت صابرہ ہے۔ اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہیں ہے۔ اور نہ اس امر کا خوف ہے کہ قبرستان میں جاکر روئے گی۔ چلائے گی۔ اور بے صبری کی حرکتیں کرے گی۔ تو اس کیلئے گا ہے گا ہے زیارت قبور مطابق سنت کے جائز ورخصت ہے۔ اور اگر بے صبر ہے اور اس سے امر مذکور کا خوف ہے تو اس کے لئے جائز نہیں۔ نیل الاوطار میں ہے قال القرطبی[1] هذا اللعن انما

---

[1] قرطبی نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر جو لعنت آئی ہے یہ بطور مبالغہ ہے اور قبرستان میں اکثر اوقات جانے والی عورتوں کے متعلق ہے کیونکہ اس سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ بے پردگی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ نوحہ کرنے لگتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ موت کی یاد کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں۔ ایسے ہی عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اس سے دونوں طرح کی حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

ھو للمکثرات من الزیارۃ لما تقتضیہ الصفۃ من المبالغۃ ولعل السبب ما یفضی الیہ ذلک من تضییع حق الزوج والتبرج وما ینشاء منھن من الصیاح ونحو ذلک فقد یقال اذا امن من جمیع ذلک فلا مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیہ الرجال و النساء انتہی وھذا الکلام ھو الذی ینبغی اعتمادہ فی الجمع بین الاحادیث المتعارضۃ فی الظاھر انتہی باقی رہا بعد مرنے کے انسان کی روح کا آنا یا نابالغ کی روح کا بڑھنا سو ان باتوں کا شریعت میں کچھ ثبوت نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے۔ اور عورتوں کی نسبت اختلاف ہے اکثر علما کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز و رخصت ہے۔ اور بعض علما کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتاتے ہیں۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اس کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ اور (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں منع کیا تھا مگر پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا (رواہ الحاکم) اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ السلام علی اہل الدیار (الحدیث) (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں۔ (رواہ الحاکم وھو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں کی یا ایک کی قبر

کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت کی جاوے گی۔ اور وہ بار لکھا جاوے گا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور کو مکروہ بتاتے ہیں۔ ان میں بعض مکروہ بکراہت تحریمی کہتے ہیں۔ اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو انہوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا شاید تو جنازہ کے ہمراہ کُدیٰ یعنی قبرستان میں گئی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں۔ علامہ قرطبی نے ان متعارض ومختلف احادیث کی جمع وتوفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے۔ اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل ولائق بتایا ہے اور بلاشبہ جمع وتوفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۶۲ جزو ۵ میں لکھتے ہیں واختلف[۱] فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر ومحلہ ما اذا امنت الفتنۃ ویؤید الجواز حدیث الباب وموضع الدلالۃ منہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علی المرأۃ تعودھا عند القبر وتقریرہ حجۃ وممن حمل الاذن علی عمومہ للرجال والنساء عائشۃ فروی الحاکم من طریق ابن ابی ملیکۃ انہ راھا زارت قبر اخیھا

---

[۱] قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کے جانے میں اختلاف ہے اکثر کا یہ مذہب ہے کہ جب قبور کی زیارت کی اجازت ہوئی تو اس میں عورتوں کو بھی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ زیادہ نہ جائیں۔ اور وہاں جاکر بے صبری نہ کریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس بیٹھے دیکھا تو اس کو منع نہ کیا حضرت عائشہ اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پر زیارت کے لئے گئیں کسی نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبرستان میں جانے سے روکا ہے۔ کہنے لگیں جب روکا تھا۔ تو سب کو روکا تھا۔ اور جب اجازت ہوئی تو عورتوں کو بھی ہوگئی۔ ابو اسحٰق نے مہذب میں کہا ہے کہ اجازت صرف مردوں کو ہوئی ہے عورتوں کو نہیں مانعین عبداللہ بن عمر کی حدیث سے اور لعن اللہ زوارات القبور سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر مکروہ کہنے والوں میں سے بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ اور بعض مکروہ تحریمی۔ قرطبی کہتے ہیں اگر عورت قبرستان میں زیادہ نہ جائے نوحہ نہ کرے مرد کے حقوق ضائع نہ کرے۔ تو اس کو

عبدالرحمٰن فقیل لها الیس قد نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک قالت نعم کان نہی ثم امر بزیارتها وقیل الاذن خاص بالرجال ولا یجوز النساء زیارۃ القبور وبه جزما لشیخ ابو اسحٰق فی المهذب واستدل لحدیث عبداللہ بن عمر والذی تقدمت الاشارۃ الیہ فی باب اتباع النساء بجنائز وحدیث لعن اللہ زوارات القبور اخرجه الترمذی وصححه من حدیث ابی هریرۃ وله شاهد من حدیث ابن عباس ومن حدیث حسان بن ثابت واختلف من قال بالکراهة فی حقهن هل هی کراهة تحریما وتنزیه قال القرطبی وهذا اللعن انما هو للمکثرات من الزیارۃ لما تقتضیه الصفة من المبالغة ولعل السبب ما یفضی الیہ ذلک من تضییع حق الزوج والتبرج وما ینشاء منهن من الصیاح ونحو ذلک فقد یقال اذا امن جمیع ذلک فلا مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیہ الرجال والنساء انتہی بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں ہے وعن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن زائرات القبور اخرجه الترمذی وصححه ابن حبان وقال الترمذی بعد اخراجه هذا حدیث حسن وفی الباب عن ابن عباس وحسان وقد قال بعض اهل العلم ان هذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصة الرجال والنساء وقال بعضهم انما کرہ زیارۃ القبور للنساء لقلة صبرهن وکثرۃ جزعهن ثم ساق سندہ ان عبدالرحمٰن بن ابی بکر توفی ودفن فی مکة واتت عائشة قبرہ ثم قالت شعرا ؎

جانا جائز ہے ورنہ نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے۔ یہ رخصت سے پہلے تھی۔ جب رخصت ہوئی تو عورتوں مردوں کو ہو گئی۔ اور عورتوں کے لئے جو زیارت مکروہ ہے وہ صرف بے قراری اور بے صبری کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی نے بھی جب اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو دردناک شعر پڑھے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جب میں قبرستان میں جاؤں تو کیا کہا کروں۔ آپ نے دعا سکھلائی ان کو منع نہ کیا حضرت فاطمہ رضی حضرت حمزہ رضی کی قبر پر ہر جمعہ کو جایا کرتی تھیں۔ اور حدیث میں ہے جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبر پر جائے اس کو بخش دیا جائیگا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

وعشنا بخیر فی الحیوة وقبلنا اصاب المنایا رھط کسری وتبعا

ولما تفرقنا کانی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

انتہی ویدل لما قالہ بعض اھل العلم ما اخرجہ مسلم عن عائشة قالت کیف اقول یارسول اللہ اذا زرت القبور فقال قولی السلام علی اھل الدیار من المسلمین والمومنین یرحم اللہ المتقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وما اخرج الحاکم من حدیث علی بن الحسین ان فاطمة علیہا السلام کانت تزور قبر عمھا حمزة کل جمعة فتصلی وتبکی عندہ قلت وھو حدیث مرسل کان علی بن الحسین لم یدرک فاطمة بنت محمد صلے اللہ علیہ وسلم وعموم ما اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا من زار قبر الوالدین اواحدھما فی کل جمعة غفرلہ وکتب بارا انتہی ۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ ۔

سوال پیر کی قبر کو چومنا، چاٹنا اور اس کی مٹی کو تبرکاً اپنے بدن پر ملنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ، علامہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی کے صفحہ ۱۱۰ میں رقمطراز ہیں کہ اِذَا زَارَ قَبْرًا لَمْ یَضَعْ یَدَہٗ عَلَیْہِ وَلَا یُقَبِّلْہُ فَاِنَّہٗ عَادَۃُ الْیَہُوْدِ و(ی) قبروں پر ہاتھ پھیرنا قبروں کو بوسہ دینا چومنا چاٹنا ۔ یہودیوں کی عادت ہے ، یہ مسلمانوں کا کام نہیں ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ، "اشعۃ اللمعات" شرح مشکوٰۃ جلد اول میں لکھتے ہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کسی قبر کو چومنا بغرض حصول برکت چھونا ہاتھ لگانا مزار سے لپٹنا یہ شرک اور مکروہ تحریمی ہے ، انتہی

ابو محمد عبدالستار دہلوی

(فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص۸۱)

سوال: جسے کوئی شخص پاک مقام تصور کرتا ہے، وہاں جاکر اگر وہ اپنے مردہ کو دفن کرے، یا کوئی اس کی وصیت کر جائے، تو کیا اسے پورا کرنا چاہئے، اور کیا اس سے مردہ کو کچھ فائدہ بھی ہوسکتا ہے، سمیع اللہ ۱۹۷۲ء،

جواب: کسی پاک جگہ پر دفن ہونے یا کرنے کا جذبہ برا نہیں لیکن چنداں مفید بھی نہیں، اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ حضرت ابوالدرداء متوفی ۳۲ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی متوفی ۳۵ھ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اَنْ ھَلُمَّ اِلَی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَۃِ فَکَتَبَ اِلَیْہِ سلمان ان الارض لاتقدس احدًا وانما یُقَدِّسُ الْاِنْسَانَ عَمَلُہٗ۔

(موطا امام مالک باب جامع القضاء والکراہیۃ، سرزمین پاک میں تشریف لے آئیے، حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھا کہ زمین کسی کو پاک اور مقدس نہیں بناتی، اصل میں انسان کے عمل ہی اس کو مقدس بناتے ہیں، مکہ اور مدینہ یا سرزمین بیت المقدس سے بڑھ کر اور کون سی جگہ پاک اور مقدس ہوسکتی ہے، لیکن آپ جانتے ہیں، کہ لاکھوں ابوجہل ہزاروں یہودی اور بے شمار مشرکین ان میں مدفون ہیں، بلکہ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ جہاں مسجد نبویؐ ہے، یہاں پہلے قبریں تھیں، (بخاری باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ) شہر مدینہ مسجد نبوی، نمازی اور امام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اور مقتدی اور نمازی ابوبکر وعمر وعثمان وعلی اور دوسرے عشرہ مبشرہ میں سے عظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بلکہ سب سے محیر العقول یہ حقیقت کبریٰ کہ بعد میں خود محبوب رب العلمین بھی اسی جگہ میں ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہوئے، اور یہ بھی نوید سنائی کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا ٹکڑا بہشت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ بخاری، مسلم، ابوہریرۃ اس کے باوجود کیا ان بدنصیبوں کو اس کا کچھ فائدہ پہنچا، آپ کہیں گے، کہ وہ تو سرے سے مسلمان نہیں تھے، ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے وہ کافر تھے، اس لئے اصل بات انسان کا عمل رہا، اگر یہ نہ ہو تو اس کا کچھ فائدہ نہیں، گندگی کو جتنا دھوئیں، پاک نہیں ہوگی۔ ہاں میلا کپڑا صاف ہوگا، مگر، دھونے سے گناہوں کا میل

ہی اپنے اعمالِ صالحہ اور توبہ کے صابن سے ہی دھل سکے گا، اور کسی طرح نہیں، اس لئے پاک
جگہ لے جاکر اسے دفن کیا جائے، قرآن جیسی پاک کتاب ہمراہ رکھ دی جائے، اس سے اس
کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا، مٹی بحیثیت مٹی، تو جو کر سکتی ہے، یہ کرتی ہے کہ عبدِ مؤمن کو مرحبا کہتی
ہے، اور فاجر یا کافر جب اس کی گود میں پہنچتا ہے تو اسے کہتی ہے، دفع ہو، لَا مَرْحَبًا وَلَا
أَهْلًا پھر اس کی خوب مرمت کرتی ہے، (ترمذی، ابو سعید خدری)
وہ زمین پاک ہو یا ناپاک، مقدس ہو یا مطہر، بہر حال وہ اپنا فرض اسی طرح ادا
کرتی ہے، جیسے اسے حکم ہوا ہے، اس لیے جو لوگ مقدس جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں،
وہ دراصل سستی بخشش کی ٹوہ میں رہتے ہیں، اگر وہ ویسے رحمت کر دے، تو وہ مختار کل
ہے، جہاں تک اس کے احکام اور شرائع کا تقاضا ہے، وہ یہی ہے کہ کچھ لے کر جاؤ گے
تو کچھ بن جائے گا، ورنہ مفت میں دودھ پلانے سے رہی، واللہ اعلم،

مولانا عزیز زبیدی واربرٹن

(محدث لاہور جلد ۵ شمارہ ۱۲، ۱۱)

سوال:۔ قبر پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی

جواب:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البلاغ المبین فارسی میں صنعت تصویر اور
بت پرستی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے پس بعدازاں رفتہ رفتہ اس قوم میں
بت پرستی و گور پرستی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ بعد فوت ہو جانے بزرگانِ دین کے ان کی تصاویر کی پرستش و
عظمت کرنے لگے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ بزرگوں کے نام پر بتوں اور تصویروں کا نام
رکھتے، اور بتوں و تصویروں کی تعظیم و تکریم کو بعینہٖ تعظیم بزرگانِ خیال کرتے تھے، چنانچہ ابن
عباس رضی اللہ عنہ و دیگر سلف سے تحت آیت وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا الآیۃ کے منقول ہے کہ یہ قوم نوح علیہ السلام
میں بزرگ و نیک بخت لوگ تھے، جب وہ فوت ہو گئے تو یار لوگ ان کی قبروں پہ جاتے، اور چلہ کشی کرتے حاجات
طلب کرتے مجاور بن کر وہاں بیٹھتے مرورِ زمانہ کے بعد ان کے فوٹو و تصاویر کی پرستش ظہور پذیر ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
سورۃ نوح میں ان بت پرستوں کی خبر بیان فرمائی ہے (فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۱۲۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

زیارت قبور

(از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ)

الحمد للہ رب العالمین واشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیما کثیرا۔ اما بعد

قبور کے پاس دعا کرنا

اقسام قبور: کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس قسم کا قول ہے جیسے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں ولی کی قبر تریاق مجرب ہے۔ اور بہت سے لوگوں کا بعض خاص خاص قبروں کے متعلق یہی اعتقاد ہوتا ہے۔ جس قبر کے متعلق اُن کا یہ اعتقاد ہوتا ہے۔ وہ بعض اوقات تو درحقیقت کسی صحابی یا اہل بیت کے کسی آدمی یا کسی دوسرے مرد صالح کی قبر ہوتی ہے، لیکن بعض اوقات یہ نسبت محض جھوٹ یا کم از کم مجہول الحال ہوتی ہے۔ چنانچہ قبور انبیاء علیہم السلام کی بابت ایسی ہی غلط اطلاعات مشہور ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبر کی نسبت درست ہو۔ لیکن صاحب قبر صالحین میں سے نہیں بلکہ معمولی درجہ کا کوئی آدمی ہو۔

الغرض قبور کی یہ تمام قسمیں موجود ہیں، اور ان کے مجاوروں اور خوش عقیدہ لوگوں نے ان کی بابت ایسی ہی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ کہ فلاں قبر کے پاس دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے۔ اور بعض ان میں سے اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں حاجت کے لئے دعا کی اور فوراً میری مشکل حل ہو گئی ہم (امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں) نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض اوقات وہ قبر جس کو اس طرح استجابت دعا کا یقینی ذریعہ بنایا جاتا ہے، کسی فاسق اور مبتدع بلکہ کافر کی قبر

ہوتی ہے۔

باطل عقیدہ! بہر کیف کسی کا یہ کہنا یا عقیدہ رکھنا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے، ایک ایسا قول یا اعتقاد ہے جس کی اصل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود نہیں، کوئی صحابی یا تابعی یا مشہور امام اس کا قائل نہیں، مثلاً امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سب اس قول کے خلاف ہیں۔

انبیاء و صلحاء کی قبریں: مشائخ میں سے بھی کسی قابل اقتداء شیخ طریقت مثلاً فضیل بن عیاض ابراہیم بن ادھم اور ابوسلیمان دارانی وغیرہ سے یہ قول منقول نہیں صحابہ و تابعین، ائمہ عظام اور مشائخ متقدمین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس بالعموم یا ان میں سے کسی خاص قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں کہتے کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا دوسری جگہ دعا کرنے سے افضل ہے، یا وہاں پر نماز پڑھنے میں کسی دوسری جگہ کے نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔ کوئی بھی ان بزرگان دین میں سے اس قسم کی قبروں کے پاس دعا کرتے یا نماز پڑھنے کیلئے قصداً نہیں جاتا تھا۔

روضۂ اطہر کے آداب

ائمہ کا اتفاق۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر اور تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں اور روئے زمین پر کوئی دوسری ایسی قبر نہیں جس کی بابت یقینی طور پر کہا جا سکے کہ یہ نبی کی قبر ہے، اور اس کی نسبت بھی صحیح ہو، حتیٰ کہ ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بایں ہمہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جا کر صرف یہ کرے کہ آپ پر اور آپ کے دونوں خلفاء پر درود و سلام بھیجے، کیونکہ سننِ اربعہ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"جو شخص مجھ پر سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح
کو لوٹا دیتا ہے اور میں اُس کے سلام کا جواب
دیتا ہوں"

یہ ایک جید الاسناد حدیث ہے۔

سماعِ سلام وارسالِ درود:۔ نیز ابن ابی شیبہ اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ:
"جو شخص میری قبر کے پاس آکر سلام کرتا ہے میں اُس کو سنتا ہوں۔ اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے"

اس کا اسناد کسی قدر کمزور ہے، لیکن دوسرے شواہد سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل سنن نے مختلف اسنادوں سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا۔ جب کہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کا گوشت کھانا حرام کر دیا ہوا ہے۔ نسائی وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:
"اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو مجھ کو میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں"

دعا کی ممانعت:۔ تمام علمائے امت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعاء مقبول ہے اور نہ ہی اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ آپ کی قبر کی طرف متوجہ ہو کر دُعا کا قصد کرے بلکہ اس کی نقیض کی تشریح ہے اور سب علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبرِ شریف کی طرف منہ کر کے دعا نہ کرے۔

سلام کے متعلق اختلاف:۔ سلام کے متعلق اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ مثلاً امام مالکؒ اور امام احمد

بن حنبلؒ وغیرہ کا قول ہے کہ قبر کی طرف منہ کر کے سلام کہے اصحاب شافعیؒ نے بھی اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور اس کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے سلام کرلے۔

روضہ کے پاس کھڑے ہونے کی ممانعت :۔ ائمہ سلف نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس دعا کے لئے کھڑا نہ ہو۔ چنانچہ اسمٰعیل بن اسحٰق نے مبسوط میں ایسا ہی لکھا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سلام کر کے چلا جائے۔ مبسوط میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سفر سے لوٹ آئے یا سفر پر جانا چاہے تو کچھ حرج نہیں اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر آپ پر درود بھیجے اور آپ کے حق میں اور شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے حق میں دعا کرے۔

صدرِ اوّل کا دستور العمل :۔ امام صاحب (امام مالکؒ) سے کہا گیا کہ اہلِ مدینہ ہر ہفتے میں بلکہ بعض اوقات ایک ہی دن میں ایک دو دفعہ قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے اور دعا مانگتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شہر کے اہلِ فقہ اس بات کے قائل نہیں۔ مجھ کو ان کا کوئی قول نہیں پہنچا۔ اور اس اُمت کے پچھلے لوگوں کو بھی اُنہی باتوں سے اصلاح ہو گی جن سے اس اُمت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ اور مجھ کو اس امت کے سلف صالح اور صدر اوّل سے صرف اتنی بات پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص سفر سے واپس آتا یا سفر پر جانے لگتا تھا تب وہ ایسا کرتا تھا۔

اہلِ مدینہ کا طرزِ عمل :۔ ابن القاسم کہتے ہیں، میں نے اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ جب وہ مدینہ سے نکلتے یا اس میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی قبرِ مبارک کے پاس حاضر ہو کر سلام کرتے۔ بس اور میرا اپنا بھی یہی عمل ہے۔

امام مالکؒ اپنے زمانہ میں مدینہ منورہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور مدینہ کے لوگ صحابہ اور تابعین کے عہد میں تمام دوسرے لوگوں سے مشروع اور غیر مشروع کے زیادہ واقف

بچے سال کو اس بات کا علم تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے کیا آداب ہیں؟ لیکن تم نے دیکھ لیا کہ امام صاحب اور علماء مدینہ آپ پر سلام کر لینے کے بعد قبر شریف کے پاس دعا کے لئے ٹھہرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

صلوٰۃ وسلام کا مشروع طریقہ:۔ امام صاحب نے یہ بھی بیان فرمایا کہ مستحب یہی ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کے صاحبین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے لئے دعا کرے اور یہی صلوٰۃ وسلام کا مشروع طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ ایسا کرنا بھی اہل مدینہ کے لئے ہر وقت مستحب نہیں، بلکہ اس کا استحباب اُس حالت میں ہے۔ جبکہ سفر سے آئے یا سفر پر جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحیہ ہے (تحیہ کے معنی سلام وآداب بجالانا) لیکن تم جانتے ہو کہ کسی کا تحیہ اور آداب بجالانے کیلئے ہر وقت آدمی اُس کے گھر میں حاضر نہیں ہوتا۔ البتہ سفر سے آئے یا سفر پر جائے تو ایسا کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ابو وہب نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ جب آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنا چاہے تو آپ کی قبر کی طرف منہ کرے۔ اور اس کے نزدیک ہو جائے، لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے۔

لفظ زیارت کی کراہیت اور اُس کی فلاسفی:۔ امام مالکؒ اس بات کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی یہ کہے "ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کی"۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کو اس واسطے مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیارت کی نسبت قبر کی طرف کی گئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:۔

"اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد"

"او بار خدایا! میری قبر کو بت نہ بنا دے جس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اُس قوم پر غصے ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرا لیا"

امام صاحبؒ نے زیارت کو قبر کی طرف منسوب کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ذرائع شرک کا سدِ باب ہو۔

زیارتِ قبور کا طریقہ:- میں کہتا ہوں (علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں) کہ جو حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے بارے میں مروی ہیں، باایں ہمہ کثرت سب کی سب ضعیف یا موضوع ہیں۔ ائمہ حدیث اور اہلِ سنن مثلاً ابوداؤد اور نسائیؒ وغیرہ نے اس باب میں کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ البتہ دوسرے موقعہ پر عام قبور کے لئے زیارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:-

"کنت نهیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروها فانها تذکرکم الآخرۃ"

"میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ بے شک ان کی زیارت کرو، کیونکہ وہ تم کو آخرت یاد دلائیں گی"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب تم قبروں کی زیارت کرو تو اس طرح کہا کرو:-

"السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، یرحم اللہ المستقدمین منا ومنکم والمستأخرین، نسأل اللہ لنا ولکم العافیة"

لیکن چونکہ بعد کے زمانوں میں "زیارت" کا لفظ شرعی اور غیر شرعی دونوں طرح کی زیارت پر اطلاق ہونے لگا، اور اکثر لوگ اس کو غیر شرعی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے بعض ائمہ نے اس کا اطلاق منع کیا ہے۔

زیارت شرعی و بدعی:- زیارتِ شرعی میّت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے مشابہ ہے اور دونوں کا ماحصل اس کے لئے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب فرمایا ہے:-

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (۹: ۸۴)

(اے محمدؐ!) ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو تم اس کی نمازِ جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ ہی اُس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑے رہو"

اس آیت میں چونکہ منافقوں کے حق میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ اُن کی نمازِ جنازہ

پڑھی جائے، یا ان کی قبر پر کھڑے ہوں (اور ان کے لئے دعا کریں) اس لئے اس کا مفہوم مخالف علۃ الحکم سے استدلال کرکے یہ ہو گا کہ مومنوں کے حق میں ایسا کرنا مشروع ہے، اور نیز یہ کہ میت کی قبر پر بعد الدفن کھڑا ہونا قبل الدفن نماز جنازہ کے مشابہ اور اسی قسم سے ہے، اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے کا مقصد بھی اس کے لئے دعا کرنا ہے، یہی اسلام کی سُنت مستمرہ ہے اور اسی بات کو علماء سلف انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس مستحب سمجھتے ہیں، لیکن بدعی اور غیر شرعی زیارت شرک ہے، یا کم از کم شرک کا ذریعہ ہے، اور وہ اس زیارت کے مشابہ ہے، جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کی کیا کرتے ہیں۔

درس بصیرت:۔ صحاح اور مسانید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مشہور سندوں کے ساتھ مروی ہے:۔

«لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجد یحذر ما صنعوا»

"یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ ٹھہرایا۔ اُن کے اس فعل سے میں تم کو ڈراتا ہوں"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس بات کے کہنے سے یہ تھا کہ وہ اپنی امت کو اُن کے افعال سے ڈرائیں۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

"تم سے پہلی قومیں اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ ٹھہرالیتی تھیں، لیکن تم ایسا مت کرو، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں"

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

"سب سے برے لوگ وہ ہیں، جو قبروں کو مسجد بنا لیتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اُن عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ نیز ان پر بھی لعنت ہے، جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور اُن پر چراغ جلاتے ہیں"

نتیجۂ بحث:۔ اب جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجد بنا

لینے اور سجدہ گاہ ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پاس دعا کرنا مستحب نہیں ہوگا، کیونکہ جس جگہ پر دعا مستحب ہے، وہاں نماز پڑھنا بھی مستحب ہے۔ نماز پڑھ کر دعا کرنا زیادہ تر مستجاب ہوتی ہے، اور شریعت میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں دعا کرنا مستحب ہو اور نماز پڑھنا مستحب نہ ہو۔

قبروں کے پاس نماز نہ پڑھنے کی فلاسفی:۔ امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنا اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس سے شرک میں مبتلا ہونے کا خوف ہے۔ اس کی علت صرف مکان کی نجاست نہیں جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء سلف حکم دیا کرتے تھے کہ خوفِ فتنہ (شرک میں مبتلا ہونے کا خوف) کی حالت میں قبروں کو ہموار کر دیا جائے، اور مٹا دیا جائے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ:۔ چنانچہ جب تستر کے مقام پر دانیال علیہ السلام کی قبر ظاہر ہوئی تو سپہ سالار جیش ابو موسیٰ اشعریؓ نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ کو اس کی بابت اطلاع دی اور لکھا کہ لوگ اس کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ دن کے وقت تیرہ قبریں کھودی جائیں، اور رات کے وقت اس کو کسی ایک میں دفن کر کے اس کا نشان مٹا دیا جائے۔ تاکہ لوگ شرک کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

امام مالکؒ اور سلف صالحین:۔ امام مالکؒ وغیرہ کا جو قول ہم نے نقل کیا ہے یہی قول سلف کے نزدیک مشہور اور مقبول تھا جیسے کہ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنے مسند میں اور ابو عبد اللہ المقدسی نے مختار میں امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ شریف کی روزن کے پاس حاضر ہو کر اس میں اپنا منہ داخل کرتا اور دعا مانگتا تھا۔ امام صاحب نے اس کو اس سے منع کیا، اور فرمایا میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے اپنے باپ دادا سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری قبر کو عید مت بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبریں مت ٹھہراؤ، کیوں کہ تمہارا سلام مجھ کو پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم رہو۔"

ارشادِ جناب رسالت مآبؐ:۔ یہی حدیث ابوداؤد میں بروایت ابوہریرہؓ موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

«اپنے گھروں کو قبریں مت ٹھہراؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ، مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جہاں بھی تم رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے۔»

سنن سعید بن منصور میں روایت ہے، سہیل بن ابی سہیل کہتے ہیں کہ مجھ کو امام حسن بن حسین بن علی بن ابی طالبؓ نے جبکہ وہ بیت فاطمہؓ میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے، قبر کے پاس دیکھا۔ اور وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آؤ کھانا کھالو۔ میں نے عرض کیا میں کھانا نہیں کھانا چاہتا اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم قبر کے پاس کیوں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہوا تو سلام کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

«میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ ٹھہراؤ، اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر اس لئے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرایا۔ تم مجھ پر درود بھیجو کیوں کہ تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے۔ جہاں بھی تم رہو۔ تم اور اہل اندلس اس میں برابر ہیں۔»

روضۂ اطہر اور دوسری قبریں:۔ اب تم خود سوچ لو کہ جب سید الاولین والآخرین خیر الخلق اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے حق میں صرف اتنا ہی مشروع ہے جس کی ابھی تعریف کی گئی تو دوسری کی قبر کیا ہستی ہے؟

توسّل کا طریقہ

صحابہ کا دستور العمل:۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہے جب ان پر کوئی سختی آتی تھی مثلاً قحط سالی وغیرہ، نیز قتال وجدال کے معرکوں میں جبکہ ان دشمن پر فتح حاصل کرنے میں دقت پیش آتی تھی۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور گھروں

مسجدوں میں اس کی بارگاہِ کبریا میں دستِ نیاز پھیلاتے۔ لیکن کسی واقعہ میں منقول نہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ شریف یا دوسرے انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رجوع کیا ہو، اور وہاں جاکر دعا مانگی ہو۔

بلکہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی یہ دُعا منقول ہے:۔

"بارخدایا! جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے توسل کیا کرتے تھے۔ اور تو ہماری دعا قبول فرماکر ہمیں پانی دیا کرتا تھا۔ اور بے شک اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ کے واسطہ سے توسل کرتے ہیں، بارخدایا! ہمیں پانی دے"

روایتِ مذکور میں ہے کہ پھر ان کو اللہ تعالیٰ پانی دیتا تھا۔

رسول اللہ صلعم سے توسّل:۔ اس روایت کا ملخص یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں صحابہ آپ سے توسّل کرتے تھے۔ تو آپ کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ کے چچا عباسؓ سے توسّل کیا۔ جس کے بالفاظِ دیگر یہ معنی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ شریف میں آپ سے دعا کرایا کرتے تھے (جس کو توسّل سے تعبیر کیا گیا ہے) اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا سے دعا کرائی اور اس کو شفیع بنایا۔ (توسّل کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعا کی جائے)۔

مخلوقات کے نام کا واسطہ:۔ الغرض صحابۂ کرام نے قبرِ شریف کے پاس حاضر ہوکر دُعا نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات میں سے کسی کے نام کا واسطہ دیا ہے۔ بلکہ شرعی طریقہ پر مشروع وسائل سے توسل کیا ہے، یعنی اعمالِ صالحہ اور مومنوں کی دعا کے ساتھ توسّل کرنا، جیسے کہ ہر ایک مومن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ سچی محبت رکھنے سے بارگاہِ کبریا عزوجل میں توسّل کرسکتا، اور کرتا ہے، اور جیسے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زندگی میں آپ کی دعا سے توسل کرتے اور آپؐ کو شفیع بناتے تھے، اسی طرح آخرت میں جملہ مخلوقات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔

(جیسے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا اور) جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

"تمہیں تو کمزور لوگوں کی دعا اور استغفار کی بدولت رزق دیا جاتا اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔"

نتیجۂ فکر:۔ یہ ایک معلوم بات ہے اور ہر شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ اگر کسی قبر کے نزدیک دعا کرنا افضل ہوتا اور اس میں استجابتِ دعا کی زیادہ امید ہوتی تو سلفِ صالحین کو سب سے پہلے اس کا علم ہوتا اور وہ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے، کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی محبوب اور پسندیدہ باتوں کو سب سے اچھا جانتے تھے، اور اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں تھے۔

منصبِ رسالت کا اقتضاء:۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کا مقتضاء یہ تھا کہ وہ اس بات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور اس کی طرف ان کو توجہ دلاتے، کیونکہ خود بقول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے، "کوئی نیکی کی بات ایسی نہیں رہ گئی جس کو آپ نے بیان نہ فرمایا ہو، اور کوئی برائی کی بات نہیں جس سے آپ نے اپنی امت کو منع نہ فرمایا ہو، کوئی بات جو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف لے جانے والی ہو۔ یا انسان کو دوزخ کی آگ سے بچانے اور دور رکھنے میں مدد دے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے بغیر نہیں چھوڑی" آپ نے اپنی امت کو ایک واضح راستے پر چلایا، جس پر رات کو بھی روزِ روشن کی طرح چل سکتے ہیں۔ جو شخص بھی اس کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے گا۔ اس کا انجام یقیناً ہلاکت ہے۔

صریح ممانعت:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اس نوعیت کی باتوں سے صریحاً منع فرمایا ہے اور قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرانے کے فعل کو مستوجب لعنت قرار دے کر ان شرکی امور کا سدِ باب فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ذرائع کو روکنے کے اصول پر کاربند ہو کر اس بارے میں اس حد تک احتیاط کو ضروری سمجھا کہ قبر کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے بھی نماز پڑھنا منع فرمایا، چاہے نمازی کے دل میں غیر اللہ کی عبادت کا خیال تک نہ ہو۔

حفظِ ماتقدم :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کے طلوع اور غروب کے اوقات میں اللہ کے لئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا کہ ان اوقات میں بعض بُت پرست سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے مشابہت آجانے کی وجہ سے ایک موحّد کو خدائے پاک کی عبادت سے منع کیا گیا تاکہ اس کی عبادت غیر اللہ کی عبادت کی فقط ظاہری مشابہت اور شرک کے توہم تک سے پاک رہے، اگرچہ موحد نمازی کے دل میں اس کا خیال تک نہیں آتا کہ سورج بھی کوئی قابلِ تعظیم ہستی ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ جب کسی خرابی کے توہم تک سے پرہیز کرنا لازم سمجھا گیا ہے تو جہاں خرابی کا وجود یقینی ہو، اس صورت سے پرہیز کرنا لازم نہیں ہوگا؟

دورِ حاضرہ میں زیارتِ قبور :۔ آج کل جس صورت میں قبروں پر جاکر دعا کی جاتی ہے، اس میں یقیناً شرک کے شوائب موجود ہیں۔ کیونکہ میّت کو پکارا جاتا ہے، اور اس کے نام کا واسطہ دیکر دعا کی جاتی ہے جس سے صریح شرک تک پہنچ جاتے ہیں لیکن دو قدم کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

بُت پرستی

تعظیمِ قبور :۔ بُت پرستی کی ابتداء دراصل تعظیمِ قبور ہی سے ہوئی ہے قرآن کریم میں وارد ہے:۔

”وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۷۱:۲۳)

وہ نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے آپس میں کہا، کہ تم اپنے خداؤں کو ہرگز مت چھوڑو اور بالخصوص وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کو مت چھوڑو۔“

اِس آیت کی تفسیر میں رئیس المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ پانچوں نام نوح علیہ السلام کے عہد کے صالحین کے نام ہیں۔ جب یہ لوگ مر گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر بیٹھنا شروع کیا، ان کی تصویریں بنائیں۔ اور پھر ان کو پوجنے لگے۔“

علاوہ ازیں جن صالحین کی قبروں کو اس زمانے میں تریاقِ مجرب کہا جاتا ہے۔ اُن سے صحابہ اور تابعین کا درجہ یقیناً اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مؤخر الذکر کو چھوڑ کر ان صالحین کی قبروں کو چن لیا گیا ہے۔

شیخ کے توسل سے مراد مانگنا:۔ ایک اور تعجب انگیز بات سنئے، ہر ایک شیخ کی تعظیم اس کے اپنے معتقدین کی جماعت کرتی ہے اور وہی لوگ اس سے یا اس کے واسطہ سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ دوسرے شیخ کے معتقدین، ایک دوسری جماعت ہوتی ہے جو اپنے اس دوسرے شیخ کو وسیلہ ٹھہراتی اور اس کے توسل سے اپنی مرادیں طلب کرتی ہے، یہ بعینہٖ وہی بات ہے کہ مشرکوں کی ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خدا مقرر کر رکھے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ " (۹: ۳۱)

"یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ اور عیسیٰ بن مریم کو خدا بنا رکھا ہے، بحالیکہ ان کو ایک ہی خدا کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ ایک خدا ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور وہ اس سے پاک اور برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں"

مصیبت میں شیخ طریقت کو پکارنا:۔ یہ جو بعض مشائخ سے منقول ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے یا تمہیں کسی بات کا خوف ہو تو تم مجھ کو پکارو۔ چاہے میں زندہ ہوں یا مردہ۔ اس سے تمہاری مصیبت ٹل جائے گی" یا تو اس شیخ پر (جس کی طرف یہ منسوب ہے) افترا ہے یا بصورت دیگر قائل کی غلطی اور غلط فہمی ہے، کیونکہ اس کا قائل غیر معصوم ہے، اور یہ صریح گمراہی ہوگی کہ قائل معصوم کے قول چھوڑ کر غیر معصوم قائل کا اتباع کیا جائے۔

قال اللہ وقال الرسول:۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس قسم کی باتوں کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ:۔

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (۹۴: ۷، ۸)

"جب تم فراغت پاؤ تو عبادت کی تکلیف برداشت کرو۔ اور اپنے رب کی طرف رغبت کرو"

یہ نہیں فرمایا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رجوع کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔
"قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا" (۱۷: ۵۶، ۵۷)

(اے محمدؐ!) کہہ دے، جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خدا مقرر کر رکھا ہے۔ اُن کو پکارو (جس کا کچھ بھی فائدہ نہیں) کیونکہ یہ اشخاص نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ اور نہ کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ اشخاص جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں۔ ان میں سے جن کو نہایت قرب کا درجہ حاصل ہے۔ وہی اپنے رب تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھتے ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے"

علماء سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیحؑ حضرت عزیرؑ اور ملائکہ کو معبود سمجھے ہوئے ہیں۔ بارگاہِ عزت میں بھلا مشائخ کی کیا مجال ہے کہ اس قسم کا کلمہ منہ سے نکالیں؟ حالانکہ سید الاولین والآخرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے کسی صحابی سے یہ نہیں کہا کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو مجھ کو پکارو۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے چچا زاد بھائی ابن عباسؓ سے یہ تاکید فرمائی کہ:۔ "اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو وہ بھی تمہارا لحاظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو، اس کو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے، خوشحالی کے وقت میں اُس کے ساتھ پہچان حاصل کرو (اس کی عبادت اور اُس کے پکارنے میں مشغول رہو) سختی کے وقت میں وہ تم کو نظر انداز نہیں فرمائے گا۔ جب تمہیں کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو"

رسول اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرنا:۔ بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے لگو تو میرا واسطہ دے کر سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری بڑی حرمت ہے"

یہ روایت موضوع اور سفید جھوٹ ہے، اہل علم میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا ہے، اور نہ یہ روایت مسلمانوں کی کسی معتبر کتاب میں لکھی ہے، اگر کسی میت میں یہ فضیلت ہوتی کہ بارگاہِ کبریا میں اس کا واسطہ دے کر دعا کی جا سکتی تو بے شک سب سے مقدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہوتی اور اگر اس سے کچھ فائدہ کا حصول متصور ہوتا تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپ کے انتقال کے بعد آپ کا واسطہ دینا اپنا دستور العمل ٹھہراتے (لیکن نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ فضیلت کبھی بیان فرمائی اور نہ صحابہ کرام نے کبھی آپ کے نام کا واسطہ دے کر دعا کی)

خلاصہ کلام :۔ اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قول صریح گمراہی ہے، اور اگر فی الواقع کسی شیخ طریقت نے ایسا کہا بھی ہو تو یہ اس کی غلطی اور غلط فہمی ہے۔ اور اگر وہ مجتہد ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی اس غلطی کو معاف فرمائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن وہ شیخ طریقت یا مجتہد نبیوں کی طرح معصوم نہیں ہے کہ اس کے قول کا اتباع کیا جائے! اللہ تعالےٰ کا یہ قول اس بارے میں فصل الخطاب کا حکم رکھتا ہے :۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۴: ۵۹)

"اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو (اس اختلاف کو مٹانے اور اس کا فیصلہ کرنے کیلئے) اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر

عمل شرک :۔ بعض خوش عقیدہ لوگوں کا قول ہے کہ "جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی قبر کی طرف منہ کرے، اس پر سلام کہے اور ہر ایک دفعہ سلام کہتے ہوئے ایک قدم اٹھائے اور اس طرح سات قدم پورے کرے اس کی حاجت پوری ہوگی" یہ عمل شرک ہے اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے یہ نہیں کہا اور نہ کبھی کو اس کی تعلیم دی۔ اور اگر کوئی ان کی طرف منسوب کرے تو یہ نرا جھوٹ ہوگا۔ اس قسم کی باتیں اہل غلو اور اہل اشراک کے من گھڑت افسانے ہیں،

جن کو مشائخ کے اعتقاد میں منہمک ہو کر حق اور باطل کی تمیز نہیں رہتی۔

مشابہتِ نصاریٰ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث ہے کہ "قبروں پر مت بیٹھو اور اُن کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو" جب آپ نے نماز میں بھی جو محض خدا تعالیٰ کی عبادت ہے، قبر کی طرف منہ کرنا منع فرمایا ہے تو یہ کیسے جائز ہو گا کہ باوجود بُعدِ مسافت کے کسی شیخ کی قبر کی طرف منہ کرنے اور غیر اللہ سے دعا مانگے۔ کیا اس کا یہ عمل نصاریٰ کے عمل کے مشابہ نہیں جو احبار اور رہبان کو اپنا خدا بنا رکھتے ہیں۔ اور اُن کو اپنا قاضی الحاجات تصور کر کے اُن سے اور اُن کا واسطہ دے کر دعائیں مانگتے ہیں؟

استجابتِ دعائے کے اوقات و مقامات

آسمانِ دُنیا پر نزولِ باری تعالیٰ:۔ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا کسی معین وقت یا کسی خاص مکان میں دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ (جس سے اُن کا اشارہ کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف ہوتا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بعض خاص اوقات میں اور بعض خاص حالات میں دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جب ایک تہائی رات رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرما کر یہ فرماتا ہے:۔

"کوئی دعا مانگنے والا ہے جس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اُس کی حاجت پوری کر دوں؟ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے جس کو میں بخش دوں؟ طلوعِ فجر تک اسی طرح فرماتا ہے"

ایک اور حدیث میں ہے کہ "رات کے درمیانی حصہ میں انسان کو اپنے رب تعالےٰ سے بہت زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے" (دعائے نیم شبی اسی لئے مشہور اور زبان زدِ خلائق ہے)۔

اوقاتِ دُعاء:۔ اسی طرح نزولِ باراں کے وقت، گھمسان لڑائی کے دَوران میں، اذان اور اقامت کے خاتمہ پر، نماز پڑھ چکنے کے بعد، سجدے کی حالت میں، جبکہ آدمی مسافر یا روزہ دار ہو،

اور نیز مظلوم کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔

مشاعر حج :- صحاح اور مسانید میں ایسی حدیثیں موجود ہیں، جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ کن حالتوں میں دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ بعض مکان بھی ایسے ہیں، جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ جیسے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور ملتزم وغیرہ (یہ سب جگہیں مکہ معظمہ میں ہیں اور حج کے مناسک بجالاتے ہوئے ان مقامات پر دعا کرنے کا موقع ملتا ہے)

اسی طرح مسجد میں دعا کرنا افضل ہے۔ اور بالخصوص جن مساجد کو بروئے حدیث خاص فضیلت ہے، مسجد الحرام، مسجد نبویؐ، اور بیت المقدس کی مسجد۔ اُن میں اسی نسبت سے نماز پڑھنا اور دُعا کرنا افضل ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ کسی خاص مکان میں اس لئے نماز یا دُعا کو فضیلت حاصل ہے کہ وہاں پر کسی نبی یا ولی کی قبر موجود ہے۔ علماء سلف اور ائمہ سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ بلکہ نصاریٰ کی مشابہت سے بعض اہل بدعت نے اس کو رواج دیا ہے، اور اس کی اصل مشرکوں کے دین میں ہے۔ موحدین اور مخلصین کے مذہب میں یہ بات نہیں۔

قبر کے واسطہ سے دعاء

سلف صالحین کا قول :- بعض قبریں جو کسی نبی یا صحابی یا ولی کی بیان کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ وہاں جاکر نماز پڑھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔ یا اپنے جسم کو قبر سے لگاتے ہیں۔ یا قبر کی کسی چیز کو چھوتے اور جسم پر پھیرتے ہیں۔ یہ فعل ان کا بدعت ہے اور سُنت نبویؐ کے مخالف ہے۔ کیونکہ علماء سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز اور دُعا کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی سے ایسا کرنا منقول ہے، بلکہ ایسا کرنے سے ایسی حالت میں بھی منع کرتے تھے جبکہ وہ قبر سے یا اُس کے واسطہ سے دعا نہ مانگیں، چہ جائیکہ یہ بھی اس کے ساتھ جمع ہو۔ اور اس لئے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے اہل زمان جو قبروں پر جاکر اہلِ قبور سے یا اُن کے واسطہ سے دعا مانگتے ہیں۔ ان لوگوں کو وہ کس نظر سے دیکھتے؟



واسطہ دے کر دعا مانگنا

کلام مجید اور کعبہ: بعض لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کسی پیغمبر یا ولی کا واسطہ دے کر یا کلام مجید اور کعبہ شریف کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا جائز ہے؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے "بحقِ فلاں" یا "بحرمتِ فلاں" یا "بجاہ المقربین" کہے یا انبیاء اور صالحین کے اعمال اور افعال کا واسطہ دے کر دعا مانگے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دعائیں جن کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اُس کی صفات علیاء کے واسطہ سے دعا مانگی گئی ہے، نیز کلام پاک کے ساتھ پناہ مانگنے کا بھی ذکر ہے، جیسے کہ سنن میں یہ دعا منقول ہے:۔

اللھم انی اسالک بان لک الحمد انت اللہ بدیع السموٰت والارض یا ذوالجلال والاکرام یا حیّ یا قیوم۔

اور جیسے کہ:۔

اللھم انی اسالک بانک انت اللہ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔

اور جیسے کہ یہ دعا جو مسند میں موجود ہے۔

اللھم انی اسالک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک۔

مخلوقات کی قسم کھانا شرک ہے:۔ وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں اور جن کو بازاروں میں بیٹھ کر تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں۔ جیسے کہ یہ دعا کہ:۔

اسالک باحتیاط قاف وھیوت الحان والطور والعرش والکرسی وزمزم والمقام والبلد الحرام۔

اور اسی قسم کی دوسری دعائیں، ان میں سے کوئی بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے منقول نہیں۔ اور کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں پر حلف کھائے

یا اللہ تعالےٰ سے اُن کا واسطہ دے کر درخواست کرے۔

صحیح حدیث میں ہے:۔ ”جو شخص قسم کھانا چاہتا ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم کھانا چاہیئے، بصورت دیگر چپ رہے“

”جس نے سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی اور کی قسم کھائی۔اس نے شرک کیا“۔الغرض کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مخلوقات میں سے کسی کی قسم کھائے۔

اللہ کے مقبول بندوں کی دعا۔ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے مقبول بندے ہیں جن کی قسموں کو وہ رد نہیں فرماتا، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کا دانت توڑنے کا حکم دیا تو انس بن النضیر رضؓ نے کہا:۔ ”مجھے اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی کر کے بھیجا کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا“ اس پر فریق ثانی نے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیا اور دیت پر راضی ہو گئے جس سے انس بن النضیر رضؓ کی قسم پوری ہو گئی، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ، مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ“

”اللہ تعالےٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدائے تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے“

توسل کے مشروع وسائل:۔ انس بن النضیر رضؓ کی طرح ایک موقع پر براء بن مالک رضؓ نے بھی کہا تھا کہ بار خدایا! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ایسا کرے! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالےٰ نے اُس کی قسم پوری کی۔

انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے اُن اسباب کا وسیلہ ڈھونڈھتا ہے جو اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں یعنی!

۱۔ اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالےٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دعا کرائے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بارگاہِ کبریا میں اس کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے چچا عباس رضؓ اور دوسرے صالحین

کی دعا سے توسل کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ نے استسقا کے موقع پر حضرت عباسؓ سے دعا کرائی تھی، جو اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اسی قبیل سے وہ روایت ہے جس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ "ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لئے دعا کیجئے کہ مجھے آنکھیں بخش دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد یہ کہے کہ "بار خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ یا محمد! یا رسول اللہ! میں آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے۔ بار خدایا! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

اس کا ملخص یہ ہے کہ سائل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جل شانہ میں اس کو شفیع لایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعا ہے کہ وہ آپؐ کی شفاعت یعنی دعا کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

مخلوق کا واسطہ دے کر توسل چاہنا:۔ یہ (ایک اندھے والی حدیث کا) واقعہ بعینہٖ ان دوسرے واقعات کی طرح ہے جن میں صحابہ کرام آپ کی دعا سے توسل کیا کرتے تھے۔ لیکن کسی کا یہ کہنا کہ: "بار خدایا! میں تجھ سے بحق ملائکہ یا بحق تیرے رسولوں اور انبیاءؑ کے یا بحق فلاں رسول کے یا بحق بیت الحرام وغیرہ سوال کرتا ہوں۔"

اس قسم کی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، بلکہ بہت سے علماء مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب امام ابویوسفؒ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان الفاظ میں دعا کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ دے کر اور اس کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہے، لیکن سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں اگرچہ وہ اس کو قضائے حاجت کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس کا واسطہ دے۔

دو مستحسن طریق دعاء:۔ اگر کوئی شخص اپنے اعمالِ صالحہ کے توسّل سے دعا کرے یا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صالحین کی دعا سے توسّل کرے (اُن سے دعا کرائے) تو اس میں شک نہیں کہ اعمالِ صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے (اور اس کی دُعا قبول کر لینا بھی ایک قسم کا ثواب ہے) اور صالحین کی دعا زیادہ تر قبول ہوتی ہے، اس لیئے کسی شخص کا ان دو طریقوں سے دعا کرنا توسّل بالاسباب ہے۔ چنانچہ غار کی مشہور حدیث میں تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسّل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کبریاء میں توسّل بالانبیاءؑ کے یہ معنی ہیں کہ ان پر ایمان لائے۔ اور ان کی اطاعت کرے اُن پر درود اور سلام بھیجے اور اُن سے سچی محبت رکھے، یا اُن کی حیات میں اُن سے دعا کرائے۔

توسّل بلا اسباب:۔ انبیاء علیہم السّلام اور صالحین کی ذات سے توسّل کرنے اور اُن کے نام کا واسطہ دینے میں حصولِ مطلوب اور قضائے حاجت کا کوئی سبب مقتضی نہیں۔ اور اس لئے یہ توسّل بالاسباب میں داخل نہیں ہوگا، اور اس بنا پر اس کا یہ قول قانونِ قدرت (اسباب اور مسببات کا قانون) کے خلاف ہوگا (جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اُس کے بندے قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کریں) چاہے دراصل انبیاء علیہم السّلام کا کتنا ہی بڑا مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وہ نہایت ہی مقبول بندے ہیں۔ لیکن دوسروں کی دعا قبول کرنے کے لئے اُن کی ذات یا اُن کے نام کا توسّل کچھ فائدہ بخش نہیں۔ اُن کا توسّل صرف اُس صورت میں فائدہ دیتا ہے جبکہ خود داعی کی ذات میں اُن کا توسّل اجابتِ دعا کا سبب پیدا کر دے، مثلاً اُن پر ایمان لانا، اُن کی اطاعت اور محبّت۔ دوسری صورت یہ ہے، کہ اُن کی ذات میں اجابت کا سبب موجود ہو، مثلاً ان کا اُس کے لئے عہدِ زندگی میں دعا کرنا اور شفیع بننا، یہی دو باتیں ہیں، جن کے ذریعہ انبیاء علیہم السّلام اور صالحین سے توسّل کیا جا سکتا ہے اور بس!

انبیاءؑ کی یادگاریں

تشبیہ یہود ونصاریٰ:۔ بعض لوگوں کا یہ قول کہ کیا اُس مکان کی تعظیم جائز ہے جس میں آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا، کہ ایسی جگہوں کو مساجد اور زیارت گاہ بنانا یہود و نصاریٰ کے اعمال میں سے ہے جن کے ساتھ تشبیہ سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے سفر میں ایک قوم کو دیکھا جو ایک مکان کی طرف دوڑ رہے تھے۔ خلیفہ حق نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ مکان ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ آپ نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی ہے، تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی یادگاروں کو مسجد بناؤ۔ اگر کسی شخص پر ایسے مقام میں نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے، ورنہ چلا چلے" حضرت عمرؓ نے یہ صحابہ کی جماعت کے سامنے فرمایا۔

بدعت کا دروازہ کھولنا:۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفروں میں متعدد جگہوں پر نماز پڑھی ہے۔ اور مومنانِ صادق نے کئی جگہوں پر آپ کو خواب میں دیکھا۔ لیکن سلفِ صالح نے ان جگہوں میں سے کسی جگہ کو بھی مسجد نہیں بنایا، اور نہ اس کو زیارت گاہ ٹھہرایا۔ اور اگر ایسی باتوں کا دروازہ کھول دیا جائے، تو مسلمانوں کے اکثر گھر مسجدیں اور زیارت گاہ بنائے جائیں گے،، کیونکہ مومنانِ صادق ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں برابر دیکھتے رہے ہیں اور بہت سے مومن ایسے ہیں جن کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ایسی جگہوں کو مقدس سمجھ کر زعفران وغیرہ کا وہاں پر چھیڑکن سخت ناپسندیدہ بدعت ہے۔

دروغ بافی کی حد ہو گئی:۔ بعض دروغ باف اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کسی جگہ پر نشانِ قدم دیکھ لیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آپؐ کا قدم مبارک ہے۔ اور پھر اس کی تعظیم شروع ہو جاتی ہے، اور وہاں پر میلے منعقد ہونے لگتے ہیں) یہ سب جھوٹی اور بے اصل باتیں ہیں۔

علیٰ ہذہ القیاس یہ جو بعض لوگ پتھروں پر قدم کا نشان لئے پھرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے، یہ بھی کذب و افترا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کے قیام گاہ اور نشست گاہ کو سجدہ گاہ ٹھہرانے کا حکم نہیں

دیا۔ یہ حکم صرف مقام ابراہیمؑ کے لئے مخصوص ہے۔ فرمایا:۔

"وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (۲: ۱۲۵)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قیام گاہ کو جائے نماز سمجھو"

جیسے کہ استلام (چھونا بطریق تعظیم) اور بوسہ دینا تمام دنیا کے پتھروں میں سے حجر اسود کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اسی طرح بیت الحرام کو یہ فضیلت بخشی ہے کہ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے۔ لیکن اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اور کسی جگہ کو ان جگہوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اس اختصاص کو اٹھا دے تو اس کی بعینہٖ یہ مثال ہوگی کہ کوئی شخص کعبہ شریف کو چھوڑ کر کسی اور مقام کو حج کے لئے معین کر دے۔ یا شعبان میں رمضان کے روزے رکھے، وغیرہ وغیرہ

بیت المقدس کا صخرہ:۔ بیت المقدس کا صخرہ ایک قابل احترام جگہ ہے لیکن اس پر اجماع ہے کہ حجر اسود کی طرح اس کو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ صخرہ کے نزدیک نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی بھی کوئی خاص فضیلت نہیں، بلکہ جس مسجد کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کے لئے وہاں پر بنایا، اس کے قبلہ میں نماز پڑھنا صخرہ کے نزدیک نماز پڑھنے اور دعا مانگنے سے افضل ہے۔

حضرت عمرؓ اور صخرہ:۔ حضرت عمرؓ نے جب یروشلم کا شہر فتح کیا تو آپ نے کعب الاحبار سے مشورہ لیا کہ مسلمانوں کے لئے کہاں پر مسجد بنائی جائے؟ کعب الاحبار نے آپ کو مشورہ دیا کہ صخرہ کے پیچھے اس کا تعمیر کرانا مناسب ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ "اے یہودیہ کے بیٹے! ابھی تک تمہارے عقاید اور خیالات میں یہودیت سرایت کئے ہوئے ہے۔ میں تمہارا یہ کہا نہیں مانوں گا بلکہ صخرہ کے سامنے اپنی مسجد بنواؤں گا" اس کے بعد انہوں نے یہ مسجد تعمیر کرائی۔ جس کو عام لوگ "مسجد اقصیٰ" کہتے ہیں۔ آپ نے نہ تو صخرہ کو ہاتھ لگایا۔ اور نہ اس کو بوسہ دیا اور نہ اس کے پاس نماز پڑھی۔

صحیح بخاری میں آپ کا یہ قول منقول ہے کہ جب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو اس طرح گویا ہوئے:

"خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے۔ اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھے انہوں نے

بوسہ دیا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔"

سلف صالحین کا طرزِ عمل:۔ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجدِ اقصیٰ میں وارد ہوتے تو وہاں نماز پڑھتے تھے، لیکن صخرہ کے پاس نہیں جاتے تھے۔ دوسرے سلف صالحین کا بھی یہی دستور العمل تھا۔ اسی طرح وہ حجرۂ شریف جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، یا وہ حجرہ جس میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں اور دوسرے حجرے جن میں کوئی نبی یا مردِ صالح مدفون ہے، اس کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا مستحب نہیں۔ اس پر ائمۂ دین کا اتفاق ہے، بلکہ اکثروں نے اس سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی ان کو سجدہ کرے یا صاحبِ قبر کو اس طرح مخاطب کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کو مخاطب کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ میری تقصیرات معاف فرماؤ، یا مجھ کو دشمن پر فتح دو، وغیرہ تو اس کا یہ فعل اور قول کفر ہے۔

مقدّس مقامات سے توسّل

نیاز چڑھانا:۔ عوام الناس کا یہ عقیدہ اور عمل ہے کہ بعض درختوں، پتھروں، اور چشموں کو مقدس سمجھتے اور اُن کے لئے نذریں مانتے اور اُن پر نیاز چڑھاتے ہیں۔ بعض لوگ ان پر چیتھڑے لٹکاتے ہیں یا کسی درخت کے پتے لے کر اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں یا ان چیزوں کے پاس نماز پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب باتیں سخت ناپسندیدہ بدعت ہیں۔ ایسا کرنا اعمالِ جاہلیت میں سے ہے، اور یہ شرک کے ذرائع ہیں، جن کا سدّباب کرنا نہایت ضروری ہے۔

ذاتِ انواط:۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ مشرکین ایک درخت پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اور وہ درخت ان کے ہاں "ذات انواط" کے نام سے مشہور تھا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس طرح ہمارے حریفوں کا ایک "ذاتِ انواط" ہے، اسی طرح ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمائیں۔ آپ نے یہ سُن کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا اور فرمانے لگے "یہ تو تم نے ایسی بات کہی جیسے کہ بنی اسرائیل نے

دجن کے رگ و ریشہ میں شرک سرایت کئے ہوئے تھا) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

کہا تھا کہ :۔

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (۷: ۱۳۸)

"اے موسیٰ ؑ! ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دو جس طرح ان لوگوں کے خدا ہیں"

"بے شک تم پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے اور اُن سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں رہو گے، یہاں تک کہ اگر کوئی اُن میں سے گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی ویسا کرو گے اور اگر کسی نے راستے میں اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو تم بھی اُس کی تقلید کرو گے"

بیعت الرضوان :۔ نیز ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جاکر نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت الرضوان کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس درخت کو کاٹ دیا جائے"۔ علمائے دین کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ان جگہوں میں سے کسی جگہ کے لئے نذر کرے تو اُس کا پورا کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ ان جیسے مقامات میں نماز ادا کرنے یا دوسری عبادت بجالانے کی کوئی خاص فضیلت نہیں۔

خُدا کی یاد اور مساجد

انبیاء و صلحاء کے مقدس مقامات :۔ ان باتوں کے ردّ و ابطال کا اصول یہ ہے کہ شریعت اسلام نے اللہ تعالےٰ کی عبادت، نماز، دُعا اور خدا کی یاد کے لئے مسجدوں کے بغیر اور جگہ مقرر نہیں فرمائی۔ البتہ مشاعر حج، جہاں پر حج کے اعمال بجالائے جاتے ہیں، اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن انبیاء اور صالحین کے مزارات یا وہ جگہیں جو کسی نہ کسی طرح ان کی طرف منسوب ہیں، یا ان کی عبادت گاہیں از قسمِ کہوف و مغارات (وہ کھوئیں جو پہاڑوں میں ہوتی ہیں) یا کوہ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوئے تھے، یا غار حرا، جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبل از بعثت عبادت فرمایا کرتے تھے، یا وہ غار جس میں آنحضرت صلی

کافروں کے خوف سے ہجرت کے وقت میں چھپے تھے اور جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے یا دمشق میں جبل قاسیون کا غار جو "مغارۃ الدم" کے نام سے مشہور ہے، اور وہ دو مقام جو اُس کے مشرقی اور مغربی جانب واقع ہیں، جن میں سے ایک کو مقام ابراہیم اور دوسرے کو مقام عیسیٰ کہتے ہیں، اور نیز اِس قسم کے دوسرے مقامات جو مشرق و مغرب میں روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، اِن کی زیارت کے لئے سفر کرنا مشروع نہیں، اور اگر کسی نے اِن مقامات کی طرف جانے کی منت مانی تو باتفاقِ ائمہ اُس پر الیفاء واجب نہیں۔

شدِّ رِحال:۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہ و ابوسعید رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ:۔

"مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے بغیر اور کسی مقام کے لئے سفر نہ کیا جائے۔"

ایک تاریخی واقعہ:۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے بلادِ شام و عراق اور مصر و خراسان کو فتح کیا تو انہوں نے کبھی ان مقامات کا قصد نہیں کیا، اور نہ اُن کی زیارت کے لئے سفر کیا اور نہ ہی اُن کو نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے لئے مخصوص کیا، بلکہ وہ اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور شریعت کے پابند تھے۔ اور مسجدوں ہی کے آباد رکھنے میں مشغول رہتے تھے، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۔ (۲:۱۱۴)

"کون ہے ظالم تر اُس شخص سے جو اللہ کی مسجدوں میں خدا کی یاد سے روکے۔"

دوسری جگہ ہے:۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ، (۹:۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے، نماز کو قائم رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا خوف دل میں نہیں رکھتا۔"

اور ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (۷ : ۲۹)

"اے محمدؐ! کہہ دے میرے رب نے انصاف کا حکم دے دیا ہے، اور نیز یہ کہ تم ہر ایک ایسے وقت میں جبکہ مسجد کو جاؤ اپنے منہ کو سیدھا کر لو۔"

اور فرمایا:۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔ (۷۲ : ۱۸)

"اور بے شک مسجدیں اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں، اس لئے ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو۔"

اسی طرح مساجد کے حق میں بیشمار آیتیں کلام مجید میں موجود ہیں۔

مسجد میں نماز پڑھنا:۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ کسی شخص کا مسجد میں نماز پڑھنا اُس کے گھر میں نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے پر پچیس درجہ فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر لیتا ہے، اور پھر مسجد میں حاضر ہوتا ہے، بشرطیکہ اُس کے مسجد میں آنے کا سوائے نماز ادا کرنے کے اور کوئی باعث اور محرک نہ ہو تو اُس کو ہر ایک قدم پر ثواب ملتا ہے، جب وہ قدم اُٹھاتا ہے تو اُس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور جب قدم رکھتا ہے تو اُس کا ایک گناہ کم ہوتا ہے۔ اور جب وہ بیٹھ کر نماز (جماعت) کا انتظار کرتا ہے تو جب تک وہ انتظار میں رہتا ہے، اُس کو نماز میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھ چکتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے، ملائکہ اُس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "بار خدایا! تو اس کو بخش دے، بار خدایا! تو اس پر اپنی رحمت نازل فرما۔"

مشاہد کے لئے سفر کرنا:۔ جو شخص کسی نبی کی قبر یا دوسرے مشاہد کے لئے سفر کرے، اُس کے بارے میں متاخرین نے اختلاف کیا ہے۔ محققین کا قول ہے کہ یہ سفر معصیت ہے اور نماز کا قصر کرنا اس میں جائز نہیں، جیسے کہ دوسرے سفر ہائے معصیت میں قصر جائز نہیں۔ ابن عقیل وغیرہؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ ابو عبداللہ بن بطہؒ نے لکھا ہے کہ یہ ایک نو پیدا

بدعت ہے، بلکہ اگر کوئی اِن مقامات میں نماز پڑھنے یا دُعا مانگنے کا قصد کرے تو اس کی بھی شریعتِ غرّا میں کوئی اصلیت نہیں، اور نہ ہی سابقین اوّلین (صحابہ اور تابعین) میں سے کسی نے نماز پڑھنے یا دُعا مانگنے کے لئے ایسے مقامات کا قصد کیا ہے۔

صحابہ اور تابعین کا طرزِ عمل:۔ صحابہ اور تابعین صرف مسجدوں کا قصد کیا کرتے تھے، بلکہ جو مسجدیں غیر مشروع طور پر بنائی گئیں، مثلاً مسجد ضرار، اُن میں بھی نماز ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ قال اللہ تعالیٰ:۔

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّھُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" (۹: ۱۰۷، ۱۰۸)

"جن لوگوں نے ایک ایسی مسجد بنائی ہے جس کا مقصد ضرر پہنچانا ہے، اس کا محرک اور باعث ان کا کفر اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا خیال ہے، اور ایک ایسے شخص کے لئے کمین گاہ بنائی گئی ہے۔ جو اس سے پہلے اللہ اور رسول کے ساتھ لڑائی کر چکا ہے۔ یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نہایت ہی اچھا تھا، بحالیکہ اللہ تعالیٰ اس شہادت کا اظہار فرماتا ہے کہ بے شک وُہ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں مت کھڑا ہو، یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن تقویٰ پر ڈالی گئی تھی، اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو، اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

قبر کو مسجد بنانا:۔ جو مسجدیں انبیاء اور صالحین کی قبروں پر بنائی گئی ہیں۔ اُن میں ہرگز نماز جائز نہیں۔ اور اُن کی تعمیر حرام ہے، جیسے کہ اکثر ائمہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحاح اور سُنن اور مسانید میں (حدیث کی کتابوں کی قسمیں ہیں) مستفیض طور پر ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"بے شک جو تم سے پہلے قومیں گذری ہیں، وہ قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے، میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایسا مت کرو، بیشک میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔"

آپؐ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا: "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے انبیاؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا اس فرمان سے مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی امت کو اُن افعال سے ڈرانا اور پرہیز کرانا چاہتے تھے۔ اور اگر یہ خوف نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کھلی جگہ میں بنائی جاتی۔ آپؐ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ آپؐ کی قبر کو مسجد ٹھہرا لیا جائے۔"

آپ کا حجرۂ مبارک جس میں کہ آپ مدفون ہیں مسجد سے خارج تھا۔ جب ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اُس نے عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا جو اُس کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا کہ "مسجدِ نبویؐ کے حدود میں وسعت کی جائے۔" چنانچہ اُس نے ازواجِ مطہرات کے حجروں کو جو مسجد کے مشرقی جانب تھے، خرید کر مسجد میں شامل کر لیا۔ اس طرح آپؐ کا مدفن شریف بھی مسجد میں داخل ہو گیا اور اس حجرے کو انہوں نے قبلے کی جانب میں کوہان پشت بنایا تاکہ کوئی شخص اس کی طرف نماز نہ پڑھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر:۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے بلادِ شام کو فتح کیا تو ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ کی قبر پر سور سلیمانی موجود تھی جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہوتا تھا، اور نہ کوئی اُس کی طرف نماز پڑھتا تھا، مسلمان لوگ اپنی نمازیں قریۃ الخلیل کی ایک مسجد میں پڑھا کرتے تھے، خلفائے راشدین کے عہد میں اور اُس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی، جس کے بعد سور سلیمانی کی دیوار میں سوراخ پڑ گیا اور پھر اُس میں دروازہ بنا یا گیا۔

خلاصۂ کلام:۔ الغرض تقریر مندرجۂ بالا اُن قبروں کے متعلق ہے جو درحقیقت انبیاؑ اور صالحین کی قبو[ر] ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر جو قبریں انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں، وہ جھوٹے طور پر ا[ن] کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جیسے ایک قبر جو نوح علیہ السلام کی قبر کے نام سے مشہور ہے، ابھی تھوڑی مدت ہوئی حاجیوں نے اس کو ظاہر کر کے مشہور کیا ہے۔ اور حقیقت میں سفید جھوٹ ہے[۔]

میں ذرہ بھی شک نہیں۔

زیارتِ عسقلان :۔ سائل نے منجملہ دوسرے مزارات کے زیارتِ عسقلان کی بابت بھی دریافت کیا ہے، اُس کو معلوم ہونا چاہئے کہ عسقلان زمانہ قدیم یعنی عصرِ اوّل میں اسلامی خلافت کی ایک سرحد تھی، اور سرفروش مسلمان جہاد کے انتظار میں رہنے کی غرض سے وہاں جاکر رہتے تھے۔ (کیونکہ سرحدی مقامات پر جہاد کا موقعہ اکثر پیش آتا ہے) اسی طرح دوسرے سرحدی مقامات پر بھی مجاہدین اسی غرض کے لئے مقیم رہتے تھے۔ جیسے کہ جبل لبنان سرزمین شام میں، اسکندریہ مصر میں، عبادان اور قزوین وغیرہ عراق میں۔ اسی طرح سرحدی مقامات میں رہ کر جہاد کے انتظار کرنے کو شرع کی اصطلاح میں رباط کہتے ہیں۔ اور جس کی بابت اس آیت میں حکم دیا گیا ہے:۔

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (۳: ۱۹۹)

"اے مسلمانو! استقلال اور ثابت قدمی اختیار کرو، دشمن کے مقابلے میں مضبوط رہو، جہاد کے لئے تیار رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہوگے"

صحیح مسلم میں بروایت سلمان فارسیؓ ایک حدیث ہے کہ خدا کے راستے میں ایک دن رات رباط کرنا پورے ایک مہینہ کے روزہ رکھنے اور قیام کرنے سے بہتر ہے، اور جو شخص رباط کی حالت میں مرجائے، وہ مجاہد مرا۔ اس کا عملِ نیک اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس کو جنت میں رزق دیا جائے گا، اور فتنے سے محفوظ رہے گا"۔

سننِ ابوداؤد وغیرہ حدیث کی کتابوں میں

رباط حرمین کی مجاورت سے افضل ہے :۔ بروایتِ عثمانؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:۔

"ایک دن رباط میں رہنا دوسرے مقامات میں ہزار دن رہنے سے بہتر ہے"

ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ:۔

"اگر میں ایک رات رباط کی حالت میں رہ جاؤں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ حجرِ اسود کے پاس شبِ قدر کی عبادت میں مشغول رہوں"

انہی حدیثوں کی بناء پر علماء کا قول ہے کہ سرحدی مقامات پر رباط کی حالت میں رہنا حرمین شریفین کی مجاورت سے بہتر ہے، کیونکہ رباط جہاد کی ایک قسم ہے، اور مجاورتِ حرمین حج کی ایک قسم ہے، اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حج سے جہاد افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

" اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ، اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ " (۹: ۱۹تا۲۰)

(کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا ایسا ہی خیال کیا ہے، جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے؟ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک برابر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

فضیلتِ رباط کی وجہ:۔ الغرض اُن سرحدی مقامات کو قابلِ تعظیم سمجھنے کی اصلیت یہ ہے جس کا ابھی بیان کیا گیا۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان میں سے بعض مقامات پر تو کافروں نے قبضہ کر لیا، یا اہلِ بدعت اور فاسق فاجر لوگ وہاں رہنے لگے، اور بعض اُن میں سے ویران اور غیر آباد ہو گئے، اور دوسرے مقامات کو رباط کی جگہ ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہو گئی، کیونکہ پہلے مقامات کی فضیلت بھی اسی وجہ سے تھی، حقیقت یہ ہے کہ جگہوں میں بذاتِ خود کوئی فضیلت نہیں ہوتی، اس لئے تغیرِ حالات کے بموجب ان کے احکام بھی متبدل ہوتے رہتے ہیں۔

دارالاسلام اور دارالکفر کی وجہ تسمیہ:۔ ایک ملک میں کافر رہتے ہیں، اس لئے اُس کو دارالکفر کہا جاتا ہے، لیکن وہی لوگ جب اسلام اختیار کر لیتے ہیں، تو اُن کی وجہ سے وہی سرزمین دارالاسلام کہلاتی ہے، چنانچہ مکہ معظمہ ابتداء میں دارالکفر اور دارالحرب تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو فتح کیا تو وہ دارالاسلام بن گیا، اسی طرح ارضِ مقدسہ میں پہلے کافر اور جبار

لوگ رہتے تھے جن کا قصہ سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع میں مفصل مذکور ہے، اور قرآن کریم میں اُس کو "دار الفاسقین" کہا ہے، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام اور اُس کی قوم کو اللہ تعالےٰ نے غرق ہونے سے نجات دی تو اُن سے اس طرح خطاب فرمایا:۔

سَاُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ -

"عنقریب میں تم کو بے فرمان لوگوں کا ملک اور وطن دکھاؤں گا"

اُس وقت میں وہ ملک فی الواقع دار الفاسقین تھا کیونکہ اُس میں خدا کے نافرمان بندے رہتے تھے، لیکن جب اُس میں بنی اسرائیل کی قوم کے صالحین سکونت پذیر ہو گئے تو وہ ملک دار الصالحین بن گیا۔ کسی جگہ کا محمود و مذموم ہونا:۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس کا پہچاننا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ (شہر یا ملک) کے سکان کی حالت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک وقت میں محمود اور قابلِ تعریف اور دوسرے وقت میں مذموم اور قابلِ تفریق ہوتی ہے۔ الغرض جگہوں کی خوبی یا عدم خوبی ہمیشہ ایک اضافی امر ہوتا ہے، اور دراصل مدح یا ذم ایمان اور عمل صالح کے وجود اور عدم پر مرتب ہوتی ہے۔

انسان کی فضیلت کا انحصار:۔ اسی طرح آدمیوں کی فضیلت بھی کچھ باپ دادا پر منحصر نہیں، بلکہ اس کا تعلق خود اُن کے ذاتی کمالات اور خوبیوں، ایمان اور عملِ صالح سے ہے۔ کلامِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ - (۴۹-۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی نر و مادہ سے پیدا کیا، اور اس لئے تم کو قوموں اور گوتوں میں تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ تم ایک دوسرے پر فخر کرو اور ایک دوسرے کی تحقیر کرو) بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ بالعکس اسی طرح کسی گورے چٹے کو کالے حبشی پر فوقیت حاصل نہیں، امتیاز کی چیز صرف تقویٰ (اور نیک عمل) ہے، سب لوگ آدم کے بیٹے

ہیں۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے"۔

ابو الدرداءؓ اور سلمان فارسیؓ کے درمیان آنحضرت صلعم نے عقد مواخات کیا تھا، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں سلمان فارسیؓ عراق میں حضرت عمرؓ کا نائب تھا، اور ابو الدرداءؓ شام میں رہتا تھا۔ مؤخر الذکر نے اوّل الذکر کو لکھا کہ آؤ پاک سرزمین میں چلے آؤ۔ سلمان فارسیؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:۔

"کوئی سرزمین کسی کو پاک نہیں بناتی، صرف نیک عمل ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو پاک اور مقدس بناتا ہے"۔

استغاثہ بجاہِ فلاں

عیسائیوں کی مشابہت:۔ جب کسی کا قدم پھسل جائے، اور وہ یہ کہے کہ:۔ یا جاہ محمد یا للست نفیسہ۔ یا سیدی الشیخ فلان (یا غوث الاعظم وغیرہ)

اس قسم کے الفاظ جن میں سوال اور استغاثہ پایا جاتا ہے، ایسا کہنا ناجائز اور شرک میں داخل ہے، کیونکہ کوئی میت خواہ وہ نبی ہو یا ولی اُس کو حاجت کے وقت پکارنا، اُس سے دُعا مانگنا، یا اُس سے فریاد کرنا جائز نہیں، خواہ وہ پکارنے والا قبر کے پاس ہو، یا اُس سے دور ہو۔ یہ فعل اور عمل عیسائیوں کے فعل اور عمل کے مشابہ ہے، جنہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا مقرر کر رکھا تھا، اور ایسے ہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا - إلى آخره (۱۷-۵۶)

"اے محمدؐ! کہہ دے جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خدا مقرر کر رکھا ہے اُن کو پکارو جس کا کچھ بھی فائدہ نہیں کیونکہ یہ اشخاص نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، اور نہ کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ (آخر آیت تک)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا، أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۔ (۳: ۷۸-۷۹)

"کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس کو (اپنے الطاف خسروانہ کا مورد بنا کر) اپنی کتاب حکومت اور پیغمبر عنایت فرمائے اور (وہ ان عظیم نعمتوں کی ناشکری کر کے بجائے اس کے کہ لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کے لئے بلائے) لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ کہے گا کہ چونکہ تم کتاب اللہ کے عالم اور اُس کے پڑھنے والے ہو، اس لئے تم خدا پرست اور خدا کی طرف بلانے والے ہو جاؤ۔ وہ تم سے یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو خدا بنا لو کیا جب تم مسلمان اور مطیع فرمان ہو چکے ایسی حالت میں وہ تم کو کافر ہو جانے کی تلقین کریگا؟"

ان امور شرکیہ کی کسی دوسری جگہ پر مزید تفصیل کی گئی ہے،

قبر پر چراغاں یا نذر کرنا

لعنت و معصیت:۔ اسی طرح ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا کسی شیخ یا اہل بیت کے کسی آدمی کے لئے یا کسی ولی کی قبر کے لئے نذر کرنا اور منت ماننا معصیت ہے جس کا ایفاد باتفاق ائمہ واجب نہیں، بلکہ جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ:۔

"جو شخص طاعت کی نذر مانے، اُس کو ایفاد کرنا چاہئے لیکن اگر کسی نے خدا کی نافرمانی کرنیکی منت مانی تو اُس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے"

سُنن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور جو لوگ اُن پر مسجدیں بناتے اور چراغ جلاتے ہیں، اُن پر خدا کی لعنت ہے"

اس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ جو لوگ قبروں پر مسجدیں بنائیں یا اُن پر قندیلیں اور چراغ روشن کریں، وہ ملعون ہیں، اس لئے تم سمجھ سکتے ہو کہ جو لوگ مزارات پر سونے اور چاندی کی قندیلیں رکھتے ہیں،

اور سیم وزر کے شمعدان جلاتے ہیں وہ کس خلعت کے لائق ہوں گے؟ اور اس لئے جو شخص کسی نبی یا ولی کی قبر پر شمع جلاتے یا اس کے لئے تیل مہیا کرنے یا روپے دینے کی منت مانے، اس کی یہ نذر معصیت ہے اور اس کا ایفا جائز نہیں۔ اور کیا اس نذر کی وجہ سے اس پر کفارت یمین لازم آتی ہے یا نہ؟

کفارتِ یمین:۔ اس کے متعلق علمائے کرام کا اختلاف ہے جو نذر اس نے مانی ہے، اگر وہ اس کو خیرات و مبرات کے مستحقین میں تقسیم کر دے، مثلاً تنگدست اور محتاج اصلاح کی اس سے دستگیری کرے تو وہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بہتر اور بہت زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ اس کا یہ عمل عملِ صالح شمار کیا جائے گا۔ جس کا اس کو ثواب ملے گا۔ اللہ تعالےٰ کسی نیکی کرنیوالے کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اللہ تعالےٰ اس متصدق کو ضرور جزا دے گا، جو خالص اس کی خوشنودی کے لئے صدقہ دیتا ہے، اور مخلوق سے اس کا اجر طلب نہیں کرتا

قال اللہ تعالےٰ:۔

"وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى، (۹۲: ۱۷ تا ۲۱)

"اس جلتی آگ سے اس بڑے پرہیزگار کو بچایا جائے گا، جو اپنے نفس کی پاکیزگی کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا وہ بدلہ اتارنا چاہتا ہے، وہ صرف اپنے برتر خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس کو اس قدر ثواب دیا جائے گا کہ جس سے) وہ خوش ہوگا"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ" (۲: ۲۶۵)

"جو لوگ اپنے مال کو دل کی مضبوطی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی رضا مندی ڈھونڈنے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایک باغ والوں کی ہے"

جو ٹیلے پر واقع ہے (اس سے آگے پوری مثال ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس کا یہ صدقہ اچھی طرح پھلے اور پھولے گا، اور بے انتہا اجر اس کو ملے گا)

صدقۂ ابرار :۔ ابرار کے صدقے کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے:۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ (۷۶: ۹)

"بے شک ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور تم سے کسی قسم کا بدلا یا شکر گزاری نہیں چاہتے"

غیر اللہ کا وسیلہ :۔ اسی بناء پر کسی کو نہیں چاہئے کہ غیر اللہ کے وسیلہ سے کسی سے سوال کرے، مثلاً یہ کہے کہ "حضرت ابوبکرؓ یا حضرت علیؓ کے واسطے مجھ کو دو" یا "میں فلاں شیخ اور فلاں ولی کا تمہیں واسطہ دیتا ہوں" بلکہ دینے والے کو چاہئے کہ صرف اس شخص کو اپنا صدقہ دے جو محض خدا کے لئے مانگے۔

تمام عباداتِ بدنیہ اور مالیہ مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ اور حج میں خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدّنظر رکھنا ایک مسلمان کا فرضِ مؤکدہ ہے۔ رکوع اور سجود خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، روزہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، حج خاص اُسی کے گھر کے لئے ہو، دُعا صرف اُسی سے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔ (۸: ۳۹)

"کافروں سے اُس وقت تک لڑو جبکہ کچھ بھی فتنہ باقی نہ رہے، اور جبکہ دین سارے کا سارا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاص کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۶-۱۶۳)

"صاف کہہ دو کہ بے شک میری نماز، اور میری قربانی اور میری زندگی (یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں انسان کے تمام اعمال اور اقوال آجاتے ہیں) اور میری موت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنیوالا ہے"

ایک اور آیت کریمہ ہے :۔

تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ، (۳۹: ۱، ۲)

"یہ کتاب خدائے غالب اور حکیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے ، ہم نے تیری طرف اپنی کتاب کو سچے طور پر نازل فرمایا ، لہذا تم کو چاہیئے کہ اپنے دین کو خالص کر کے اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو"

اسلام کا نچوڑ :۔ یہی اسلام کا اصل الاصول ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے ، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس طریقے کے مطابق کی جائے جس کی خود اس نے تعلیم فرمائی ہے ، اپنی رائے اور بدعت پر عبادت مقبول نہیں ۔

کلام پاک میں ہے :۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَدًا ، (۱۸: ۱۱۰)

"جو شخص اپنے رب سے ملاقی ہونے کی امید رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرے ، اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے"

نیز ارشاد ہوا ہے :۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ، (۶۷: ۲)

"اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تم کو آزمائے ، کون تم میں سے سب سے اچھا عمل کرتا ہے"

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "نیک اور اچھے عمل سے مراد وہی ہے جو بہت خالص اور بہت ٹھیک ہو ۔" حاضرین نے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے اس کی اس طرح تشریح کی "عمل اگر خالص ہو اور ٹھیک نہ ہو (کتاب اور سنت کے مطابق نہ ہو) تب بھی مقبول نہیں ، اور ٹھیک ہے لیکن خالص نہیں تب بھی مقبول نہیں ، اس لئے میں کہتا ہوں کہ بہت خالص اور بہت ٹھیک ہو ۔

خالص اور ٹھیک عمل کی تشریح:۔ اب خالص اور ٹھیک کی تشریح سُن لو۔ خالص وہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ٹھیک وہ ہے جو کتاب اور سُنت کے مطابق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین مقبول صرف اللہ کا دین ہے جس کو اُس کے رسولؐ نے ہم تک پہنچایا، اس لئے حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور بتایا ہو اور دین وہی ہے جس کو اُسی نے نازل فرمایا ہے، جو لوگ دین میں نئی بدعتیں نکالتے ہیں وہ مشرکوں کے بھائی ہیں۔ کلام پاک میں ہے:۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (۴۳ : ۲۱)

"کیا انہوں نے اپنے لئے خدا کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے اُن کے لئے ایک ایسا دین پیدا کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی"

اس آیت کریمہ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے خلاف اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی نئی راہ نکالتے ہیں، وہ مشرک ہیں۔

رہبانیت:۔ مشرکوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے جابجا اس لئے مذموم بتایا ہے کہ انہوں نے دین میں نئی راہیں نکالیں (ویسے زبانی تو وہ بھی آپ کو دین ابراہیمؑ کا پیرو سمجھتے تھے) اور ایسی چیزوں کو حرام ٹھہرایا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں فرمایا تھا، مثلاً بحیرہ اور سائبہ وغیرہ۔ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر رہبانیت اختیار کی تھی، لیکن چونکہ اُن کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل نہیں تھا، اس لئے اسلام نے اس کا ابطال کیا کہ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ"

تمام انبیاءؑ کا دین:۔ اسلام، تمام رسل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے اور اس کا مطلب محض اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اُسی کے فرمان کے آگے گردن جھکانا ہے۔ جس شخص نے تدبر کے ساتھ قرآن کریم پڑھا ہے، اس کو معلوم ہے کہ تمام مشہور انبیاءؑ نے مسلم ہونے پر فخر کیا ہے۔

سورہ یونس میں اول الرسل حضرت نوح علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ:۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۲۸ : ۹۱)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں ہوں"

پہلے سیپارے کے آخری رکوع میں اس بات کی تصریح ہے کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے جدِ امجد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے ان الفاظ میں وصیت کی تھی کہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (۲: ۱۳۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک خالص دین (دین اسلام) پسند کیا ہے، اس لئے تم کو چاہئے کہ مسلمان ہو کر مرو"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس طرح خطاب کیا تھا کہ:۔ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ۔ (۵: ۱۱۱)

"اسی اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کا قول ہے:۔

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۔ (۵: ۱۱۱)

"اور تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ:۔ اِنَّا معاشر الانبیاء دیننا واحدٌ ؛

"ہماری پیغمبروں کی سب جماعت کا ایک ہی دین ہے"

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؛

توضیح: یہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ ہے، جس کا الگ اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، کتاب الجنائز سے اسکی مناسبت ظاہر راقم نے اُسے اپنی پسند اور انتخاب کے پیش نظر درج کر دیا ہے ما انشاء اللہ قارئین محظوظ ہوں گے

(علی محمد سعیدی)

سوال:۔ قبر کو سجدہ کرنا کیا حکم رکھتا ہے،

جواب:۔ قبر کو سجدہ کرنا خواہ بنظر عبادت ہو یا بنظر تعظیم کفر اور حرام ہے، اللہ جل و شانہ فرماتا ہے۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○

ترجمہ۔ نہ سجدہ کرو سورج اور چاند کو اور سجدہ کرو، اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو،

اس آیت میں اللہ نے مطلق غیر کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے، خواہ عبادت کی وجہ سے ہو یا تعظیم کے واسطے، شرح فقہ اکبر میں ہے،

وفی المحیط اذا قال اهل الحرب لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لا یسجد لان هذا کفر صورة والافضل ان لا یاتی لما هو کفر صورة وان کان فی حالة الاکراه۔

ترجمہ۔ فتاوٰے محیط میں ہے، اگر کافر اہل عرب مسلمان کو کہیں کہ بادشاد کو سجدہ کرو، ورنہ ہم تم کو قتل کر ڈالیں گے، بہتر تو یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے، کیونکہ یہ صوری کفر ہے، اور افضل یہ ہے کہ جو چیز صورتاً کفر ہے، جبر کی حالت میں بھی اس کو بجالانا، اچھا نہیں، شرح موافقت میں ہے:۔ وسجوده یدل بظاهره علی انه لیس بمصدق ونحن نحکم بظاهره فلذا حکمنا بعدم ایمانه۔

ترجمہ یعنی سجدہ کرنا شمس کو بظاہر دلالت کرتا ہے، کہ سجدہ کرنے والے کے جی میں خدا و رسول کی تصدیق نہیں ہے، اور چونکہ ہم ظاہر میں حکم کرتے ہیں، اس لئے حکم کرتے ہیں، کہ وہ مومن نہیں، شرح مقاصد میں ہے،

لوکان الایمان نفس التصدیق لزم ان لا یکون بغض النبی صلی اللہ علیه وسلم والقاء المصحف فی القاذورات وسجدة الصنم ونحو ذلك کفر مادام تصدیق القلب بجمیع ما جاء به النبی باقیا واللازم منتف قطعاً واجیب

بان فی المعاصی ما جعله الشارع امارة عدم التصدیق او کیدۃ الامور المذکورۃ من ھذا القبیل

ترجمہ: ایمان صرف تصدیق ہی ہو تو لازم آتا ہے، کہ نبی کا بغض، اور قرآن شریف کا پلیدی میں ڈال دینا، اور بت کو سجدہ کرنا، اور مثل اس کی کفر نہ ہو، حالانکہ کفر ہے، جواب اس کا یہ ہے، بعضے گناہ شارع نے عدم تصدیق کے نشان قرار دیئے ہیں، اور امور مذکورہ اسی قسم سے ہیں، یعنی سجدہ وغیرہ کرنا عدم ایمان پر دلیل ہے۔۱۲

شعب الایمان میں مسطور ہے کہ۔

السجود للمخلوق حرام مطلقا ومن مقدمات عبادۃ الصنم سواء کان المسجود لہ شیخا اوسلطانا وفی بعض الصور یفضی الی الکفر عافانا اللہ الکریم

ترجمہ: یعنے مخلوق کو سجدہ سب طرح سے حرام ہے، اور بت پرستی کی ابتداء ہے کسی شیخ کو سجدہ کیا جائے، یا کسی بادشاہ کو اور بعض صورتوں میں تو یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے خداوند کریم ہم کو اس سے بچا دے،

فتاوٰے حمادیہ میں ہے:۔

وان سجد بنیۃ العبادۃ للسلطان اولم تحضرہ النیۃ فقد کفر۔

ترجمہ، یعنے اگر کوئی بادشاہ کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرے، یا بغیر نیت کے پس وہ کافر ہے، ایسا ہی ہے جواہر اخلاطیہ اور فتاوٰے عالم گیریہ اور خزانۃ المفتیین کتب فقہ میں اور کفایہ شعبی میں ہے، واما فی شریعتنا فلا یجوزان یسجد احد بوجہ من الوجوہ ومن فعل ذلک فقد کفر۔

ترجمہ۔ یعنے ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے، کہ کوئی کسی کو کسی طرح سے سجدہ کرے، اور جو ایسا کرے، وہ کافر ہے،

نصاب الاحتساب میں ہے۔ اذا سجد لغیر اللہ یکفر لان وضع الجبھۃ علی الارض لایجوز الا للہ تعالیٰ۔

ترجمہ، یعنے غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ زمین پر اللہ ہی کے لئے رکھا جاتا ہے۔
(محدث لاہور)

باب ایصال الثواب للمیّت

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل آف گوجرانوالہ

سوال: مرنے .... والے کے لیے کیسے دُعاءِ مغفرت کی جائے اور اس کے لواحقین کو اس کے مرنے کے بعد اصولِ نبوی کے ماتحت کیا کچھ کرنا چاہیے۔ جیسے کہ عام طور پر تیسرا دسواں اور چالیسواں وغیرہ دُنیا کرتی ہے اور کیوں کر رائج کیا گیا ہے؟

۲۔ یہ آخری چہار شنبہ کی جو تعطیل منائی جاتی ہے۔ یہ دن کیوں منایا جاتا ہے اور اس روز مسلمان کو کیا کرنا چاہیے یا ویسے ہی رسم ورواج ہے۔

جواب: موت کے بعد میّت کے لیے دُعاء اور صدقہ یقیناً مفید ہیں۔ جنازہ خود میّت کے لیے دُعا ہے لیکن صدقہ دُعا کے لیے کسی وقت کا تعین شرعاً ثابت نہیں۔ موت کے بعد میّت کے گھر بیٹھ کر عموماً دعاؤں کا تانتا باندھ دیا جاتا ہے۔ ہر آنے والا دُعا کے لیے اس انداز سے درخواست کرتا ہے گویا وہ اپنی حاضری نوٹ کرا رہا ہے۔ ایک سیکنڈ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور حقہ اور گپوں کا دَور شروع ہو جاتا ہے۔ اور دُعا کے وقت بھی دِل حاضر نہیں ہوتا۔ حالاں کہ دل کی توجہ دُعا کے لیے از بس ضروری ہے۔ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْ قَلْبٍ لَاہٍ۔ اللہ تعالیٰ غافل دِل کی دُعا قبول نہیں کرتا۔ میّت کے لیے دُعا ہر وقت بلا تخصیص کی جا سکتی ہے اور زندوں کی طرف سے یہی بہترین صلہ ہے جو میّت کو دیا جاتا ہے بشرطیکہ سنّت کے مطابق ہو۔ تعزیت کا مطلب گھر والوں کی تسکین ہے۔ دُعا اگر مجلس کی بجائے انفراداً کی جائے تو دُعا کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ بغرض یہ تین دِن کا جلسہ دعائیہ سنّت سے ثابت نہیں۔ ان مجالس میں حقہ اور بھی اس مقصد کو برباد کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ثواب ہدیۃً میّت کو دینا اس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ اسے مفید سمجھتے ہیں۔ میری نظر میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر یہ امر مستحسن ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد بیسیوں ختم کا ثواب ہدیہ کرتے۔ لیکن سنّت میں آنحضرت سے ایک دفعہ قرآن پڑھنا بھی ثابت نہیں۔

تیسرا، دسواں اور چالیسواں یہ تمام امور بدعت سیئہ ہیں۔ آں حضرت اور ائمہ اسلامؒ سے اس کے متعلق

ایک حرف بھی ثابت نہیں۔ احناف میں اس کا رواج حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اسم گرامی پر ایک تہمت ہے۔

۲۔ آخری چہار شنبہ کوئی اسلامی تہوار نہیں۔ یہ محض جہلا کی ایک رسم ہے۔ مسلمانوں کی کوئی تاریخی یادگار اس سے وابستہ نہیں۔ (الاعتصام گوجرانوالہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء)

سوال: جو یہ عقیدہ رکھے کہ ایصالِ ثواب بحق موتےٰ از قسم طعام و پارچہ وغیرہ جائز نہیں نہ یہ ان کو پہنچے وہ سنت و جماعت والوں میں سے ہے یا نہ؟

جواب: صدقات کا ثواب باتفاق اہل سنت اور جماعت کے اموات کو پہنچتا ہے۔ بعض فرقہ ضالہ معتزلہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ کسی عبادت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا خواہ وہ عبادت بدنی ہو یا مالی۔ صحیح مسلم میں ہے: لَیْسَ فِی الصَّدَقَاتِ اِخْتِلَافٌ۔ (میت کو صدقہ کا ثواب پہنچنے میں کوئی اختلاف نہیں) امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے: فان الصدقة[1] تصل الی المیت و ینتفع بها بلا خلاف بین المسلمین وهذا هو الصواب واما ما حکاه الماوردی فی کتابه الحاوی عن بعض اصحاب الکلام من ان المیت لا یلحقه بعد موته ثواب فهو مذهب باطل قطعًا وخطأ بین لنصوص الکتاب والسنة واجماع الامة فلا التفات الیه ولا تعرج علیه۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ اموات کو زندوں کے عمل سے فائدہ نہ پہنچنا مذہب معتزلہ کا ہے۔ (فتاوٰے غزنویہ ص۱۲۹)

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما

سوال: میت کے ایصالِ ثواب اور مغفرت کے لیے قرآن مجید اور بخاری شریف یا دیگر وظائف مثلاً حصن حصین اور دینی کتب کا ختم کرانا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ میرا مسلک وہی ہے جو حضرت مولانا و مرشدنا

---

[1] صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں اور ٹھیک بھی یہی ہے اور وہ جو ماوردی نے اپنی کتاب حاوی میں بعض اہل کلام سے حکایت کی ہے کہ میت کو مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا وہ یقیناً باطل مذہب اور کھلی غلطی ہے جو کتاب و سنت کے دلائل صریحہ اور اجماع امت کے مخالف ہے اور اس طرف التفات اور تعرج نہ چاہیے۔ ۱۲

(علی محمد سعیدی)

عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوریؒ کا ہے۔ آپ کا فتوےٰ فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۴۲۴ پر درج ہے۔ بعینہٖ آپ کے فتوے کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

متاخرین علمائے اہلحدیث سے علامہ محمد بن اسماعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو ارجح دلیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قرأت قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ از روئے دلیل زیادہ قوی ہے۔ اور علامہ شوکانیؒ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے ساتھ حق کہا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لیے قرأۃ قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے۔ کیوں کہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو خواہ بدنی۔ اور بدنی میں قرأۃ قرآن ہو یا نماز یا روزہ۔ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے۔ ان دونوں علامہ کی عبارتیں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اوّل ص۲۰۲ میں ہے:

ان هذه الادعية ونحوها نافعة للميت بلاخلاف واما غيرها من قرأة القرآن. فالشافعي يقول لا يصل ذالك اليه. وذهب احمد وجماعة من العلماء الى وصول ذالك اليه. وذهب جماعة من اهل السنة والحنفية الى ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان او صوما اوحجا او صدقة او قرأة قرآن او ذكر او اى نوع من انواع القرب وهذا هو القول الارجح دليلا وقد اخرج الدارقطنى ان رجلا سأل النبى صلى الله عليه وسلم انه كيف يبرا بويه بعد موتهما فاجابه بانه يصلى لهما مع صلوته ويصوم لهما مع صيامه واخرج ابو داؤد من حديث معقل بن يسار عنه صلى الله عليه وسلم. اقروا على موتاكم سورة يٰسين وهو شامل للميت بل هو الحقيقة فيه واخرج الشيخان انه صلى الله عليه وسلم كان يضحى عن نفسه بكبش وعن امته بكبش وفيه اشارة الى ان الانسان ينفعه عمل غيره. وقد بسطنا الكلام فى حواشى ضوء النهار. بما يتضح منه قوة هذا المذهب انتهى.

یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں۔ بلا اختلاف میت کے لیے قرآن پڑھنا۔ سو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ کہ قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور علمائے اہلسنت سے ایک جماعت کا اور حنفیہ کا مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے، نماز ہو، یا روزہ یا صدقہ یا قرأۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت اور یہی قول دلیل کی رُو سے زیادہ راجح ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پوچھا کہ وُہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی و احسان کرے آپ نے فرمایا۔ اپنی نماز کے ساتھ دونوں کے لیے نماز پڑھے۔ اور اپنے روزے کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابو داؤد میں معقل بن لیسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اپنے مُردوں پر لیسین پڑھو۔ اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے۔ بلکہ حقیقتاً میت ہی کے لیے ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی امت کی طرف سے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔

(جلد ۳۔ صفحہ ۳۳۵ نیل الاوطار)

والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد کما فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضا کما فی الحدیث المحرم عن اخیہ شبرمۃ ولم یستفصلہ صلی اللہ علیہ وسلم هل اوصی شبرمۃ ام لا۔ وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافا للمالکیۃ علی المشهور عندهم وبالصلوۃ من الولد ایضا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یا رسول اللہ انہ کان لی ابوان ابرهما فی حال حیوتهما فکیف لی برهما بعد موتهما فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البر بعد البران تصلی لهما مع صلاتک وان تصوم لهما مع صیامک وبالصیام من الولد لهذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری ومسلم ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ان امی ماتت وعلیها صوم نذر فقال ارأیت لو کان دین علی امک فقضیتہ وکان یؤدی عنها قالت نعم قال فصومی عن امک واخرج مسلم وابو داؤد والترمذی من حدیث بریدۃ ان امرأۃ قالت انہ کان علی امی صوم شهر فاصوم عنها قال صومی عنها ومن غیر الولد ایضا لحدیث من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ متفق علیہ وبقراءۃ لیسین من الولد وغیرہ لحدیث اقرؤا علی موتاکم لیسین۔ وبالدعاء من الولد لحدیث۔ او ولد صالح یدعو لہ ومن غیرہ لحدیث استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبیت ولقولہ تعالیٰ والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولما ثبت من الدعاء للمیت عند الزیارۃ لجمیع ما یفعلہ الولد لوالدیہ من اعمال البر لحدیث ولد الانسان من سعیہ انتهی ؛ حاصل اور خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدرِ ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اپنے عموم پر نہیں اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے۔ یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے۔ اس واسطے خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد جو اپنے والدین کے لیے حج کرے۔ اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اور شبرمہ کے بھائی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا ثواب میت کو غیر اولاد کی طرف سے بھی پہنچتا ہے۔ اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے۔ سو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دارقطنی میں ہے۔ کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے۔ ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی واحسان کیا کرتا تھا۔ پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں۔ آپ نے فرمایا مرنے کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزے کے ساتھ اپنے والدین کے لیے روزہ بھی رکھ۔ اور صحیحین میں ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ بتا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا۔ اور اس کی طرف سے تو ادا کرتی۔ تو ادا ہو جاتا، یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا، روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ کہ ایک عورت نے کہا میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ۔ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔ اور سورۃ یٰسین کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں پر یٰسین پڑھو۔ اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے۔ سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی سے ہے۔ جب علامہ شوکانی اور علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قرأۃ قرآن وعبادت بدنیہ کے متعلق سن چکے۔ تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا، خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں: لایصل عندنا ثواب القرأۃ علی المشهور والمختار الوصول اذا سأل الله ایصال ثواب قرأته

و ینبغی الجزم به لانه دعاء۔ فاذا اجاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما هوله اولی ویبقی الامر فیه موقوف علی استجابة الدعاء وهذا المعنی لا یختص بالقراءة بل یجزی فی سائر الاعمال والظاهر ان الدعاء متفق علیه انه ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیة وغیرها علی ذالك احادیث کثیرة بل کان افضل ان یدعو لاخیه بظهر الغیب انتهی ذکره فی نیل الاوطار یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالےٰ سے قراۃِ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دُعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرأت کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے) اور دُعا کے قبول ہونے پر موقوف رہے گا۔ (یعنی اگر دُعا اسکی قبول ہوئی تو قرأت کا ثواب میت کو پہنچے گا۔ اور اگر دُعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قرأت کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دُعا ہے۔ پس جب کہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا جائز ہے۔ جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، جو داعی کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دُعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو خواہ دُور ہو۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دُعا کرے۔ واللہ اعلم (ماہنامہ الاسلام دہلی جلد شمارہ ۶ ۱۹۵۸ء)

سوال: کیا تیجہ، ساتویں، دسویں، چالیسویں اور عُرس یا میلہ کا کوئی ثبوت ہے اگر کوئی ان سے انکار کرے تو بریلوی اُسے بُرا کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ثبوت اگر قرآن وحدیث سے پوچھو تو کوئی نہیں۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہاں یار لوگوں نے کھانے پینے کا ڈھب بنا رکھا ہے۔ اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں۔ جیسا کہ منوسمرتی میں تیجے، ساتویں، چالیسویں کا ذکر مذکور ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۳۴)

سوال: قبروں اور مزاروں پر چڑھاوا چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں ہیں۔ ان کی حرمت محدثین کے نزدیک مسلم ہے۔ دلائل کتاب وسنت اور معتبر کتب فقہ میں موجود ہیں۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۳۴)

سوال: قرآن کریم ختم کرکے ثواب میت کو پہنچانا کیسا ہے؟

جواب: احادیث سے مالی صدقات سے ہی ایصالِ ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء)

سوال ۱: ایصالِ ثواب کے لیے بغیر تعیین تاریخ جمعرات کو (اس بناپر کہ اس دن فقراء کثرت سے آتے ہیں) اغنیاء اور فقراء کی ایک ساتھ عام دعوت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

۲: اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنے والوں کا کیا حکم ہے۔

۳: اگر کوئی شخص اس دعوت میں شریک نہ ہو تو اجابت اِذَا دُعِیَ کے خلاف تو نہ ہوگا۔ اس قسم کی دعوت خیر القرون میں ملتی ہے یا نہیں؟

۴: ایصالِ ثواب کی عام احادیث کی رو سے اس نوع کی دعوت کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مشترکہ عام دعوت میں فقراء اور اغنیاء کو بغیر ارادہ فخر وریا کے اور بغیر رسم کی پابندی کے بایں طور کھلانا کہ فقراء جس قدر کھائیں اس سے مقصود میت کو ایصالِ ثواب ہو اور جس قدر اغنیاء کھائیں وہ دوستانہ دعوت اور ہدیہ کے طریق پر ہو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔ ارشاد ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (قرآن کریم پ) جب یتیم کے مال اور حق کو (جس کا کھانا ولی کے لیے درست نہیں) بشرطِ اصلاح اپنے مال کے ساتھ ملانا اور تیار کرنا جائز ہے تو کسی کے مرجانے کے کچھ دن بعد ایصال ثواب کی غرض سے (جو ضروری نہیں ہے اور نہ فقراء کا حق واجبی ہے بلکہ وہ مال اور حق صدقہ کرنے والے کی ہی ملکیت ہے) فقراء والے کھانے کو ملا کر تیار کرنے اور مشترکہ دعوت کرنے میں بھی کوئی قباحت و کراہت نہیں اور جب یہ دعوت درست ہے۔ تو اس میں اغنیاء کا شریک ہونا جائز ہے اور اس کا رد کرنا "اجاب اذا دعی" کے خلاف ہے۔ ایسی مشترکہ دعوت کی نظیر خیر القرون میں مجھے نہیں ملی۔ لیکن ایصال ثواب کی عام احادیث اور آیت مذکورہ بالا کی رو سے یہ دعوت جائز ہے۔ بالخصوص جب کہ منع و کراہت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

(محدث دہلی جلد نمبر ۸ ش ۷)

سوال: نماز جنازہ کے بعد فوراً میت کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھ کر مردہ کو بخشتے ہیں۔ احناف کا یہ دوامی

عمل ہے۔ اس کے تارک پر سخت ملامت کی جاتی ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: نماز سے فارغ ہونے کے بعد میت کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھ کر مردہ کو بخشنا بے اصل اور بے ثبوت چیز ہے اس لیے اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ (محدث دہلی)

سوال: کیا میت کے پاس قبل دفن کرنے کے کچھ لوگوں کا جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا درست اور جائز ہے؟

جواب: میت کے پاس قبل دفن کرنے کے یا قبر پر دفن کرنے کے بعد مجتمع ہو کر قرآن کریم پڑھنا درست نہیں یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین کے زمانہ میں نہیں تھا۔ ایصالِ ثواب کے لیے اجتماع کر کے قرآن پڑھنے کو علمائے شافعیہ وحنفیہ نے بھی مکروہ وبدعت لکھا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی رح لکھتے ہیں: وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند قرآن خوانند وختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آں ایں مجموعہ بدعت است (مدارج النبوۃ) وقال الشیخ علی المتقی صاحب کنز العمال الاول الاجتماع للقراۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ انتہیٰ وقال المجد فی سفر السعادت ص۲۷ وکان یقرأ صلی اللہ علیہ وسلم وقت الزیارۃ من انواع الدعاء الذی کان یقرأ فی صلوۃ المیت وکانت العادۃ ان یعزی اھل المیت ویأمرھم بالصبر ولم تکن العادۃ ان یجتمعوا للمیت ویقرأ ولہ القرآن ویختموہ عند قبرہ ولا فی مکان اخر وھذا المجموع بدعۃ مکروھۃ۔ (محدث دھلی جلد نمبر شمارہ نمبر)

سوال: میت کے دم نکل جانے کے بعد اس کے سر کے پاس بیٹھ کر قرآن حمید کی تلاوت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس طرح قرآن خوانی لازم کر دی گئی تب تو یہ بدعت ہے۔ اس کا ثبوت کتاب وسنت وزمانہ خیر القرون میں نہیں پایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔ ہاں اتفاقیہ اگر کبھی پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۵)

سوال: اگر کسی میت کی طرف سے فقیروں کو کھانا کھلایا جائے تو اس کھانے میں برادری کے امیروں کو بھی شریک ہونا اور کھانا جائز ہے یا نہیں۔ اگر اس طرح کیا جائے کہ مثلاً بیس سیر چاول ایک ہی ساتھ پکایا جائے اس میں سے دس

نمبر پرچہ کا اول و آخر نہ ہونے کی وجہ سے جلد اور شمارہ نمبر حاصل نہیں ہوا۔ سعیدی

سیر تو فقراء کے لیے نیت ہوا اور دس سیر برادری کے امیروں کے لیے اور دونوں کو ساتھ ہی کھلا دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت کی طرف سے حسب موقعہ اگر غرباء کو کھانا کھلا دیا جائے تو جائز ہے۔ امراء کو ایسے کھانے میں ہرگز نہ شریک کیا جائے اس لیے کہ یہ ایصالِ ثواب بصورتِ صدقہ ہے۔ امراء کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مرنے والے کی طرف سے تیسرے دن کے بعد کھانا غرباء کے لیے پکایا جائے اور برادری وغیرہ امراء وغیرہ کو کسی تقریب کے لیے کھانا کھلانا ہو اور ان کے حصے کا کھانا اس کھانے کے ساتھ پکوالیا جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو کھلا دیا جائے تو جائز ہے۔ الاعمال بالنیات (مولانا) محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۹)

سوال: اگر کسی مردے کی طرف سے فقیروں کو جمع کر کے کھانا کھلانا اور اس کے ساتھ قرآن خوانی کرا کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس طرح سے شرع میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جس چیز کا ثبوت نہ ہو اسی کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت کی لعنت سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ ش ۹)

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابوبکر صدیق و دیگر صحابہ کرام کا تیجا۔ دسواں، چالیسواں و عرس سالانہ ہوا تھا یا نہیں۔ کیا کسی معتبر کتاب سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب: یہ ساری بدعتیں پیٹو ملانے بدعتیوں کی ایجاد ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیجا، وو جہ و عرس ہوا نہ صحابہ کرام کے متعلق کچھ ثبوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تجعل قبری عیدا؛ یعنی یا اللہ میری قبر پر نہ میلہ لگے نہ عرس کیا جاوے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آج تک آپ کی قبر مبارک پر یہ خرافات نہیں ہوئے۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۹

سوال: ہمارے ہاں دستور ہے۔ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے تو چند روز اس کے بعض وارث ایک کمبل بچھا کر مکان میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک حقہ بھی تازہ بھر کر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر لوگ رشتہ دار و نیز دوسرے لوگ برائے تعزیت جمع ہو جاتے ہیں۔ حقہ پیتے جاتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب: اس طرح کی فاتحہ خوانی اور حقہ نوشی یقیناً بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے زمانہ میں ایسا دستور نہ تھا۔ اس قسم کی بدعات سے دُور رہنا چاہیئے۔

(حضرت مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ) (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ ش ۱۰)

سوال: ہمارے یہاں دستور ہے کہ اگر کوئی انتقال کرجاتا ہے تو لوگوں کو جمع کرکے اس کی طرف سے قرآن خوانی کرائی جاتی ہے۔ کیا اس کا ثبوت شرع میں ہے یا نہیں؟

جواب: اس قسم سے قرآن خوانی کرکے ایصالِ ثواب کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ہے علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ حضرت مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات کے تیسرے دن مروجہ فاتحہ کی طرح دودھ جو اور کھجوروں پر سورۃ فاتحہ اور اخلاص پڑھیں اور ان کو تقسیم کردیا۔ حوالہ کتاب اوزجندی جو کہ ملا علی قاریؒ کی طرف منسوب ہے۔ کیا یہ کتاب واقعی ملا علی قاریؒ کی ہے اور کسی جگہ طبع بھی ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کی صحت اور سقم میں محدثین اور فقہا کی کیا تحقیق ہے۔ فاتحہ مروجہ کا وجود آئمہ اربعہ تابعین تبع تابعین اور صحابہ کے زمانہ میں تھا یا نہیں۔ ابوالحسنات علی محمد۔ مدرسہ فیض الاسلام صدروالہ ضلع فیروزپور)

جواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصانیف میں کوئی کتاب اوزجندی نام کی نہیں ہے۔ نہ اوزجندی کہیں دیکھی گئی یہ حوالہ غلط مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ کہ حضور صلعم نے حضرت ابراہیم کی وفات کے تیسرے دن یہ عمل کیا تھا صحیح نہیں ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی



الجواب حق
محمد شفیع عفی عنہ
مدرسہ عبدالرب دہلی

اور فاتحہ مروجہ کا وجود قرون ثلثہ میں کہیں نہیں۔ اور نہ ائمہ اربعہ سے ثبوت ہے۔
اشفاق الرحمٰن غفرلہٗ
مدرسہ فتحپوری دہلی

جواب صحیح ہے۔ کہ فاتحہ مروجہ خصوصاً مذکورہ فی السوال حدیث نبوی سے ثابت نہیں۔ مفت خوروں نے لیے افسانے بے سروپا کھانے پینے کے لیے بنا رکھے ہیں اور اس کو امر شرعی بنا کر لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اسی قسم کی رسموں کو بدعت کہا جاتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے: من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (صحیح بخاری مسلم) جو شخص ہمارے اس دین میں نئی چیز نکالے وہ مردود ہے۔ پس فاتحہ مروجہ مردود ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین وفقہا مجتہدین و ائمہ محدثین کے طریق کے بھی خلاف ہے۔ راقم ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی ۱۹ رجب ۱۳۶۵ھ

سوال: اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ماہ ربیع الاول میں ٹھیک آنحضور علیہ السلام کی وفات کے روز یا اس تاریخ کے گزر جانے کے بعد مسکینوں وغیرہ کو کھانا کھلائے تو جائز ہے یا نہیں، کیا خلفائے راشدین نے کھانے یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچایا ہے۔ اگر کوئی تونگر شخص اپنے ماں باپ کو ثواب پہنچانے کے لیے مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ماہ ذی الحجہ میں آنحضور کی طرف سے قربانی کر کے ثواب پہنچائے تو کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

جواب: ان سوالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کے حق میں ایصال ثواب جائز ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق ائمہ عظام اور علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔ لیکن حق جواز ہے۔ جو خواہ ایصال ثواب صدقہ وخیرات سے ہو یا دعا اور قرأۃ قرآن سے ہو۔ یا کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے ہو۔ مگر یہ سب کچھ بلا تخصیص تاریخ و رسم ورواج کے ہو۔

علامہ محمد بن اسماعیل سبل السلام شرح بلوغ المرام صہ ۲۰۶ جلد ۱ میں فرماتے ہیں: ان هذه الادعية ونحوها نافعة للميت بلا خلاف واما غيرها من قراءة القرآن له فالشافعي يقول لا يصل ذلك اليه وذهب احمد وجماعة من العلماء الى وصول ذلك اليه وذهب جماعة من اهل السنة والحنفية الى ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان او صوما او حجا او صدقة او قراءة قرآن او اى نوع من انواع القرب وهذا هو الارجح دليلا وقد اخرج الدارقطني ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم انه كيف يبر ابويه بعد موتهما فاجابه بانه يصلي لهما مع صلاته ويصوم لهما مع صيامه واخرج ابوداؤد

من حدیث معقل بن یسار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأوا علی موتاکم سورۃ یٰسٓ و ھو شامل للمیت بل ھو الحقیقۃ فیہ واخرج الشیخان انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضحی عن نفسہ بکبش وعن امتہ بکبش وفیہ اشارۃ الی ان الانسان ینفعہ عمل غیرہ وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النہار بما یتضح منہ قوۃ ھذا المذھب انتھی یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں۔ بلا خلاف اور میت کے لیے قرآن پڑھنا سوا امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور علماء سنت سے ایک جماعت اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے۔ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت۔ اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے اور دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی اور احسان کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابوداؤد میں معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰسٓ پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے بلکہ حقیقتاً میت کے لیے ہی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔

نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۳۵ میں ہے: والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضاً کما فی حدیث المحرم عن اخیہ بشرمۃ ولم یستفصلہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل اوصی شبرمۃ ام لا وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافا للمالکیۃ علی المشھور عندھم وبالصلوۃ من الولد ایضا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان لی ابوان ابرھما فی حال حیاتھما فکیف لی ببرھما بعد موتھما فقال صلی اللہ علیہ ان من البر بعد البر ان تصلی لھما مع صلوتک وان تصوم لھما مع صیامک وبالصیام من الولد لھذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری ومسلم ان

امرأة قالت یارسول اللہ ان امی ماتت وعلیها صوم نذر فقال ارأیت لو کان دین علی امك فقضیته اکان یؤدی عنها قالت نعم قال فصومی عن امك واخرج مسلم وابوداؤد والترمذی من حدیث بریدة ان امرأة قالت انه کان علی امی صوم شهر فاصوم عنها قال صومی عنها ومن غیر الولد ایضا لحدیث من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه (متفق علیه) وبقراءة یٰس من الولد وغیرہ لحدیث اقرؤا علی موتاکم یٰس وبالدعاء من الولد لحدیث او ولد صالح یدعو له ومن غیرہ لحدیث استغفروا لاخیکم وسئلوا له التثبیت ولقوله تعالیٰ والذین جاؤا من بعدهم یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ولما ثبت من الدعاء للمیت عند الزیارت وبجمیع ما یفعله الولد لوالدیه من اعمال البر لحدیث ولد الانسان من سعیه انتهیٰ

حاصل اور خلاصہ اس عبارت کا بقدرضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے۔ یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ کہ اولاد جو اپنے والدین کے لیے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اولاد جو اپنے والدین کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دارقطنی میں ہے۔ کہ ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ جب زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں۔ آپ نے فرمایا نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا بتا اگر تیری ماں کے ذمے قرض ہوتا اور تو اس کی طرف سے ادا کرتی تو ادا ہوجاتا یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا ہوجاتا۔ آپ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں۔ تو کیا میں اس کی طرف سے رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ۔ غیر

اولاد کے روزے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف اس کا ولی روزے رکھے اور سورۃ یٰس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰس پڑھو۔ اور دُعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اولاد دُعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو بھی کارِ خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی وجدوجہد کا نتیجہ ہے۔ جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسماعیل امیر کی تحقیق ایصالِ ثواب قرأۃ قرآن اور عباداتِ بدنیہ کے متعلق سُن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سُن لینا خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں، لا یصل عندنا ثواب القرأت علی المشھور والمختار الوصول اذ سأل اللہ ایصال ثواب قرأۃ وینبغی الجزم بہ لانہ دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما ھو لہ اولیٰ ویبقی الامر فیہ موقوفا علی استجابۃ الدعاء وھذا المعنی لا یختص بالقرأۃ بل یجری فی سائر الاعمال والظاھر ان الدعاء متفق علیہ انہ ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیۃ وغیرھا وعلی ذلک احادیث کثیرۃ بل کان افضل ان یدعو لاخیہ بظھر الغیب انتھی ذکرہ فی نیل الاوطار۔ یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرأۃ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سے قرأۃ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دُعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرأت کا ثواب فلاں میت کو پہنچاوے)، اور دُعا قبول ہونے پر امر موقوف ہوگا (یعنی اگر اس کی دُعا قبول ہوئی تو قرأت کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا)، اور اس طرح پر قرأت کے ثواب پہنچنے کا جزم ولیقین کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دُعا ہے پس جبکہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے۔ پس جبکہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ جو داعی کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دُعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو یا دُور ہو۔ اور اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دُعا کرے۔ شرح کنز میں ہے: ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ کان او صوما او حجا او صدقۃ او قرأۃ قرآن او غیر ذلک من جمیع انواع

البر ویصل ذلک الی المیت وینفعه عند اهل الاسلام. یعنی اہلسنت کے نزدیک انسان کے ہر نیک عمل کا ثواب خواہ نماز و روزہ ہو یا حج و صدقہ یا قرأت قرآن میت کو پہنچتا ہے۔ اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمالِ صالحہ کا ثواب مردوں کو پہنچاتا رہے۔

امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں، واما قرأة القرآن فالمشهور من مذهب الشافعی انه لا یصل ثوابها الی المیت وقال بعض اصحابه یصل الی المیت و ثواب جمیع العبادات من الصلٰوة والصوم والقرأة وغیر ذلک۔ یعنی مشہور یہی ہے۔ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ لیکن بعض شافع المسلک علماء کے نزدیک جملہ عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور اذکار میں لکھتے ہیں۔ وذهب احمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من اصحاب الشافعیؒ الی انه یصل۔

کارِ خیر خواہ کوئی بھی ہو ہر ایک کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ میت خواہ نبی ہو یا ولی ہو، یا صحابی و امام ہو یا ماں باپ و استاذ ہو۔ لہٰذا تاریخ مقرر کرنا رسم و رواج کی پابندی کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ بدعت ہے۔

تیجا، چالیسواں، بارہ وفات نہ کسی صحابی نے منائی اور نہ تابعین و ائمہ میں سے کسی نے منائی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی صحیح تاریخ ۱۳ ماہ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت چاشت ہے (رحمۃ للعالمین صـ ۲۵۲) اس تاریخ کو معین کر کے کھانا کھلانے کا ثبوت نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں کسی دن بھی بغیر تعیین کے کھانا کھلا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ خلفاء راشدین نے موجودہ طریقہ کے مطابق کسی میت کو کھانا کھلا کر ثواب نہیں پہنچایا۔ ذی الحجہ میں جانور کی قربانی کا ثواب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہر سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی طرف سے بھیڑ کی قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی شریف صـ ۳۵۳ جلد ۱) (ترجمان دہلی جلد ۶ ش ۱۶)

توضیح الکلام: مجیب علام نے سوال کے جواب میں ہر پہلو پر با دلائل وضاحت فرمائی ہے۔ لیکن ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ خیرات سے ایصال ثواب میں کچھ تشنگی باقی ہے۔ جس پر ماسوا عمومات کے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود شریف اور سلام بھیجنے کے لیے تو نصوص قرآنی اور احادیث رسول سبحانی میں متعدد دلائل موجود ہیں۔ جو کسی سے مخفی نہیں اور

آپ کے لیے قربانی کرنا بھی نص حدیث سے ثابت ہے۔ باقی عشر، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات بذریعہ خورد و نوش اور لباس وغیرہ کے ایصال ثواب پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہیں۔

۱۔ جب دنیاوی زندگی میں عشر، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات (جو اوساخ الناس ہے) آپ کے لیے حلال نہیں تو عالم برزخ میں کیسے جائز اور حلال ہو سکتے ہیں۔

۲۔ اسی لیے خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں کہ کسی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بذریعہ خورد و نوش کے ایصال ثواب کیا ہو۔ اگر جائز اور ثابت ہوتا تو حضور علیہ السلام کے ساتھ محبت میں سلف صالحین ہم سے کئی گنا زیادہ تھے۔ معلوم ہوا کہ پیٹ پروری کے لیے یہ بھی ایک رسم اور بدعت ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو اجتناب اور پرہیز ضروری ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

سوال : جو لوگ مرنے کے بعد رسم قل، دسواں، چالیسواں وغیرہ کرتے ہیں کیا اس میں کسی اہل توحید کا شامل ہونا اور اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے یا وہ کھانا حرام کے حکم میں ہے؟

جواب : دسواں، چالیسواں وغیرہ جو مروج ہے بدعت ہے اور بدعت میں کسی اہل توحید کو شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ شامل ہونے والا گناہ گار ہوگا۔ کھانے کی حرمت ثابت نہیں کیوں کہ فی نفسہٖ اس پر اس کا اثر کوئی نہیں پڑتا

الحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۴۴

طعام المیت : یہ جو قول ہے، طَعَامُ الْمَيِّتِ يُمِيْتُ الْقَلْبَ یعنی میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے۔ تو یہ قول حدیث نہیں۔ بلکہ بعضے تجربہ کاروں کا قول ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کے کھانے سے وہ کھانا مراد ہے کہ چالیس دن تک لوگ کھلاتے ہیں اور وہ کھانا دل کو مردہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کی موت کے آثار ظاہر ہونے کے وقت سے اور اس کے بعد ایسے کھانے کے سرانجام اور تقسیم کا خیال رہا کرتا ہے۔ کہ یہ کھانا اقرباء میں یا ان لوگوں میں جو کہ مسجدوں میں رہا کرتے ہیں تقسیم کیا جاوے گا تو جن لوگوں کو یہ کھانا پہنچتا ہے وہ لوگ متوقع اور منتظر اس کھانے کے رہتے ہیں اور تشریع کا مقصود یہ ہے کہ میت کی موت سے لوگ عبرت پکڑیں، اور نصیحت سے مستفید ہوویں اور آخرت کی فکر میں مشغول ہوویں اور غفلت سے ہوشیار ہو جاویں اور یہ مقصود اس صورت میں بالکل مفقود ہو

جاتا ہے۔ اور جو کچھ حدیث صحیح میں وارد ہے اور صحاح ستہ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المیت یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے کھانے سے۔ فقط
(فتاوےٰ عزیزی جلد ۲ صـ ۲۴۹)

سوال: کسی کے مرجانے کے بعد جو فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ماتم پرسان ماتم والے گھر جاکر دعا یا فاتحہ پڑھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور مردہ کی روح کو ثواب بخشتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسند احمد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے۔ کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعة الطعام بعد دفنه من النیاحة یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ یعنی رونے پیٹنے میں داخل ہے نیز پہلے روز یا تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں روز یا ششماہی یا سالانہ جو کھانا پکتا ہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے اور ابو داؤد میں حدیث ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحة والمستمعة یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔ اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح و شام یا تیسرے روز یا کسی اور دن میں ماتم پرسی یا فاتحہ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہوجائے، ثواب حاصل کرتے کرتے عذاب میں گرفتار ہوجائیں اور آیت کریمہ یحسبون انھم یحسنون صنعا کے نیچے آجائیں یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے والے ہوجائیں اس کے علاوہ اس قسم کی فاتحہ خوانی کا کوئی ثبوت نہیں۔ خیر القرون میں یہ کام ہوا، پس یہ بدعت ہوا اور حدیث میں ہے کل بدعة ضلالة (فتاویٰ اھلحدیث جر ۲ صـ ۴۶۹)

سوال: کیا قرآن مجید کی تلاوت بلا تخصیص وقت ومکان کے میت کو ثواب پہنچتا ہے؟

جواب: کسی آیت یا حدیث سے تلاوت قرآن کی ثواب رسانی کا ثبوت نہیں۔ نہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حنفی علماء اسکو مالی عبادات پر قیاس کرکے جائز کہتے ہیں۔

شرفیہ: اس باب میں کچھ روایات یا آثار کتاب ثمار التنکیت فی ابیات التثبیت میں ہیں۔ مگر اس وقت وہ کتاب موجود نہیں جو نقل کی جائیں۔ ہاں نیل الاوطار سے بحیثیت مجموعی ملتا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک تلاوت

قرآن کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے۔ نیل الاوطار ص۷۹ ج۴ ابوسعید شرف الدین دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فتاوے ثنائیہ ص۵۳ ج۱

سوال: گھر یا قبرستان میں قرآن خوانی سے میت کو ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

جواب: صورت مرقومہ میں بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ فتاوٰے ثنائیہ ص ۵۳۲ جلد ۱

توضیح الکلام: مروجہ طریقے سے قبرستان میں قرآن مجید پڑھنے کا ثبوت نہ تو زمانہ رسالت میں ہے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (سعیدی)

سوال: میت کی طرف سے روزہ دار کو افطار کرانے سے ایصال ثواب ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہر نیک کام کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ کنواں لگوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ھذا لام سعد یہ کنواں سعد کی ماں کو ثواب پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ فتاوے ثنائیہ ص ۵۳۲ جلد ۱

سوال: زید کہتا ہے مُردہ کی دعوت کھانا حرام ہے؟

جواب: کوئی شخص ایصالِ ثواب کے لیے غرباء اور مساکین کو کھانا کھلائے تو جائز ہے۔ بحکم حدیث مذکورہ حوالہ

تشریح: میت کی طرف سے خیرات کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ میت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے یا نہیں اور ختم پڑھنا سنت ہے یا بدعت؟ بینوا توجروا

الجواب: میت کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کا ثواب میت کو بلاشبہ پہنچتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رجلاً قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا و اراھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم۔ اور قرآن خوانی اور ختم خوانی جس طریقہ پر فی زماننا رائج ہے سو یہ طریقہ بالکل بے اصل اور محدث ہے۔ اور اس کے علاوہ قرأت قرآن کا ثواب پہنچنے اور نہ پہنچنے میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت علماء کے نزدیک قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم حررہ عبدالوہاب عفی عنہ (فتاوی نذیریہ ص۴۳۹ ج۱) فتاوے ثنائیہ ص۵۳۲ ج۱

سوال : کسی شخص کے مرجانے کے بعد چوتھے یا چالیسویں دن یا اس کے علاوہ متعین یا غیر متعین دنوں میں کسی مُردے کے نام پر قرآن خوانی کرکے اور غرباء کو کھانا کھلا کر ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب : قرآن مجید پڑھ کر یا صدقہ خیرات کرکے میّت کے لیے استغفار کرنا جائز بلکہ احسن طریقہ ہے۔ رسمی طور پر دن مقرر نہ کرنا چاہیئے۔

تشریح : مُردے کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب : اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ قراۃ قرآن کا ثواب مُردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں، علمائے احناف کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اور بعض اصحابِ شافعی کے نزدیک پہنچتا ہے۔ اور اکثر علمائے شافعیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے جن کے نزدیک مردے کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے*۔ اور جن کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ شرح کنز میں ہے ، ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان اوصوماً اوحجا اوصدقة اوقرأة قرآن اوغیر ذلك من جمیع انواع البر ویصل ذلك الی المیت وینفعه عند اهل السنة۔ امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں۔ واما قرأة القرآن فالمشهور من مذهب الشافعی انه لایصل ثوابها الی المیت وقال بعض اصحاب یصل الی المیت وثواب جمیع العبادات من الصلوٰة والصوم والقرأة وغیره ذلك اور اذکار میں لکھتے ہیں؛ وذهب احمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعت من اصحاب الشافعی الی انه یصل ۔ واللّٰه اعلم

حررہ علی محمد عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

هوالموفق : متاخرین علمائے اہلحدیث سے علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو راجح دلیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قراۃ قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے از روئے دلیل کے زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے۔ مگر اولاد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لیے قراۃ قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیوں کہ اولاد کے تمام عمل خیر مالی ہو یا بدنی اور بدنی میں قرأت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے ان دونوں علامہ کی عبارتوں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اوّل ص۲۰۶ میں ہے ؛

ان هذه الادعیة ونحوها نافعة للمیت بلاخلاف واما غیرها من قرأة القرآن له فالشافعی

* ان کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے۔

یقول لا یصل ذلک الیہ وذھب احمد وجماعۃ من العلماء الی وصول ذلک الیہ وذھب جماعۃ من اھل السنۃ والحنفیۃ الی ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ کان او صوما او حجا او صدقۃ او قرأۃ قرآن او ذکرا او ای نوع من انواع القرب وھذا ھو القول الارجح دلیلا وقد اخرج دارقطنی ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کیف یبر ابویہ بعد موتھما فاجابہ بانہ یصلی لھما مع صلوتہ ویصوم لھما مع صیامہ واخرج ابو داؤد من حدیث معقل بن یسار عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأوا علی موتاکم سورۃ یٰس وھو شامل للمیت بل ھو الحقیقۃ فیہ واخرج الشیخان انہ صلی اللہ کان یضحی عن نفسہ بکبش وعن امتہ بکبش وفیہ اشارۃ ان الانسان ینفعہ عمل غیرہ وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النھار بما یتفجر منہ قوۃ ھذا المذھب انتھی یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں بلا اختلاف اور میت کے لیے قرآن پڑھنا سو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا یہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور علمائے اہلسنت سے ایک جماعت کا۔ اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی و احسان کرے۔ آپ نے فرمایا اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابوداؤد میں معقل بن یسار سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰس پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے۔ فی الحقیقت میت ہی کے لیے ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی اُمت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی اُمت کی طرف سے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے، کہ یہی مذہب قوی ہے۔ نیل الاوطار میں ہے (صفحہ نمبر ۳۲۵ جلد ۳)

والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد کما فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضا کما فی حدیث المحرم عن اخیہ شبرمۃ ولم یستفصل

صلی اللہ علیہ وسلم هل اوصی شبرمة ام لا وبالعتق من الولد كما وقع في البخاري في حديث سعد خلافا
للمالكية على المشهور عندهم وبالصلوة من الولد ايضا لما روى الدارقطني ان رجلا قال يا رسول اللہ
انه كان ابوان ابرهما في حال حياتهما فكيف لي ببرهما بعد موتهما فقال صلى اللہ عليه وسلم
ان من البر بعد البر ان تصلي لهما مع صلاتك وان تصوم لهما مع صيامك وبالصيام من
الولد لهذا الحديث ولحديث ابن عباس عند البخاري ومسلم ان امرأة قالت يا رسول اللہ
ان امي ماتت وعليها صوم نذر فقال رأيت لو كان دين على امك فقضيتيه أكان يؤدى
ذلك عنها قالت نعم قال فصومي عن امك واخرج مسلم وابوداؤد والترمذي من حديث
بريدة ان امرأة قالت انه كان على امي صوم شهر فاصوم عنها قال صومي عنها ومن
غير الولد ايضا لحديث من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق عليه وبقراءة
يٰس من الولد وغيره لحديث اقرؤا على موتاكم يٰس وبالدعاء من الولد لحديث
او ولد صالح يدعوله ومن غيره لحديث استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت ولقوله تعالى وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ. ولما
ثبت من الدعاء للميت عند الزيارة الخ وبجميع ما يفعله الولد لوالديه من اعمال البر
لحديث ولد الانسان من سعيه الخ (نيل الاوطار طبع جديد مصري جلد ۴ ص۸۰ درازدهلوی)

حاصل وخلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیہ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
اپنے عموم پر نہیں ہے اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے۔ یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو
صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے۔ اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث
سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اولاد جو اپنے والدین کیلئے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد جو اپنے والدین
کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے
اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے
دارقطنی میں ہے کہ ایک مرد نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے میں ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی
اور احسان کرتا تھا۔ پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں، آپ نے فرمایا کہ مرنے کے

بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا اور اسکی طرف سے تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں اس نے کہا کہ ہاں ادا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں تو کیا میں اسکی طرف سے روزہ رکھوں آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو ملتا ہے اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ جو شخص مرجائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور سورہ یٰس کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے۔ اولاد کی طرف سے اور غیر اولاد کی طرف سے بھی، اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو۔ اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اسکی سعی سے ہے۔ جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قرأۃ قرآن و عبادات بدنیہ کے متعلق سن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں۔ لایصل عندنا ثواب القرأۃ علی المشہور. والمختار الوصول اذا سأل اللہ ایصال ثواب قرأۃ القرآن علی المشہور وینبغی الجزم بہ لانہ دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما ھو لہ اولی. ویبقی الامر فیہ موقوفا علی استجابۃ الدعاء وھو المعنی لا یختص بالقرأۃ بل یجری فی سائر الاعمال والظاھر ان الدعا متفق علیہ انہ ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیۃ وغیرھا وعلی ذلک احادیث کثیرۃ بل کان افضل ان یدعو لاخیہ بظھر الغیب انتھی ذکرہ فی نیل الاوطار۔ یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرأۃ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ سے قرأۃ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرأۃ کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے) اور دعا کے قبول ہونے پر امر موقوف رہیگا (یعنی اگر دعا اسکی قبول ہوئی تو قرأۃ کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قرأۃ کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دعا ہے

پس جب کہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ جو آدمی کے اختیار میں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دُعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو خواہ دور ہو۔ اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دُعا کرے۔ واللہ اعلم بالصواب (کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارک پوری عفا اللہ عنہ (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۴۱ ج ۱)

دیگر اہدائے ثواب قراۃ قرآن للمیت میرے نزدیک صراحتہً کسی مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نیز صحابہ و تابعین سے بھی ثابت نہیں، اس لیے مجھے اس کی مشروعیت میں تامل ہے۔ لوگ اہدائے ثواب دُنیا بت وبدل میں فرق نہیں کرتے۔ اقرأ وا علی موتاکم یٰسٓ میں موتٰے کو ابن قیم نے محتضر پر محمول کیا ہے۔ ونیز یہاں اہداء ثواب کی صورت بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم (حضرت مولانا) عبید اللہ رحمانی مبارک پوری ۱۹۵۴ فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۲

قراۃ قرآن سے ایصالِ ثواب کے متعلق بعد تحقیق یہی فتوے ہے کہ اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کی تلاوت کرکے ثواب میت کو بخشے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ پڑھنے والا خود بغرض ثواب بغیر کسی رسم و رواج کی پابندی کے پڑھے۔ از مولانا ثناء اللہ امرتسری ۹ر جولائی ۳۷ء الراقم علی محمد سعیدی

سوال؛ میت کے واسطے تین یا چار روز کے بعد کھانا آگے رکھ کر ختم قرآن مجید بخشا جائے یا نہیں؟

جواب؛ یہ طریقہ سنّتِ نبوی علیہ السلام سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔ جو دعوے کرے وُہ ثبوت پیش کرے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل ص ۵۳۶)

سوال؛ ختم میت کا ثبوت ہے؟

جواب؛ ختمِ میت جو آج کل دیا جاتا ہے، کہ مرنے کے بعد کھانا رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ اور کھانا تقسیم کرتے ہیں یہ تو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھا۔ لہٰذا بدعت ہے۔ (فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل ص ۵۳۸)

سوال؛ قراۃ قرآن کا ثواب میت کی روح کو پہنچتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب؛ قرأت قرآن کا ثواب پہنچانے کا دستور زمانہ رسالت اور عہدِ خلافت میں نہ تھا۔ آئمہ اربعہ میں بھی اسی

وجہ سے اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام الشافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نہیں۔ اللہ اعلم فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل۔

سوال : بعض علماء کا یوں ارشاد ہے۔ کہ اگر کلمہ ایک لاکھ کا ختم اُجرت دیکر ہو یا وارثان میت خود پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔

جواب : کلمہ شریف پڑھنا ثواب ہے۔ مگر جس طرح لکھا ہے اس طرح شرع میں ثابت نہیں۔ صاف طور سے پڑھے لا الٰہ الا اللہ۔ میت کا مغفور ہو جانا میرے ناقص علم میں نہیں۔ العلم عند اللہ (فتاویٰ ثنائیہ۔ ص ۵۳۹ / ۱)

سوال : کوئی شخص منگل بدھ وغیرہ دنوں میں مرجائے تو اس کی قبر پر کسی آدمی کو قرآن پڑھنے کے لیے جمعرات کی مغرب تک بٹھانا اس نیت سے ہے کہ یہ شخص جمعہ میں ملجائے گا، جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ جب تک قرآن قبر پر با واز بلند پڑھا جائے تب تک اس کو پوچھ نہیں ہوتی ہے۔

جواب : یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ پیٹ پرستوں کے حیلے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۴۴ / ۱)

سوال : قرآن خوانی مُردہ کی طرف سے بخشوانا جائز ہے۔ اسمیں علماء کا اختلاف کیوں ہے؟

جواب : بعض افعال کا ثبوت آنحضرت کے زمانہ میں ملتا ہے۔ جیسے میت کی طرف سے کنواں لگوانا یا روزہ رکھنا ائمہ سلف میں سے بعض تو ان ہی افعال تک محدود رہتے ہیں جن کا ثبوت اور بعض دیگر افعال کو بھی ان پر قیاس کر کے جائز بتاتے ہیں۔ قرأت قرآن انہی قیاسی مسائل میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قرأۃ قرآن کا ثواب بھی مثل دیگر افعالِ ثابتہ کے پہنچتا ہے۔ دوسرے علماء ان سے منکر ہیں۔ یہی وجہ اختلاف ہے۔ خاکسار کے نزدیک بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص ۵۴۵)

سوال : بعد موت مقررہ دنوں میں مُردے کے نام سے کھانا بنا کر مساکین، مالدار اور علماء کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : مُردے کو ثواب پہنچانے کا کھانا وہی ہے ۔ جو بغیر فخر و ریا کے محض مساکین کو کھلایا جائے ۔ آجکل جو اس قسم کی دعوتیں ہوتی ہیں وہ محض رسمی ہیں خاص کر علماء کو ایسی دعوتوں میں شریک نہ ہونا چاہیئے تاکہ ان رسوم کو لوگ جان کر چھوڑ دیں ۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۲)

سوال : میت کو ثواب رسانی کی غرض سے بہ ہیئت اجتماعی قرآن خوانی کرنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب : بہ نیت نیک جائز ہے ۔ اگرچہ ہیئت کذائی سنت سے ثابت نہیں ۔ میت کے حق میں سب سے مفید تر اور قطعی ثبوت کا طریقہ استغفار (بخشش مانگنا) ہے ۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال : برائے طعام للّٰہ روز معین چہلم ۔ اور طعام مردہ ، مردہ دل کی حدیث کیسی ہے ؟

جواب : طعام میت کے لیے دن مقرر کرنا ٹھیک نہیں ۔ طعام میت غربا ء کا حق ہے ، دوسروں کو نہیں چاہیئے (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال : اس جگہ دستور ہے کہ میت کے آگے آگے خاص مقررہ اشخاص زور زور سے کلمہ اور مولود پڑھتے ہیں ، میت کو قبرستان لے جاتے ہیں ۔ اور بعد دفن میت پر زور زور سے اذان کہتے ہیں ۔ ان کی بابت واضح حکم کیا ہے ؟

جواب : اس میں شک نہیں کہ یہ اطوار اور افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے زمانہ میں نہ تھے ، نہ آئمہ اربعہ نے ان کا حکم دیا ہے ۔ نہ فقہ کی کسی معتبر کتاب میں کسی امام مجتہد کا کوئی قول ان اقوال کے متعلق ملتا ہے ۔ کسی چھوٹے موٹے ملّا نے کہہ دیا ہو تو دین میں اس کی کوئی وقعت نہیں لہٰذا یہ اقوال قطعاً بدعت واجب الترک ہیں ۔

(فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۲)

سوال : گھر میں کوئی مر جاتا ہے ۔ اس کے گھر لوگ تین روز تک آتے رہتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں الخ یہ جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : تعزیت میں سنت تو یہ ہے کہ مُردے کے پسماندگان کو تسلّی دی جائے اسی ضمن مُردے کے لیے دُعا

بھی کر دی جائے تو گناہ نہیں، تعزیت کا اصل کام پچھلوں کو تسلی دینا ہے۔ جو صورت سوال میں ممکن ہے، سنت نہیں، میرے نزدیک حرام اور گناہ بھی نہیں ہے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول صہ ۵۴۵)

سوال، سوئم وغیرہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: میت کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ سوئم، دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھماہی برسی وغیرہ رسمیں بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث والسادس والعاشر والعشرین وغیرھا بدعۃ مستقبحۃ کذا فی شرح المنہاج للنووی وکذا فی الکتب الفقہ للحنفیۃ۔ مفتی مدرسہ رحمانیہ دھلی (محدث دھلی جلد ۹ ش ۸)

سوال: میت کی طرف سے عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت کا عقیقہ کرنے کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف حدیث یا اثر ثابت نہیں، اس لیے میت کی طرف سے عقیقہ کرنا غیر مشروع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ سَابِعِہٖ رواہ الخمسہ وصححہ الترمذی علامہ شوکانی فرماتے ہیں وفیہ دلیل علی ان العقیقۃ تَسْقُطُ اِنْ مَاتَ قَبْلَ سَابِعِ الولادۃ انتھی بتغییر وتلخیص (نیل الاوطار ج ۵ صہ ۲۲۵) محدث دہلی جلد ۹ ش ۹

سوال، اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک متواتر روزانہ صبح وشام بغرض فاتحہ جمع ہونا جائز ہے یا نہ؟

جواب، مسند احمد میں جریر بن عبد اللہ بجلی سے روایت ہے: کنا نعدّ الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ، ترجمہ یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ (یعنی رونے پیٹنے) میں داخل ہے۔ نیز پہلے روز تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں یا شش ماہی یا سالانہ جو کھانا پکتاہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے، اور ابو داؤد میں حدیث ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح وشام جمع ہوتے

یں ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہو جائے۔ ثواب حاصل کرتے کرتے عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اور آیۃ کریمہ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا کے نیچے آ جائیں یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے والے ہو جائیں۔ (رسالہ بدعات مروجہ کی تردید صلا)

سوال: ایصالِ ثواب بذریعہ غذا مُردہ کو ملتا ہے یا نہیں؟

جواب: بغیر تخصیص وقت، دن، تاریخ اور مہینہ کے میت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے میت کی طرف سے نفل، تسبیح، درود یا قرآن شریف کی تلاوت کرنا، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ وغیرہ جائز درست ہے۔

(صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ۲۴ ش ۴)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہلحدیث اس امر میں کہ مُردے کی طرف سے کھانا کھلانے کے ثبوت میں احناف جب ازجندی کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔ آپ لوگ اسے بے سند بے اصل موضوع کہہ دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے خود جو مُردے کے گھر کھانا کھایا جیسا کہ مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے۔ خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ جاب ونحن معہ فجیئ بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا۔ اس حدیث سے مرنے والے صحابی کی بیوی کی دعوت کو قبول کر کے آپ کا وہاں کھانا کھانا صاف ثابت ہوتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: حدیث مذکور صاحبِ مشکوٰۃ نے بحوالہ ابی داؤد و بیہقی نقل کی ہے اور ابو داؤد کے کسی نسخہ میں امرأتہ لفظ نہیں ہے۔ بلکہ داعی امرأۃ ہے۔ دیکھو ابو داؤد کتاب البیوع باب اجتناب الشبہات، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے والے صحابی کی بیوی نے کھانے پر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ کسی اور عورت نے دعوت دی تھی۔ چنانچہ بیہقی میں ہے، صنعت امرأۃ من قریش لرسول اللہ طعامہ فدعتہ واصحابہ الخ جلد ۲ صفہ ۹۷ معلوم ہوا کہ دعوت دینے والی عورت قریشیہ تھی اور جس کے جنازے میں آپ تشریف لے گئے تھے۔ وہ انصاری تھا۔ جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔ خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار الخ صفہ ۴۰۸ نیز اس کتاب میں ہے فلما رجعنا لقینا داعی امرأۃ من قریش الخ کہ دعوت دینے والی عورت قریش میں سے تھی ان

دونوں روایتوں کے ملانے سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ مرنے والے کی بی بی نے دعوت نہیں دی تھی۔ پس صاحب مشکوٰۃ نے لفظ امراتہٖ غلط نقل کیا ہے۔ جو انہیں کے بتلائے ہوئے حوالوں کے خلاف ہے۔ دارقطنی نے بھی روایت مذکورہ کئی سندوں سے نقل کی ہے۔ ان کو بھی دیکھئے اخرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما انصرف تلقاہ داعی امرأۃ من قریش الخ صنعت امرأۃ من المسلمین من قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ طعامًا فدعتہٗ واصحابہٗ الخ جلد ۲ ص ۵۲۵ حاصل یہ کہ ایک عورت نے جو مسلمان قریشیہ تھی آپ کے لیے کھانا پکایا جبکہ آپ ایک شخص کے جنازے سے واپس آرہے تھے۔ تو اس کا داعی ملا جو آپ مع صحابہ کے اس کے گھر گیا، مرنے والے کی بیوی کے یہاں دعوت نہیں تھی اور یہ عقل میں بھی نہیں آتا کہ جس کے گھر میت ہوئی وہ اتنے جلدی کہ دفن کرنے والے صرف واپس ہی ہوئے ہوں کسی دعوت کا انتظام کر سکے، جبکہ بحکم شرع ان کے گھر تو کسی دوسرے پڑوسی کے ہاں سے کھانا آیا ہوگا۔ (راز) سائل چونکہ حنفی ہے، اس لئے اس کے اطمینان خصوصًا کے لیے احناف کی کتب احادیث کے بھی چند حوالے لکھ دیتا ہوں۔ طحاوی حنفیؒ نے شرح معانی الآثار باب الکل الحمر میں روایت مذکورہ یوں نقل کی ہے۔ رجلا من الانصار کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلقیہٗ رسول امراۃ من قریش ید عوالی الطعام الخ ص ۲۲۰ ج ۲) ایک مرد انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازہ میں تھا۔ کہ ایک قریشیہ عورت کا قاصد ملا جو کھانے کے لیے دعوت دے رہا تھا۔ اس طرح طحاوی موصوف نے اپنی کتاب مشکل الآثار ص ۱۳۲ جلد ۲ میں بھی نقل کیا ہے۔ امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں ہے۔ صنع رجل من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم طعاما الحدیث ص ۱۲۵ طبع لاہور یہی عبارت جامع المسانید ص ۶۵ جلد ۲ میں بھی ہے۔ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ نیز مسند امام اعظم مع شرح علی القاری طبع مجتبائی دہلی ص ۲۴۳ میں ہے:

ان رجلا من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صنع طعامًا الخ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ کھانا تیار کرنے والا مرد تھا۔ بہر حال داعی مرد ہو یا عورت وہ مرنے والے شخص سے کوئی تعلق و نسب یا جوار نہ رکھتا تھا۔ پس صاحب مشکوٰۃ کا داعی امراتہ نقل کرنا صریح غلط (بنا بر سہو و نسیان) ہے۔ اور اس سے طعام میت پر دلیل پکڑنی بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اللہ اعلم کتبہٗ محمد ابوالقاسم البنارسی

(فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵ جلد ۱)

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید کی زوجہ جمیلہ نے بحکم خدا اس جہان فانی سے انتقال کیا۔ اور زید واسطے ثواب کے قرآن شریف پڑھوا کر دعاء مغفرت متوفیہ کی کرے یا پسر جمیلہ متوفیہ کا قرآن شریف پڑھ کر یا حافظ سے پڑھوا کر دعاء مغفرت متوفیہ کی کرے تو ثواب قرآن شریف کا مرحومہ کو اللہ تعالیٰ دے گا۔ یا نہیں، اور کسی قدر فائدہ قرآن شریف کا میت کو پہنچے گا، یا نہیں اور پڑھنا قرآن شریف کا واسطے ثواب میت کے جائز ہے۔ یا نہیں اس کا جواب قرآن شریف یا حدیث شریف سے ملنا چاہیے اس کا اجر اللہ تعالےٰ دیوے گا۔

جواب ۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں قرآن مجید پڑھ کر میت کو بخشنے کا دستور ورواج نہیں پایا گیا۔ حدیث صحیح سے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ دین کا اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثواب عبادات بدنیہ کا مثل قرأت قرآن شریف و نماز روزہ وغیرہ پہنچتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ اور اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوانا کسی کے نزدیک درست نہیں۔ جیسا کہ شافعی حاشیہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے ہاں اگر اولاد یا اور کوئی شخص بلا اجرت پڑھ کر ثواب بخشے تو نزدیک امام اعظم وغیرہ کے روا ہوگا۔ اور دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے۔ اور ثواب عبادات مالیہ کا بھی بالاتفاق پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۲۷)

سید محمد نذیر حسین

سوال ۔ قبر پر کسی کے قرآن شریف ختم کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب ۔ تلاوت قرآن مجید فی نفسہٖ عبادت ہے۔ اور قبور محل عبادت نہیں ہے۔ تو تلاوت و ختم قرآن قبر پر یعنی حول قبر بیٹھ کر مکروہ و بدعت ہوگا۔ بدلیل اس حدیث کے بنا بر اس کے ادائے نماز قبرستان میں مکروہ تحریمی یا حرام عن النبی صلے اللہ

علیہ وسلم قال اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا ان القبور لیست بمحل للعبادۃ فیکون الصلوۃ فیھا مکروھتا۔ اور زمانہ قرون ثلاثہ میں ختم قرآن شریف کا مقابر میں منقول و ماثور نہیں ہوا لہذا صاحب قاموس سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔ عادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن این مجموع بدعت است انتھی کلامہ و شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں۔ وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن ایں مجموع بدعت است و شیخ علی متقی استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ رغ بدعات میں لکھا ہے۔ الاول الاجتماع للقراۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ انتھی کما فی نصاب الاحتساب فی الجملۃ قرآن شریف قبر پہ بیٹھ کر ختم کرنا اور پڑھنا قرون ثلاثہ میں نہیں پایا گیا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم انتھی ما فی الصحاح مختصرا وما علینا الا البلاغ۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

ز شرف سید کونین شد شریف حسین	طالب حسنین سید محمد نذیر حسین
محمد عبدالحلیم / محمد حفیظ اللہ	

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

محمد یوسف جواب مجیب صحیح ہے جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے خدا نے مہر دل پر لگائی ہے۔

محمد غلام اکبر خان حسنی محمدی
بست منصور علی از احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسن قادری وغفوری

فتاوی نذیریہ جلد اول — محمد صدیق

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ میت کے واسطے بطریق

صدقہ بلا تعیین ایام جو کھانا کھلایا جاوے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے کیوں کہ اس کا حکم حدیث میں نہیں ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں صاف آچکا ہے۔ کہ صدقہ سے البتہ میت کو ثواب ہے۔ افلہا اجران تصدقت عنہا قال نعم[1]۔ اور کھانے کا صدقہ کی قسم سے ہونا احادیث سے ظاہر ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقۃ ان تشبع کبدا جائعا[2] رواہ البیہقی (مشکوٰۃ شریف) اور جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں بروایت طبرانی اس طرح ذکر کیا ہے افلہا اجران تصدقت عنہا قال نعم ولو بکراع شاۃ محرق[3] پس سوال یہ ہے کہ عمرو کا یہ قول کہ جو کھانا کہ بلا تعیین ایام بطریق صدقہ کھلایا جاتا ہے۔ اس میں میت کو ثواب ہے حق ہے یا زید کا یہ قول کہ اس میں ثواب نہیں ہے حق ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ عمرو کا قول حق ہے۔ بے شک میت کے واسطے جو کھانا بلا تعیین ایام و بلا آمیزش کسی بدعت کے بطور صدقہ کے فقراء و مساکین کو کھلایا جائے۔ تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو بلاشبہ پہنچتا ہے۔ اور میت کے واسطے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنا ہے۔ لہذا اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب حررہ العبد العاجز عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

۱؎ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو کوئی ثواب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

۲؎ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے آدمی کو کھانا کھلا دے۔

۳؎ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ بکری کی جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس غرض سے قرآن پڑھنا کہ وہاں پر ان کی دعا کی برکت سے یاد ہو جاوے گا۔ جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب۔ قراءت قرآن عند القبر مکروہ ہے ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔ ثم القراءة[1] مکروهة عند ابی حنیفة ومالك واحمد وفی رواية انه محدث لم یرد به السنة واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ عبدالرحیم اعظم گڑھی کوپوی ۴ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ ہجری۔

سید محمد نذیر حسین

حالات مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری رح

ملا حسام الدین مئوی سے جملہ علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی سند حدیث قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے حاصل کی۔ عمر بھر صرف نحو اور تجوید قرأت پڑھاتے رہے، حفظ وتجوید میں قاضی امام الدین جونپوری کے شاگرد تھے، اور اس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ حتیٰ کہ مبارک پورا در اس کے مضافات کا کوئی حافظ جب تک آپ کو ایک مرتبہ قرآن پاک سنا نہ لیتا تھا، اس وقت تک حافظ نہیں سمجھا جاتا تھا آپ ہی وہ قابل قدر شخصیت ہیں، جن کی صلب سے اللہ کریم نے محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری جیسا مایۂ ناز فرزند پیدا فرمایا (کفی بہ فخراً) جن کی زندہ وجاوید خدمت حدیث یعنی (تحفۃ الاحوذی) سے کوئی صاحب علم واقف نہیں ہے۔

رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء وفات پائی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

[1] قبر پر قرآن پڑھنا امام ابوحنیفہ۔ مالک اور امام احمد کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور ایک روایت میں اس کو بدعت کہا ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طعام بے وقت ہو جانے موت کسی آدمی کے بنام نہاد حاضری سوم و چہلم وغیرہ حسب رواج ہر قوم پکوا کر خواہ بطریق دعوت خواہ بطریق بھاجی گھر بگھر تقسیم ہوتا ہے اور قدرے غربا باقی تمام اہل برادری کو کھلایا جاتا ہے۔ اور اس میں اکثر مالدار ہوتے ہیں۔ اور یہ کھانا وارثان میت حسب رواج اپنی قوم کے اکراہاً و بلا اکراہ کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات بخوف طعنہ زنی قرض دام کر کے خواہ مال فروخت کر کے پکواتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات یتیم کے مال کا بھی خیال نہیں کرتے ایسا کرنا جائز ہے۔ یا ناجائز اور اس کا کھانا کیسا ہے۔ اور از روئے شریعت اسلامی اور زمانہ سلف سے ثواب رسانی موتے کو کس طریق سے ثابت ہے۔ اور کیوں کر کرنا چاہیے اور ایسا کرنے والا جو اوپر طریق مروج ہے مسرف کہلائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب۔ جو طعام حاضری کا یا سوم یا چہلم میت کا ہے۔ اس میں رواج کسی قوم کا معتبر نہیں کیونکہ کوئی حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم یا روایت فقہی اس باب میں نہیں پائی جاتی۔ بس یہ بالکل بے اصل ہے۔ اور اس کا ضروری اور لازم جاننا بدعت ہے۔ اور دعوت بھی نادرست ہے کیونکہ دعوت شادی اور خوشی میں مشروع ہے نہ غمی میں اور رسم بھاجی کی غمی اور شادی دونوں میں بدعت ہے کیونکہ اس میں تیاری ہے۔ یعنی آپس میں فخر اور ریا و نمود کرنا ہے ایسے طعام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۷۰ میں ہے۔ عن عکرمۃ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن طعام المتباریین ان یوکل رواہ ابوداؤد وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافۃ فخرا ورياء۔ خلاصہ ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ جو لوگ فخر و مباہاۃ اور نام و نمود کے واسطے کھانا کھلاویں اور دعوت کریں تو ایسے لوگوں کا کھانا نہیں چاہیے۔ اور قرض کرنا ایسے کام کے لئے کہ جو نہ سنت ہے۔ نہ مستحب ہے نہ مباح ہے ہرگز درست نہیں قرض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ کام مباح بھی نہیں اور مرتکب ایسے افعال کا بلاشبہ مسرف ہے بلکہ مبتدع ہے۔ اور مال یتیم کا ظلم سے کھانا حرام ہے قال اللہ تعالیٰ

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۔ یعنی بے شک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے شکموں میں آگ کو اور عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں اور ثواب رسانی میں موتے کے طریق سلف کا اور آج تک متبعین سنت کا یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب مثلاً کنواں بنا کر یا نقد یا لباس وغیرہ مساکین کو دے کر یا طعام فقرار کو دے کرے مقرر کرنے کسی دن سوم چہلم کے یا عبادت بدنی کا مثل نفل نماز روزہ تلاوت قرآن مجید و ذکر اللہ و درود و سلام کے ایصال کر کے میت کو پہنچائے۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

فقیر محمد حسین

یقال لہ ابراہیم

جس طور پر امور مروجہ درج سوال ہیں بے شک ناجائز ہیں۔ مال یتیم کا کھانا حرام ہے رسومات کی پابندی بدعت ہے ہاں ایصال ثواب میت کو مال حلال سے یا کلمہ کلام سے جائز اور مستحسن ہے خواہ بطور تعیین یا لاعلی التعیین مگر وہ تعیین داخل دین قرار دینا اور امر مستحب پر اصرار بطور لزوم کرنا بے شک بدعت و گمراہی ہے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کرنا شرک فی النبوت ہے۔

کرامت اللہ

ہو الموفق۔ بوقت ہو جانے موت کے طعام پکوا کر کھلانا یا گھر گھر تقسیم کرنا جس طور پر کہ سوال میں مذکور ہے بلا شبہ حرام و ناجائز ہے۔ اور ایسے طعام کا کھانا ممنوع ہے۔ اور ایسا کرنیوالا بلا شک مسرف ہے منتقی الاخبار میں ہے۔ عن جرير بن عبد الله البجلي قال كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة رواه احمد نیل الاوطار صفحہ ۲۴۰ جلد ۲ میں ہے حديث جرير اخرجه ايضا ابن ماجة واسناده صحيح ونیز اس میں ہے یعنی انهم كانوا يعدون الاجتماع عند اهل الميت بعد دفنه واكل الطعام عندهم نوعا من النياحة لما فى ذلك من التثقيل عليهم وشغلهم مع ما هو فيه من شغلة الخاطر بموت الميت وما فيه من مخالفة السنة لانهم مامورون بان يصنعوا لاهل الميت طعاما فخالفوا ذلك وكلفوهم صنعة

الطعام لغیرھم انتہی۔ ایسے طعام کے کھانے کھلانے کی حرمت وممانعت کتب فقہ حنفی میں بھی مصرح ہے فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ اتخاذ الطعام من اھل المیت بدعة مستقبحة لانه شرع فی السرور لافی الشرور انتہی۔
اور دعا کا نفع موتے کو باتفاق علمائے سلف وخلف پہنچتا ہے اور عبادات مالیہ کا بھی ثواب موتی کو بالاتفاق پہنچتا ہے۔ اور عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک پہنچتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ضمیمہ ص ۲)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بہ نیت ایصال ثواب موتے کے پچاس مساکین کے لئے کھانا تیار کیا اور اس کے ساتھ پچاس اغنیاء کو بھی کھانا کھلوانے کے لئے ایک ہی دیگ میں ملا کر کھانا پکایا پس اس طعام مخلوط میں سے اغنیاء کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کھا سکتے ہیں تو اس پر کون سی دلیل شرعی مانع ہے۔ اور اگر جواز ہے تو اس کی رخصت پر کیا دلیل ہے۔ بینوا توجروا۔
جواب۔ صدقہ باخلط غیر صدقہ کے ساتھ جائز تو ہے ولیکن یہ غور کرنا چاہئے کہ وہ اغنیاء کو کس نیت سے شامل کرتا ہے۔ اگر ریا ونا موری کی نیت سے ہے تو حرام ہے۔ لقوله علیه السلام المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامهما[1] وان یسیر الریا لشرك وغیر ذلك من الآیات والاحادیث الدالة علی ذم الریاء والخیلاء اور اگر دعوت دوستانہ کی نیت سے ہے وبطور ہدیہ اغنیا کو کھلاتا ہے تو محل اس کا نہیں ہے شریعت میں تعزیت موت پر دعوت کرنا نہیں آیا۔ اس کا محل نکاح ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ یہ دعوت جائز نہیں ہے۔

---

[1] فخر سے دعوت کرنیوالوں کی دعوت قبول نہ کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے۔ کیونکہ یہ شرک اصغر ہے۔

لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور اور جب کہ دعوت میں ان نیتوں فاسدہ سے غیر خدا کے تقرب کی بھی نیت ہے تو وہ ساری دعوت نامقبول ہے اور خدا کی طرف سے مردود قال اللہ تعالیٰ فی الحدیث القدسی انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ ترکتہ وشرکہ وانا منہ بریٔ ہاں سوائے تقرب ایصال ثواب موتے کے اگر کوئی ایسا کھانا پکاوے جس میں کسی قدر صدقہ کی نیت سے ہے اور کسی قدر ہدیہ شرعیہ کی نیت سے بدون فساد نیت وبلا دخل بدعت تو اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں لیکن اس میں تحری بکار ہے کہ جس قدر صدقتہ اللہ کی نیت سے ہے اس قدر صدقہ اپنے ذمہ پر رہ نہ جاوے اللہ تعالیٰ اخلاط مال یتیم کے باب میں جس کا کھانا بلاوجہ حرام ہے فرماتا ہے قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مال کا کھانا اپنے لئے درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ حق غیر کا ہے اللہ تعالیٰ کا یا بندہ کا تو اس کا خلط اپنے مال سے درست ہے بشرطیکہ اس میں اصلاح بکار لائی جاوے اللہ کے حق کو اپنے حق میں نہ لیا جاوے فقط حررہ ابو سعید محمد حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین	محمد عبد الحکیم	بہ طفیل نبی الٰہی
زشرف سید کونین شد شریف حسین	خادم شرع عزیز محمد عبد العزیز	
خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین	شہود الحق توفیق خدا یاد	
ابو الطیب محمد شمس الحق	نعم المولے ونعم النصیر	محمد یعقوب بابا خیلی

فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۸۰

۱؎ کیونکہ دعوت خوشی میں ہوتی ہے غمی میں نہیں ہوتی۔

۲؎ حدیث قدسی میں ہے کہ میں شرکاء میں سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ اگر کوئی ایسا عمل کرے۔ جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس سے دست بردار ہو جاتا ہوں!

۳؎ کہہ ان کے لئے درستی بہتر ہے اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملالو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فسادی اور مصلح میں خوب امتیاز کر سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈال دیتے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہیں۔

باب سماع موتیٰ

حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۴ھ

سوال ۔ قبروں میں مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

جواب ۔ ہم یہاں علمائے حنفیہ وغیرہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ جن کے ضمن میں اس سوال کا جواب آجائے گا۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ لا یجوز ما یفعل الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ البروج والمساجد علیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونہ عرسا۔ یعنی جو کچھ جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں سے کرتے ہیں۔ جائز نہیں۔ جیسے ان کی قبروں کو سجدہ کرنا اور گرد طواف کرنا۔ اس پر گنبد یا مسجد بنانا اور سال بسال عید کی طرح جمع ہونا۔ اور اس کا نام عرس رکھنا۔ شیخ عبدالحق دہلوی رح مدارج النبوت میں لکھتے ہیں۔ عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور ونہ غیر آں واں مجموعہ بدعت است۔ یعنی میت کے لئے جمع ہونا۔ اور قرآن خوانی اور ختم خواہ قبر ہو یا اور جگہ یہ سب بدعت ہے۔

شیخ علی تقی استاد الاستاد شیخ عبدالحق صاحب رسالہ رد بدعات میں لکھتے ہیں۔ الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ یعنی میت کی قرآن خوانی کے لئے خاص کر جمع ہونا قبر پر یا مسجد یا گھر میں بدعت مذمومہ ہے۔ آفندی رسالہ رد البدعات میں کہتے ہیں ومن المنکرات فی المعروفات فی زماننا ۔ احضار الحلاوی فی المساجد ای فی لیلۃ من شہر رمضان واکل الحبوب المسبعۃ لیوم عاشورا والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم

الثالث وتقسیم الورد الطیب والثمار وغیرھا ثمہ اوالاطعام فی الایام المخصوصات کا الثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشھر بالسادس وانتہا ملخصا ترجمہ۔ یعنی بری باتوں سے جو ہمارے زمانہ میں مشہور ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں مسجدوں میں حلوہ لانا۔ یعنی رمضان کی رات میں خصوصیت کے ساتھ اور عاشورہ کے دن کھانا پکانا (جسے حلیم و کھچڑا کوٹا وغیرہ کہتے ہیں) اور قبر پر تیسرے روز جمع ہونا۔ اور اس جگہ خوشبو وغیرہ تقسیم کرنا اور خاص خاص دنوں میں کھانا کھلانا جیسے۔ تیجہ، پانچواں نواں۔ دسواں۔ بیسواں۔ چالیسواں ششماہی برسی۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ اور جامع الروایات اور مصفّٰی میں ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب وصیت نامہ میں لکھتے ہیں۔ از بدعات شنیعہ مامردم اسراف است در ماتم۔ سوئم وچہلم وششماہی وفاتحہ وسالینہ وان ہمہ را در عرب اول وجود بنود مصلحت آن ست کہ غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز وطعام ایشاں یک شبان روز رسمے نباشد۔ یعنی ہمارے لوگوں کی سخت بدعات میں سے تھے۔ ماتم میں فضول خرچی اور تیجہ اور چالیسواں اور ششماہی اور فاتحہ اور برسی (اور ان تمام کا عرب اول (خیر القرون) میں وجود نہ تھا۔ مصلحت یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی تسلی تین روز تک اور ایک دن رات میت کے وارثوں کو کھانا کھلانا ان دونوں کاموں کے سوا کوئی رسم نہ ہونی چاہیئے۔ فتح القدیر کتاب الجنائز میں حنفیہ کے سرتاج ابن ہمام لکھتے ہیں ھذا عند اکثر مشائخنا وھو ان المیت لا یسمع عندھم یعنی ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ میت نہیں سنتی۔ اور کافی شرح وافی باب بیان احکام الیمین میں ہے۔ والمقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت۔ یعنی مقصود کلام سے اپنا ما فی الضمیر بتلانا ہے۔ اور یہ سنانے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور سنانا میت میں پایا نہیں جاتا۔ اسی طرح عینی شرح کنز اور مستخلص شرح کنز وغیرہ میں ہے۔ اس قسم کی روایتیں بہت ہیں ہم نے بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے ماقل وکفی خیر مما کثر و لیکن ایک روایت اور ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں خاص امام ابو حنیفہ صاحب کا واقعہ مذکور ہے۔ غالباً وہ نہایت ہی مفید ہوگی۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے۔

رأی الامام ابوحنیفۃ من یاتی القبور لاھل الصلاح فیسلم ویخاطب و یتکلم ویقول
یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم من شھور
ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃ یقول
خاطبہ بھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال لہ سحقاً لک وتربت یداک
کیف تکلم اجساداً لا یستطیعو اجواباً ولا یملکون شیئا ولا یسمعون
صوتا وقرأ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو صالحین کی قبروں پر آتا۔ پس سلام ڈالتا۔ اور ان سے خطاب کرتا اور کلام کرتا اور کہتا کہ اے اہل قبور کیا تمہارے لئے بھلائی ہے کیا تمہارے پاس کوئی نشان ہے میں تمہارے پاس کئی ماہ سے آتا ہوں۔ اور پکارتا ہوں۔ اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے کیا تم نے جانا یا غافل ہی رہے۔ پس امام ابوحنیفہ رح نے جب یہ سنا تو اس شخص کو ان بزرگوں کے حق میں مخاطب کرتے ہوئے۔ فرمایا انہوں نے تیری بات کو قبول کیا۔ کہا نہیں فرمایا۔ تجھ پر پھٹکار ہو۔ اور تو ذلیل ہو جائے تو ایسے جثوں سے کیوں کلام کرتا ہے جو جواب کی طاقت رکھتے ہیں۔ نہ کسی شئی کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ آواز سنتے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔ اب ان لوگوں پر کتنا افسوس ہے کہ باوجود حنفی کہلانے کے اپنے امام کی تعلیم کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور صاف کہتے ہیں کہ بزرگ سنتے ہیں۔ بلکہ ان کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ جو قرآن وحدیث اور بزرگان دین کے بالکل خلاف عقیدہ ہے۔ حضرت عائشہ رض فرمایا کرتی تھیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کی بات کو جانتے ہیں۔ اس نے بڑا بہتان باندھا اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص نکاح کے وقت خدا اور رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس نے رسول کو حاظر ناظر جانا خدا ان لوگوں کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق بخشے۔ آمین

واآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(رسالہ بدعات کی تمہید صد ۱۲۔)

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ

سوال۔ کیا مردے سنتے ہیں۔

جواب۔ مردہ بے جان کو کہتے ہیں۔ اور بے جان میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ حدیث میں جہاں سننے کا ثبوت ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب اللہ تعالےٰ جب چاہتا ہے۔ ان کی روح کو سنا دیتا ہے۔

(اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۳)

سوال۔ کیا مردوں کو سماع اور علم کا ثبوت ہے۔ نیز ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب۔ جائز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان مردے کفار سے جو قلیب بدر میں پھینکے ہوئے تھے کہہ رہے۔ یا فلان ابن فلان ویا فلان بن فلان الیسر کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم وفی روایۃ ما انتم باسمع منھم ولکن لایجیبون متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح (ص ۳۴۳ مطبوعہ مطبع احمدی دھلی) مترجم۔

تعاقب بر جواب۔ اعوذ باللہ من الکفر والشرک والارتداد والخذلان ومن یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ومن یھدی اللہ فھو المھتدی ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا

مفتی صاحب اصول مناظرہ سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ دعویٰ عام ہے یعنی سماع و علم اور استمداد بالموتیٰ اور دلیل خاص ہے جس سے صرف کفار کا سماع ثابت ہے۔ اور وہ بھی صرف ان کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزہ مبارکہ سے یا پھر یہ راوی کی غلطی ہے۔ جیسا کہ اس پر مائی عائشہ صدیقہ کا قول دلالت کرتا ہے۔ جو عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ اس حدیث سے ایسے شخص کے علاوہ کوئی بھی سمع و علم اور استمداد بالموتیٰ کا استدلال نہیں کرتا۔ جو قہر و غضب خداوندی

کے شراب سے مست ہو اور اس کے دل پر مہر ہو اور کان میں پردہ ہو کَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ان مشرکین کا اس حدیث سے استدلال تحریف کلمات اور کتمان حق کی تبیل سے ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اور اللہ تعالےٰ نے ان سے وعدہ لے رکھا ہے کہ میری آیات لوگوں پر بیان کرکے واضح کرو۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ پس ان لوگوں نے حق چھپالیا ہے۔ اور توحید کو پس پشت پھینک دیا ہے۔ اور روافض و مشرکین کی طرح شرک کو رواج دے رہے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ الخ یہ لوگ اللہ سے بھی حیاء نہیں کرتے۔ اور صراحتہً انبیاء ورسل سے مقابلہ کرتے ہیں۔

صدق رسول اللہ ان مما ادرك الناس من کلام النبوة الاولی اذا لم تستحیی فاصنع ما شئت (رواہ البخاری)

پس اگر اس حدیث سے علم و استمداد موتی پر استدلال صحیح ہے تو اس قسم کے لوگوں کو چاہیئے کہ ابوجہل اور اس جیسوں کی طرح کفار اور مشرکین کی قبروں پر جائیں اور اپنے امور میں مدد طلب کریں۔ اور اسے سُنت قرار دیں۔ چونکہ جو کچھ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ سُنت ہوتا ہے۔ اور اس کا منکر کافر۔ اور اس کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے ملحدین کے لئے یہی کافی ہے کہ جمیع مسلمانوں بلکہ صحابہ کرام تابعین اور ائمہ دین کی نسبت ضلالت کی طرف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من اتباع الهوی والقول فی دین اللہ بالرای۔ اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے اس دعویٰ پر استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ اسے قرن بعد قرن روایت کرتے رہے ہیں۔

بعدہٗ جاننا چاہیئے کہ اس مسئلہ کا جواب تین ابواب میں بیان ہوگا۔ اور ہم اختصار کو ملحوظ رکھیں گے۔ اگر کتاب وسنت کی تمام دلیلیں بالاستیعاب ذکر کی جائیں۔ تو کئی جلدوں میں

بھی نہ سما سکیں گی۔ کیسے سما سکتی ہیں۔ جبکہ تمام انبیاء رسل اسی مسئلہ کی تردید کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور تمام کتابیں اسی مسلک کے اثر کو محو کرنے کے لئے نازل کی گئی۔ اور تمام امت بلکہ جمیع امتیں گذشتہ انبیاء کے پیروکاروں میں سے اس مسئلہ کے بطلان پر متفق ہیں۔ لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

پہلا باب سماع موتیٰ کے بارے میں

ائمہ احناف سماع موتیٰ کی نفی پر متفق ہیں۔ جیساکہ "کتاب الایمان" میں انہوں نے تصریح کر دی کہ میت کو سماع نہیں۔ یہ تو بالتحقیق معلوم ہو چکا کہ سماع موتیٰ میں اختلاف ہی نہیں ہے۔ البتہ "قلیب بدر" کے کفار کے سماع میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ اور اس کے متبعین اس کے منکر ہیں۔ اور حضرت عمر کی روایت مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ کو سہو ونسیان پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض اسے قبول کر کے۔ اعجاز اور خرق عادت پر محمول کرتے ہیں۔ جیساکہ "مواہب لدنیہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ مطلق سماع موتیٰ کی نفی میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ ہم اب فقہ کی متداول کتابوں سے علام سماع موتیٰ کی فقہی روایات نقل کرتے ہیں۔ "در مختار" میں ہے۔

فلو قال ان ضربتكِ اوكسوتكِ اوكلمتكِ او دخلت عليكِ اوقبلتك تقيد كل منها بالحيات لوعلق بها طلاقاً او عتقا لم يحنث بفعلها بميت۔ یعنی اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ میں تیرے ساتھ کلام کروں، یا تجھے ماروں وغیرہ وغیرہ تو تجھے طلاق اور اس نے اسے موت کے بعد مارا یا کلام کی وغیرہ وغیرہ تو وہ طلاق واقع نہ ہو گی۔

علامہ سید محمد امین المعروف بابن عابدین رد المحتار حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں۔ قوله تقيد كل منها بالحيات اه اما الضرب فلانه اسم لفعل لولم يتصل بالبدن او استعمال آلة التاديب فى محل يقبله۔ والايلام والتاديب لا يتحقق فى الميت ولايرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحيات عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل يجعل الحيات فى تلك الاجزاء المتفرقة التى لايدركها البصر الى ان قال واما الكلام فلان المقصود منه

الافہام والموت ینافیہ ولا یرد ما فی الصحیح من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقال عمر رض أتکلم المیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ھٰؤلاء او منھم فاجاب عنہ المشائخ بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی وذالک لان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیہم وبانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکن یشکل علیہم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذالک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیہما الکفار بالموتی لافادۃ عدم سماعہم وھو فرع عدم سماع الموتی ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح ھہنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جہۃ المعنی بعلۃ یقتضی عدم ثبوتہ عندہ علیہ السلام وھی مخالفۃ للقرآن فافہم اھ۔

"جامع صغیر" (للامام محمد رح) میں ہے وکذلک الکلام لان معناہ الافہام والموت ینافیہ الاتری الی قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اھ "ہدایہ" میں ہے من قال ان ضربتک فعبدی حر فمات فضربہ فھو علی الحیات لان الضرب اسم لفعل مؤلم یتصل بالبدن والایلام لا یتحقق فی المیت ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیات فی القول العامۃ وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا (الاسماع) لا یتحقق بعد الموت اھ

اور "شرح المواقف" میں علم وقدرت اور سماع موتٰی وغیرہ کا جواز معتزلہ کا مذہب قرار دیا گیا ہے الفاظ یہ ہیں ۔ الصالحیۃ اصحاب الصالحی وھذا من ھیہم انہم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت ویلزمہم جواز ان یکون الناس مع اتصافہم بھذہ الصفات امواتا وان لا یکون تعالیٰ حیا اھ۔

علامہ تفتازانی کی "شرح المقاصد" میں مرقوم ہے اما قولہ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ فتمثیل لحال الکفرة بحال الموتی ولا نزاع بان الموتی لا تسمع اھ

اور "الغرائب فی تحقیق المذاہب" میں ہے رأی الامام الاعظم ابوحنیفة من یأتی قبور اھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم وناديتكم من شهور وليس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفة یقول یخاطب لھم فقال ھل اجابوا لك قال لا فقال سحقالك وتربت یداك کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ اھ۔

اور "شرح الفصول من علم الاصول" میں ہے۔ لو حلف لا یکلم فلانا وکلم بعد الموت اوضربه بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافهام والایلام اھ۔ اور "نظم الدلائل" میں لکھتے ہیں ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکونون موتی اھ اور "اصول الشاشی" میں ہے من حلف لا یکلم فلانا فکلم بعد الموت لا یحنث لعدم الاسماع اھ

اور "تفسیر درمنثور" میں ہے اخرج ابوسہل السری بن سہل الجنید النیشاپوری فی الخامس من حدیثه من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباس رض فی قوله إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یقف علی القتلی یوم بدر ویقول ھل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا یا فلان یا فلان الم بربك الم تكذب بنبيك الم تقطع برحمك فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما تقول فقال ما انتم باسمع منھم لما اقول فانزل اللہ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ اھ۔

علامہ بیضاوی اپنی تفسیر "انوار التنزیل واسرار التاویل" میں رقمطراز ہیں انما یستجیب الذین ای یستجیب الذین یسمعون بفھم وتامل کقوله تعالی أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ

وَهُوَ شَهِيْدٌ وَّهٰؤُلَآءِ كَالْمَوْتَى الَّذِيْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ اھ

اور "جامع البیان" میں آیت کریمہ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ کے تحت لکھتے ہیں ای الکفار کالموتی لایسمعون اھ اور اسی آیت کے تحت تفسیر "جلالین" میں ہے ای الکفار شبههم بهم فی عدم السماع اھ اور تفسیر نیشاپوری اور "کشاف" میں آیت کریمہ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ کے تحت لکھا ہے اِنَّهُمْ لفرط اعراضهم عما یدعون الی اللّٰه کالمیت الذی لاسبیل الی سماعه والصم الذی لایسمع اھ اور "کافی شرح وافی" میں "باب احکام الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذالک" میں ہے رجل قال ان ضربتك او کسوتك او کلمتك او دخلت علیك او قال لامرته او وطیتك او قبلتك فعبده حر یتقید بالحیات حتی لو فعل هذه الاشیاء بعد الموت لایحنث لان الضرب اسم لفعل مؤلم والمیت لایتألم بضرب بنی آدم وانما ذالك مما یتفرد به اللّٰه تعالی کما فی عذاب القبر فانه ثابت عند اهل السنة وان اختلفوا فیما بینهم فقال بعضهم نؤمن باصل الکتاب ونسکت عن الکیفیة ان الواجب علینا تصدیق ما ورد به السنة المستفیدة وهو لا تعذیب بعد الموت فنؤمن به ولا نشتغل بکیفیته وعند العامة یوضع فیه الحیات بقدر ما یتألم لا الحیاة المطلقة وقیل یوضع فیه الحیات من کل وجه ومعنی کسوتك ملکتك عند الاطلاق یقال کسا الامیر فلانا ای ملکه وهو المراد بقوله تعالی اَوْ كِسْوَتُهُنَّ والتملیك من المیت لا یتحقق لان الموت ینافی بملك فلان ینافی ابتداء ان ینوی الستر فحینئذ یصدق لان فیه تشدیدا وقیل ان کانت یمینه بالفارسیة یحنث لانه یعلم یراد به الالباس والمقصود من الکلام الافهام وذا لا یتحقق بعد الموت قال اللّٰه اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی رأس القلیب وقال هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر رض تکلم الجثة فقال ما انتم باسمع من هؤلاء

قلنا غیر ثابت فانہ لما بلغ عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کذبتم علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وقال اللہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ علی انہ کان علیہ السلام مخصوصًا بہ والغرض من الدخول علیہ اکرامہ لتعظیمہ او اھانتہ بتحقیرہ او زیارتہ ولا یتحقق الکل بعد الموت لانہ لا یزار المیت وانما یزار قبرہ قال علیہ السلام کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فتزوروھا لان المیت کالغائب من نحاف بباب رجل لم یعد زائرا لہ فھھنا اولی والغرض من الوطی والتقبیل قضاء الشھوۃ وذا لا یتحقق بعد الموت اھ۔

اور "فتح القدیر" (ہدایہ کی شرح) کے باب الیمین فی القتل والضرب وغیر ذالک میں ہے۔ قولہ وکذالک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلم اقتصر علی الحیات فلو کلمہ بعد موتہ لا یحنث لان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ لانہ لا یسمع فلا یفھم وا وردا نہ علیہ السلام قال لاھل القلیب قلیب بدر ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر رض اتکلم المیت یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انتم با سمع من ھٰؤلاء لما اقول منھم واجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی والا فھو فی الصحیح وذالک بسبب ان عائشۃ رض ردتہ بقولہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ وَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وبانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء لا لافہام الموتی کما روی عن علی رض قال السّلام علیکم دار قوم مؤمنین اما نسائکم فنکحت واما اموالکم فقسمت واما دورکم فسکنت فھذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیھم لکن بقی انہ روی انہ علیہ السلام قال ان المیت لیسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا ولینظر فی کتاب الجنائز من ھذا الشرح وایضًا فی فتح القدیر فی کتاب الجنائز ھذا عند اکثر مشائخنا وھو ان المیت لا یسمع عندھم علی ما صرحوا فی کتاب الایمان فی باب الیمن بالضرب لو حلف لا یکلم فکلم میتًا لا یحنث لانھا یتقید

علی ما حیث یفھم والمیت لیس کذالک لعدم السماع وورد قولہ علیہ السلام فی اھل القلیب ما انتم باسمع لما اقول منھم وا جابوا تارۃ بانہ مردود من عائشۃ رضی قالت یقول علیہ السلام ذالک واللہ تعالیٰ یقول وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وتارۃً بان تلک خصوصیۃ علیہ السلام معجزۃ وزیادۃ حسرۃ وتارۃ بانہ من ضرب المثل کما قال علی رض ویشکل علیھم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذالک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانھما تفیدان تحقیق عدم سماعھم فانہ تعالیٰ شبہ الکفار بالموتی لعدم الافادۃ بعدم اسماعھم وھو عدم سماع الموتی اھ۔

اور کنز کی شرح عینی میں یہ عبارت مرقوم ہے ھکذا فی الیمن فی الضرب والقتل وغیر ذالک ولو قال رجل ان ضربتک فعبدی حروان کسوتک فعلی کذا وان کلمتک فامراتی طالق وان دخلت علیک فامتی حرۃ تقید بحنثہ بحیاۃ فالمخاطب لو فعل بہ ھذہ الاشیاء بعد موت المخاطب لم یحنث لان ھذہ الاشیاء لا یتحقق فی المیت لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لا یتصور ومن یعذب فی القبر توضع الحیاۃ علی الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتھا الی ان قال والکلام للافھام فلا یتحقق فی المیت فان قلت قال علیہ السلام لقتلی بدر من المشرکین ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قلت ردتہ عائشۃ رض وقالت قال اللہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ولئن ثبت فھو مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ویجوز ان یکون لوعظ الاحیاء علی سبیل الخطاب للموتی اھ۔

اور "کنز الدقائق" کی شرح "المستخلص" میں اس طرح مرقوم ہے۔ لو قال ان کلمتک فعبدی حرفکلمہ بعد موتہ لایحنث لان المقصود من الافھام وذا لا یتحقق فی المیت فان قیل قد روی انہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد حکم اصحاب القلیب من اھل البدر من الکفار حین القاھم فی القلیب قام علی رأس القلیب وقال علیہ السلام ھل وجدتم

ما وعدکم ربکم حقا فقال عمرؓ اتکلم بالمیت یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انتم باسمع من ھؤلاء ۔ قلنا ھذا غیر ثابت لقولہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وقولہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وان ثبت فھو معجزۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقیل بل المقصود من ذالک وعظ للاحیاء لا افہام الموتٰی اھ۔

اور ہدایہ کی شرح "کفایہ" میں ہے قولہ وکذالک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا ولا یدخل دار فلان یتقید بالحیاۃ لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی راس القلیب وقال ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا قال عمرؓ اتکلم المیت یا رسول اللہ فقال ما انتم باسمع من ھؤلاء ۔ قلنا غیر ثابت فانہ لما بلغ ھذا الحدیث عائشۃ قالت قال اللہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی تشبیہ بالکفار بالموتی ونحن لا منکران المیت لا یسمع اھ۔

اور عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم قتادہ سے آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ یہ ضرب المثل ہے جسے اللہ نے کفار کے لئے بیان کیا ہے یعنی جس طرح میت نہیں سنتی اسی طرح کفار بھی نہیں سنتے، اور نہ نفع حاصل کرتے۔ اور آیت لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ قتادہ نے کہا اگر بہرہ آدمی منہ پھیر کر چلا جائے تو پھر آپ اسے پکاریں جیسے وہ نہیں سن سکتا اسی طرح کفار بھی نہیں سن سکتے اگر سن لیں تو نفع نہیں حاصل کر سکتے اھ

اور امام رازی رحمہ اللہ نہایۃ العقول میں رقمطراز ہیں کہ قرآن کی آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کے ساتھ انہوں نے تمسک کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق کی غرض کفار کو مردوں سے تشبیہ دینا ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں۔ جو لوگ قبروں میں ہیں وہ نہیں سن سکتے جب تک مردے رہیں۔ پس آیت مذکورہ سے ان کا استدلال ساقط ہو گیا۔ اھ

اور علامہ عینی حنفی شرح بخاری میں ابن منین سے ناقل ہیں کہ حدیث ابن عمرؓ اور آیت کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے۔ چونکہ مردے بلا ریب نہیں سنتے ہاں اگر کسی ایسی چیز کو سنانے کا ارادہ جس کی شان سننا نہیں ہے۔ تو یہ ممتنع نہیں ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ الأية اھ

اور خفاجی حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الخ یہ سابقہ کلام سے مفہوم کی علت ہے گویا کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ تیری نصیحت سے یہ ابتداء فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اھ۔

ابن ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ مردے سنتے نہیں ہیں استدلال اس آیت سے ہے اسی لئے قبر کو تلقین کرنے کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کریگا۔ اور اس نے موت کے بعد اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ اور ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے قلیب بدر کے مُردوں کے بارے میں فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے رد کیا ہے دوسرا یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اھ۔

اور جملہ فقہائے احناف اس پر متفق ہیں کہ مردوں کو سماع نہیں ہے جزاهم الله خيرا وجعل سعيهم مشكورا جیساکہ ان کی عبارات اوپر ذکر ہو چکی ہیں[1]، بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ مردوں کو نہیں سنتا خصوصاً علماء حنفیہ پس ان معترضین مخذولین بڑا تعجب ہے کہ علماء احناف کے اجماع کو توڑتے اور جمیع علماء احناف کی صریح مخالفت کرتے ہیں اور باوجود اس کے خود کو امام ابوحنیفہ کے مسلک پر سمجھتے ہیں اور احناف کے مذہب کو تسلیم کرتے۔ اور جو عدم سماع موتی کا قائل ہو اسے وہابی اور کافر کہتے ہیں،

[1] ان سب عبارات کا خلاصہ ایک ہی ہے کہ مردوں کو سماع نہیں ہے تفصیل ابھی ابھی ابن ہمام کے الفاظ کے ترجمے میں گذری سب کی عبارتیں اس سے ملتی جلتی ہیں اس لئے الگ الگ ترجمے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی امید ہے قارئین سمجھ لیں گے چونکہ طوالت کا خوف تھا۔ (مترجم)

پس ان کو امام ابوحنیفہؒ اور اس کے متبعین کو وہابی اور کافر قرار دینا مبارک ہو۔
اور استدلال اسی حدیث عمرؓ سے کرتے ہیں جس کے آخر میں ہے فقال عمرؓ یارسول اللہ أتکلم من اجساد لاارواح لہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منہم کہ حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا کہ آپ بے روح مردوں سے کلام فرماتے ہیں تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں زندہ کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی اس ذلت، نقمت، حسرۃ اور توبیخ والی یہ بات سن لی۔ لیکن معترضین خیانت کرتے ہیں۔ چونکہ قتادہ کے یہ الفاظ ان کے مقصد کے خلاف ہیں نیز بخاری میں ہشام اپنے باپ سے مائی عائشہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ انہم لیسمعون ما اقول کا مطلب ہے کہ اب وہ جان رہے ہیں کہ میں نے ان سے جو کہا تھا۔ وہ حق ہے۔ پھر عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت کی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ یعنی جب انہوں نے آگ سے اپنے ٹھکانے پکڑ لیے تو آپ انہیں سنا نہیں سکتے۔ ایک دوسری حدیث بسند عثمان عن عبدۃ عن ہشام عن ابیہ عن ابن عمرؓ بھی ہے کہ آنحضرت نے قلیب بدر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا نیز فرمایا کہ اب میری بات کو سن رہے ہیں، جب عائشہؓ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو مائی صاحبہ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ وہ اب میری بات کے حق ہونے کو جان رہے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مائی صاحبہ کی آیت کریمہ اور حدیث کے درمیان توفیق و تطبیق ان کے کمال علم اور قوۃ فہم پر دلالت ہے (خیر الجاری) نیز اسی حاشیہ میں کرمانی سے نقل کرتے ہیں قول عائشہ کی توجیہ میں صاحب کشاف اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ نے کفار کو زندہ ہونے کے باوجود مردوں سے تشبیہ دی ہے چونکہ ان کا حال مُردوں کی طرح ہے اور آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ای الذین ھم المقبورین اھ۔
اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس کے متبعین اور جمیع احناف وہابی ہیں تو ہم بھی

وہابی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جب انہیں رافضی ہونے کا الزام دیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

ان کان الرفض حب صحب محمد   فلیشہد الثقلان انی رافض

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ (شیخ الاسلام) پر جب انہیں ناصبی ہونے کا الزام دیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ شعر۔

ان کان نصب حب صحب محمد   فلیشہد الثقلان انی ناصب

راضی ہو اللہ ابن القیم سے آپ فرماتے ع

ان کان تجسیما ثبوت صفاتہ   و تنزیہا عن عیب کل مفتری

فانی بحمد اللہ ربی مجسم   ہلموا شہودا واحضروا کل محضر

وصلے اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

فتاوی صاعقۃ الرحمان علی حزب الشیطان، ص ۲۵ تا ۱۲۱ (قلمی)

از مولانا محمد بن محمد حسن القاضی الخانفوری المولود ۱۲۷۰ھ ۱۴ شعبان والمتوفی ۶ جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ تلمیذ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز

تصدیقات

سید نذیر حسین محدث دہلوی ۱۰ رجب   م ۱۳۲۰ھ   مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء
ڈپٹی سید احمد حسن محدث دہلوی۔   م ۱۳۳۸ھ   ″ ۱۹۲۰ء
سید شریف حسین محدث دہلوی۔   م ۱۳۰۴ھ   ″ ۱۸۸۸ء
سید عبدالواحد الغزنوی۔   م ۱۲۹۲ھ
محمد بن عبداللہ الغزنوی

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ وغیرہم   (فارسی سے اردو ترجمہ)

جو شخص سماع موتیٰ کا قائل ہو۔ وہ حنفی کہلانے کا حقدار ہے یا نہیں۔

سوال:۔ جو شخص بہر حال سماع موتے کا قائل ہے، اور عالم غیب اور حاضر ناظر بزرگوں کو جانتا ہے، اور استعانت اور نذر غیر اللہ اور سجدہ کرنا قبر کو جائز جانتا ہے، جو حنفی مذہب کے رو سے جائز نہیں آیا، وہ حنفی ہے، اور امام صاحب کا مقلد ہے یا نہیں ؟۔

جواب:۔ حنفی نہیں، اور غیر مقلد ہے، بلکہ وہ اہل سنت والجماعت سے خارج غیر مقلد تو صرف امام صاحب سے چند مسائل فروع آمین و رفع یدین وغیرہ میں (جو حدیث میں ثابت ہیں، اور جن کو بعض حنفی علمائے بھی تسلیم کیا ہے، جیسا کہ ہم اس امر کو رسالہ دافع الفساد میں مفصل لکھ چکے ہیں) مخالف ہیں، اور یہ حنفی تو امام صاحب کے عقائد میں بھی مخالف ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

لوگوں کو چاہیئے ایسے علماء کے فتوے پر ہر گز عمل نہ کریں، بلکہ اس کو قرآن مجید و حدیث شریف و کتب معتبرہ کے موافق ہو تو قبول کریں، ورنہ یاد رکھیں کہ قیامت میں پچھتائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ۔ مولانا مولوی رحیم بخش مصنف کتب اسلام وغیرہ (لواء الہدیٰ صد ۲۳)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سماع موتے ثابت ہے۔ یا نہیں۔ جواب حنفی مذہب سے ہو۔ اور حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے سند ہو۔

جواب:۔ سماع موتے حنفی مذہب میں ثابت نہیں، بلکہ حنفی مذہب کی کتب معتبرہ میں اس کی صراحۃً نفی ثابت ہے، چنانچہ کتب معتبرہ کی عبارتیں نفی سماع موتے کے لئے اس پرچہ میں نقل کی جاتی ہیں:۔

واما الکلام فلان المقصود منه الافہام والموت ینافیه ولا یرد ما فی الصحیح من قوله صلی اللہ علیه وسلم لاہل قلیب بدر ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یا رسول اللہ فقال علیه السلام والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من ھٰؤلاء

اومنہم فقد اجاب عنہ المشائخ بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی وذلک لان
عائشۃ ردت بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور انک لا تسمع
الموتی وانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفاً
للحسرۃ علیہم وبانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکن یشکل علیہم مافی مسلم
ان المیت لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر
مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الاٰیتین فانہ شبہ فیہما الکفار بالموتی بعدم افادۃ سماعہم
وھو فرع عدم سماع الموتی ھذا حاصل ماذکرہ فی الفتح ھنا وفی الجنائز ومعنی الجواب
الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جہۃ المعنی بعلۃ تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام
وھی مخالفۃ للقران فافہم۔ عبارت رد المحتار المشتہر بالشامی ج ۳ صفحہ ۱۲ مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ یعنی اگر کوئی قسم کھا کر کسی زندہ کو کہے کہ میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا، پس اگر وہ اس سے اس کے مرنے کے بعد کلام کرے، تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ کلام سے مخاطب کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے، اور موتی سمجھ نہیں سکتے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موتی کفار بدر کو (جو گہرائی میں پھینکے گئے تھے) کہا کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو جو اس نے تمہاری ہلاکت کے بارہ میں کیا تھا، حق اور سچ پایا، اس پر حضرت عمر رض نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آیا آپ میت سے کلام کرتے ہیں فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے، اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یعنی خدائے عزوجل (تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے (یعنی وہ سنتے ہیں)) اس شبہ کا جواب ہمارے فقہاء مشائخ نے کئی وجہ سے دیا ہے، وہو ہذا۔

اول یہ کہ گو یہ حدیث الفاظ کی رو سے صحیح ہے، لیکن معنی کے رو سے ثابت نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رض نے اس حدیث کو آیات شریفہ (وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى) (ترجمہ اور نہیں سناتا تو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اہل قبور کو، اور نہیں سناتا تو مردوں کو) سے رد کر دیا ہے،

دوم وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں سے زندوں کی نصیحت اور عبرت کے لئے کی ہے۔

سوم وجہ یہ کہ اگر ان کو زندہ مان بھی لیں تو یہ انہی مردوں کے ساتھ خاص ہے، اس وقت اللہ نے ان کو اس لئے، زندہ کیا تھا کہ ان پر حسرت اور ندامت زیادہ ہو۔

چہارم وجہ یہ ہے کہ ان کا اس وقت زندہ ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے لیکن اس پر بموجب حدیث صحیح مسلم کے شبہ ہوتا ہے، کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں، تو میت ان کی جوتیوں کا کھٹکا سنتی ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زندگانی میت کو خاص اسی وقت حاصل ہوتی ہے، تاکہ وہ منکر اور نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے، اس حدیث کے یہ معنی اس لئے ہیں کہ درمیان حدیث مذکور اور دو آیتہ مذکورہ کے تعارض و تخالف واقع نہ ہو، کیونکہ ان دو آیتوں میں اللہ عزوجل شانہ نے کفار کو موتے کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دی ہے کہ کفار سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور یہ تشبیہ ان میں تب ہی ثابت ہوتی ہے، جب موتٰی کا نہ سننا ثابت ہو، یہ اس عبارت کا خلاصہ و ماحصل ہے جو فتح القدیر کے باب الیمین اور کتاب الجنائز میں واقع ہے، اور پہلے جواب کا حاصل یہ ہے، کہ اگرچہ حدیث قصہ بدر کی سند صحیح ہے، لیکن وہ معنی کی رو سے معلول ہے، اور اس میں علت یعنی خفی نقص یہ ہے، کہ اس حدیث کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ ثابت ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ قرآن شریف کے مخالف ہے،

وکذلک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلمہ اقتصر علی الحیوۃ فلو کلمہ بعد موتہ لا یحنث لان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ لانہ لا یسمع ولا یفہم واورد انہ قال لاھل القلیب قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم الموتی یا رسول اللہ فقال صلعم والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ھولاء او منھم و اجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی والا فھو فی الصحیح وذلک بسبب ان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور فانک لا تسمع الموتی وبانہ انما

قال له علی وجه الموعظة للاحیاء لا لافهام الموتی کما روی عن علیؓ انه قال السلام علیکم دار قوم مومنین اما نساءکم فنکحت واما اموالکم فقسمت واما دورکم فقد سکنت فهذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم وبانه مخصوص باولئك تضعیفا للحسرة علیهم لکن یبقی انه روی عنه عم ان المیت یسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا وفی کتاب الجنائز وتارة بان تلك الخصوصیة له علیه الصلوٰة والسلام معجزة و زیادة حسرة علی الکافرین وتارة بانه من ضرب المثل کما قال علیؓ ویشکل علیهم مافی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا اللهم الا ان یخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه وبین الاٰیتین فانهما یفیدان تحقیق عدم سماعهم فانه تعالی شبه الکفار بالموتی لافادة تعذر سماعهم وهو فرع عدم سماع الموتی ۔ (یہ عبارت فتح القدیر کی جلد ا ص۳۸۲ و ج ۲ ص۵۲ کتاب الجنائز میں مذکور ہے۔

ترجمہ: یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کرونگا، تو یہ قسم صرف زندگی تک رہ سکتی ہے، اگر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے، اور موت اس کی منافی ہے، کیونکہ میت نہ سنتی ہے اور نہ سمجھتی ہے، اور اس پر جو یہ شبہ ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے اہل قلیب بدر کو فرمایا کہ تم نے اللہ کے وعدہ کو جو اس نے تمہاری ہلاکت کی بابت کیا تھا، سچ پایا، اور اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ میت سے سوال کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے، اللہ کی کہ میں جو کچھ ان کو کہتا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، سو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ حدیث گو لفظاً صحیح ہے، کہ بخاری شریف کی ہے، مگر معنی کی راہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ نے اس پر انکار کیا۔ اور اس کے مقابل میں یہ دو آیت شریف پڑھیں وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے زندوں کی نصیحت کے لئے فرمایا ہے، نہ مردوں کے سمجھانے کے لئے جیسے حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے مردوں کو کہا

کہ السلام علیکم اے قوم مومنوں کی صاحبان خانہ گور۔ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لیئے تمہارے مال تقسیم کئے گئے۔ تمہارے گھروں میں اور لوگ آباد ہو گئے۔

یہ تو تمہاری ہم کو خبر ہے، پس بتاؤ کہ ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ یہ زندگی اُن مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ ان کو اس لئے زندہ کیا کہ ان کو حسرت اور ندامت زیادہ ہو۔ اور اسی کتاب کے باب الجنائز میں اس شبہ کا یہ جواب ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے تو کہ ان پر حسرت زیادہ ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے۔ جو یہ ایک مثال کے طور پہ بیان کیا گیا ہے، جیسا حضرت علی رضؓ نے بیان کیا ہے، لیکن اس پر ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس ہوتے ہیں۔ میت ان کی جوتیوں کا آواز سنتی ہے۔ اس سے سماع موتے ثابت ہوتا ہے۔ سو اس کا جواب فقہا نے یہ دیا ہے کہ یہ زندگی ان کو اسی وقت اس لئے حاصل ہوتی ہے۔ تو کہ وہ فرشتوں کے سوال کا جواب دے سکیں۔ اور یہ معنی اس لئے کئے گئے ہیں۔ کہ ان دو آیت مذکورہ اور حدیث کے درمیان موافقت ہو جاوے۔ کیونکہ ان دو آیتوں سے سماع موتے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتے سے تشبیہ دی ہے۔ اس لئے کہ کفار سننے سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اور یہ اس بات پر موقوف ہے۔ کہ مُردے نہیں سنتے۔

لان المقصود من الکلام الافہام والموت نیافیہ۔ لان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باھل الاسماع الاتری الی قولہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ فان قیل قد روی انہ علیہ السلام کلم اصحاب القلیب یوم بدر حیث ساھم باسمائھم فقال ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقد وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ قلت اجاب الاکمل بان ذلک کان معجزۃ لہ علیہ السلام وقال الاتری انھم لما قالوا یارسول اللہ انھم لا یسمعون۔ فقال انھم یسمعون کما تسمعون وانما اراد بھما انھم یعلمون ان الذی قلت لھم حقا قال کالی فان قیل قد روی ان قتلی بدر

لما اُلقوا فی القلیب قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی راس القلیب وقال ھل وجد تم ما وعد ربکم حقا۔ فقال عمرؓ اتکلم المیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال علیہ السلام ما انتم باسمع من ھولاء وقلنا ھو غیر ثابت فان لما بلغ ھذا الحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کذبتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ تعالیٰ قال انک لا تسمع الموتی وَمَا انت بِمُسْمِعٍ من فِی القبور علی انہ علیہ السلام کان مخصوصا بہ معجزۃ لہ و قیل المقصود وعظ الاحیاء لا افہام الموتی کما روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اذا اتی المقابر قال علیکم السلام دیار قوم مؤمنین اما نساؤکم فقد نکحت واموالکم فقد قسمت واما دارکم فقد سکنت فھذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم۔ عبارت عینی شرح ھدایہ جلد ثانی ص۶۴۰ مطبوعہ عالی لکھنو۔

ترجمہ۔ کیونکہ مقصود کلام سے سنانا ہے۔ اور میت سننے کے لائق نہیں ہے۔ آیا نہیں دیکھتا تو طرف اس کی کہ اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اگر کوئی شبہ کرے، کہ آنحضرت صلعم نے بدر کے مردوں سے کلام کی اور ان کو ان کے ناموں سے پکارا، اور فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقد وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ میں کہتا ہوں۔ اس کا جواب مُلّا اکمل نے یہ دیا ہے۔ کہ آنحضرت کا معجزہ ہے، اور فرمایا کیا، تو دیکھتا نہیں۔ کہ جب لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو سنتے نہیں۔ فرمایا آنحضرت صلعم نے جیسے تم سنتے ہو، یہ بھی سنتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کی غرض اس سے یہ تھی کہ جو کچھ میں ان کو کہتا ہوں، اس کو یہ حق جانتے ہیں۔ کہا کاکی نے اگر کوئی شبہ کرے کہ جب مقتولِ بدر گڑھے میں ڈال دیے گئے، اور آنحضرت نے گڑھے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آیا میت سے کلام کرتے ہو، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے جواب میں فرمایا تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر ثابت نہیں۔ کیونکہ جب یہ

حدیث حضرت عائشہ رض کو پہنچی، تو انہوں نے فرمایا تم لوگوں نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ علاوہ اس کے یہ آنحضرت کے ساتھ خاص اور آنحضرت کا معجزہ ہے، اور بعض کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود زندوں کو وعظ کرنا تھا۔ نہ مُردوں کو سنانا جیسے حضرت علی رض سے مروی ہے کہ وہ قبروں پر آئے، سلام کہہ کر فرمایا اے مؤمنین قبروں والو۔ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے تمہارے مال بٹ گئے، تمہارے گھروں میں اور آبسے یہ تمہاری خبر ہم کو ہے۔ اور ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

قولہ وکذلک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا اولایدخل دار فلان لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قام رسول اللہ صلعم علی اہل القلیب فقال ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر رض اتکلم الموتی یارسول اللہ فقال ما انتم باسمع من ھؤلاء قلنا ھو غیر ثابت فانہ لما بلغ ھذا الحدیث لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کذبتم علی رسول اللہ صلعم قال اللہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور ثم لو صح ذلک کان ذلک معجزۃ رسول اللہ وقیل المقصود بذلک وعظ الاحیاء لا افہام الموتی ونظیرہ ما روی ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا اتی المقبر قال علیکم السلام دیار قوم مؤمنین اما نساؤکم فقد نکحت واما اموالکم فقد قسمت واما دارکم فقد سکنت فھذا خبرکم عندنا فما خبرنا عندکم عبارت کفایہ شرح ھدایہ ج ۲ ص ۱۴۲ مطبوعہ احمدی دھلی۔

ترجمہ۔ مردے سے کلام کرنے سے حالف حانث نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصود کلام سے سمجھانا ہوتا ہے۔ اور یہ موت کے بعد ثابت نہیں، اگر شبہ گذرے کہ جب بدری کافر گڑھے میں ڈالے گئے۔ تو آنحضرت نے ان پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ہل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ حضرت عمر رض نے اس پر کہا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موتیٰ سے کلام کرتے ہو۔ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت

عائشہ رضؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا تم نے رسول اللہ پر جھوٹ کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک لا تسمع الموتٰی۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ پھر اگر اس خبر کو صحیح بھی مان لیویں۔ تو یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے۔ کہ مقصود اس سے زندوں کو وعظ کرنا تھا۔ نہ مردوں کو سمجھانا۔ مثال اس کی یہ ہے کہ جب حضرت علی رضؓ قبروں پر گذرے فرمایا سلام تم پر اے قوم مومنین اہل قبور تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے۔ تمہارے گھروں میں کوئی سکونت کے لئے اور آ بسے یہ خبر تمہاری تو ہم کو ہے۔ پس ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

اس عبارت کا حاصل بھی یہی ہے، جو مکرر بیان ہو چکا ہے:۔

وکذلك لو قال ان کلمتك فعبدی حر فکلمه بعد موت لایحنث لان المقصود من الکلام الافہام وذا لا یتحقق فی المیت فان قیل قد روی ان النبی صلعم قد تکلم اصحاب القلیب من اهل البدر من الکفار حین القاهم فی القلیب قام علی راس القلیب وقال هل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمرؓ اتکلم المیت یارسول اللہ فقال ما انتم باسمع من هولاء قلنا هذا غیر ثابت بقوله تعالیٰ انك لا تسمع الموتی وقوله وَمَا انت بمسمع من فی القبور وان ثبت فهو معجزة لرسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم وقیل المقصود من ذلك وعظ الاحیاء لا افہام الموتی؛ عبارت کتاب مستخلص بر کنز الدقائق ص۱۶۳ فی المطبع الواقع فی لکھنو۔

والموصل للثواب الی المیت هو اللہ تعالیٰ سبحانه لان المیت لا یسمع بنفسه عبارت شرح فقہ اکبر ص۱۵۹ مطبع محمدی واقع لاہور۔

ترجمہ:۔ میت کو اللہ کے سوا ثواب کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ میت خود نہیں سن سکتی ہے۔

اذا حلف لا یکلم فلانا ابدًا وکلمه بعد ما مات لایحنث فی یمینه کذا فی المحیط فی الفصل الثانی والعشرین فتاوی عالمگیری جلد ثانی ص۳۹۔

ترجمہ:۔ جب قسم کھاوے آدمی کہ فلاں شخص سے کبھی کلام نہ کروں گا۔ پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد کلام کی تو وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا۔

رای الامام ابو حنیفۃ۔ من یاتی القبور لاھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیکم وناد یتکم من شھور و لیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفۃ یقول یخاطب بھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال لہ سحقا وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور۔

فتاویٰ غرائب فی التحقیق المذاھب الامام الاعظم۔

ترجمہ:۔ دیکھا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہ ایک شخص مقابر اولیاء میں آتا ہے، پس سلام کرتا ہے، اور خطاب وکلام کرتا ہے، اور کہتا ہے اے اہل القبور آیا ہے، تم کو خبر اور ہے، کچھ تمہارے پاس اثر کہ میں آتا ہوں تمہارے پاس اور پکارتا ہوں، تم کو مہینوں سے اور نہیں سوال میرا تم سے مگر دعا پس آیا خبردار ہو یا غافل۔ پس سنا ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کلام اور خطاب اس کے کو اہل قبور سے پس کہا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے آیا جواب دیا۔ تجھ کو انہوں نے کہا نہیں، پھر کہا۔ امام نے دوری ہو جیو تجھ کو رحمت خدا سے اور خاک میں ملیں تیرے دونوں ہاتھ کیا کلام کرتا ہے، تو مردوں سے کہ طاقت نہیں رکھتے جواب کی۔ اور مالک نہیں کسی چیز کے۔ اور کسی کی آواز نہیں سنتے۔ اور پڑھی یہ آیت۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ یعنی تو نہیں سنا سکتا۔ اہل قبور کو پس زجر و توبیخ امام ہمام کے پکارنے والے کے حق میں تامل کرنا نہ چاہیے۔

لا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتھی۔ شرح مقاصد۔ وکان حدیث ما انتم باسمع منھم لم یثبت عندھا ومن ھھنا ان اھل القبور یعلمون ما سمعوا قبل الموت ولا یسمعون بعد الموت۔ کرما فی شرح بخاری۔

یعنی حدیث ما انتم باسمع منھم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور ہمارا مذہب

یہ ہے، کہ اہل قبور مرنے کے پہلے سُنتے جاتے تھے، اور موت کے بعد نہیں سُنتے۔

واما قوله انك لاتسمع الموتى ونحن لا تنكران الميت لا يسمع (ابكار الافكار)

یعنی ہم عدم سماع موتے کے منکر نہیں۔

الصالحية اصحاب الصالحى ومذهبهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جوازان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون الله تعالى حيا۔ شرح موافق وهؤلاء كالموتے الذين لايسمعون۔ (بيضاوى)۔ اى الكفار شبههم بهم فى عدم السماع (جلالين)۔ ان الذين تحرص على ان يصدقوك بمنزلة الموتى الذين لايسمعون۔ (كشاف)

ترجمہ۔ فرقہ معتزلہ صالحیہ اصحاب صالحی کے ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ علم اور قدرۃ اور ارادہ اور سمع اور بصر میت میں موجود ہے، لیکن ان پر اعتراض لازم آتا ہے، کہ زندہ لوگوں کو بھی بایں صفات مردہ کہیں اور اللہ تعالےٰ زندہ نہ ہو۔

یعنی کفار مثل مُردوں کی ہیں، جو نہیں سُنتے۔

یعنی کفار کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے نہ سننے میں تشبیہ دی ہے۔

یعنی اے محمدؐ جن کفار سے تو یہ امید رکھتا ہے، کہ تیری تصدیق کریں۔ وہ بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ جو نہیں سُنتے، اور نیز عدم سماع موتے مذکور ہے، جامع الصغیر و نہایہ و عنایۂ و نہایۃ العقول مؤلفہ امام رازی و حاشیہ بیضاوی مؤلفہ خفاجی و شرح بخاری امام سیوطی و نظم الدلائل و شاشی و معالم و نیشاپوری و جامع القرآن و منثور وغیرہ میں ہے، یہاں تک جو بیان ہوا ہے وہ مذہب حنفی کے مطابق منقول ہے، اور اگر حدیث کی طرف رجوع کیا جاوے، تو حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ موتے نہیں سنتے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ نیند اور موت دونوں بہنیں ہیں۔ جب آدمی نیند میں نہیں سنتا ہے۔ جو چھوٹی بہن ہے، اور جس میں کچھ دنیا میں بھی تعلق ہے، تو موت میں کب سُن سکتا ہے، جو بڑی بہن ہے، اور جس میں بالکل دنیا سے بے تعلقی ہے،

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ الموت والنوم لیشترکان فی کون کل واحد منهما توفیان النفس ثم یمتاز کل واحد منهما عن الآخر بخواص معینة ۱۲۔

یعنے موت اور نیند نفس کے فوت کرنے میں یکساں ہیں۔ فرق ہر ایک میں بعض خصوصیتوں سے ہے۔

وعن ابی جحیفة قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی سفره الذی ناموا منه حتی طلعت الشمس ثم قال انکم کنتم اموا تا فرد اللہ الیکم ارواحکم رواه ابن شیبة وعن قتادة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لیلة الوادی ان اللہ قبض ارواحکم حین شاء وردها حین شاء رواه البخاری والنسائی والبوداؤد واحمد وابن شیبة۔

اور ابی جحیفہ سے مروی ہے کہ تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس سفر میں لوگ سو گئے، اور نماز قضا ہو گئی، یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ فرمایا آنحضرت صلعم نے تحقیق تم مُردے تھے، تمہاری طرف اللہ نے تمہارے روح پھیر دیئے۔

یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کی رات میں فرمایا تحقیق اللہ نے جب چاہا تمہارے ارواحوں کو قبض کر لیا۔ اور جب چاہا چھوڑ دیا۔

اور اگر صرف عقل اور فلسفہ کی طرف دیکھا جائے۔ تو اس سے بھی عدم سماع موتیٰ ہی ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں۔

لما کان ادراک الجزئیات مشروطا عند الفلاسفة بحصول الصورة فی الآلات فعند مفارقة النفس وبطلان الالات لاتبقی مدرکة للجزئیات ضرورة انتفاء المشروط بانتفاء الشرط۔

یعنی جب جزئیات یعنی خاص چیزوں کا جاننا حکماء فلاسفہ کے نزدیک اس شرط پر ہے کہ صورت شے کی آلات یعنی حواس میں آوے۔ تو پس جب نفس نے حواس کو چھوڑ دیا۔ اور حواس فنا ہو گئے، تو نفس کا جزئیات کا جاننا بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ شرط کے جاتے

سے شرط والی چیز بھی جاتی رہتی ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز اپنے فتوے میں فرماتے ہیں۔ ارواحیکہ از ابدان مفارق شدہ اند تاثیر آنہا در عالم اصلا در شرع نیامدہ وہم باعتبار فلسفہ تاثیر آنہا در عالم اصلا درست نمے آید زیراکہ فلاسفہ ارواح مفارقہ رایا مشغول بہ لذات روحانی میدانند و یا گرفتار آلام روحانی آنہا را تصرف در عالم کجا ست ۱۲۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عدم سماع موتٰی قرآن شریف و حدیث شریف و کتب فقہ سے مفصل ثابت ہے۔ اور اس کے مقابلے یعنی سماع موتٰے ہیں۔ اوّل تو کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر کوئی ہے بھی تو دلائل عدم سماع کے مقابل و برابر نہیں ہو سکتیں۔ کیوں کہ عدم سماع موتٰے ایسا صریح نص قرآنی سے ثابت ہے۔ جو یقین مفید اور قطعی الثبوت ہے (اواء المہدی ص ۲۳،۲۲)

بقیہ باب الروح

سوال۔ علماء حکماء کا اتفاق ہے کہ موت کے بعد ارواح کو فنا نہیں شہداء کی حیات قرآنی نص سے ثابت ہے اس کی کیا وجہ ہے کیا حیات انبیاء علیہ السلام کی تخصیص کی بھی کوئی وجہ ہے

جواب۔ ارواح کو موت کے بعد فنا نہیں۔ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہوتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ شہداء کو اس بقا کے علاوہ دو امر زائد دیے جاتے ہیں۔ کہ دنیا میں روح کا تعلق جو بدن کے ساتھ ہے اس کا حاصل بھی وہی دو امر ہیں اوّل یہ کہ اجر میں ترقی ہوتی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے یُنمی لہٗ عملہٗ الی یوم القیامۃ یعنی شہید کا عمل شہادت کے بعد بھی زیادہ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت تک زیادہ ہوتا جاویگا۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ بتوسط بدن کے شہداء کو روزی دیجاتی ہے چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ شہداء کی روح سبز جڑیے کے قالب میں بہشت کے پھل کے نزدیک جاتی ہے پھر ان قندیلوں میں آکر رہتی ہے کہ عرش کے نیچے لٹکائی ہوئی ہیں۔ نص قرآنی میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں صراحۃً اشارہ ان دونوں وجہ کی طرف ہے اور انبیاء علیہ سلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال انکے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فقط فتاوی عزیزیہ جلد ۲ ص ۲۴۶

باب الروح

سوال : مُردے پر کیا کیا گزرتا ہے اور کہاں رہتا ہے؟

جواب : نزع کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں کہ وُہ تابع حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ہیں اور روح کو بدن کے اجزاء سے کھینچتے ہیں اور جب رُوح کے لینے کا وقت ہوتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام خود اپنے ہاتھ میں روح کو لیتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے زمین کا طبقہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سامنے اس طرح رکھا ہے کہ جس طرح کھانے کا طبق کھانے والے کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہاتھ کہ روح قبض کرنے کے لیے ہے اُس میں اس قدر انگلیاں حق تعالےٰ نے بنائی ہیں کہ ہر اُنگلی اپنے کام میں مشغول رہتی ہے۔ ایک اُنگلی دوسری اُنگلی کے کام میں مزاحم نہیں ہوتی تو جب حضرت عزرائیل علیہ السلام وہ روح اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو فوراً من جملہ اُن کے خدام کے ایک جماعت فرشتوں کی وُہ روح لے لیتی ہے تو اگر وُہ نجات کے قابل ہوتا ہے تو جو ملائکہ اُس روح کو لیتے ہیں وُہ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں اور ان سے خوشبو آتی ہے اور نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ اور ریشمی کپڑا بہشت کی خوشبو سے معطر کرکے لیے رہتے ہیں۔ انہیں کپڑوں میں اس روح کو لیتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص دوزخی اور شقی ہوتا ہے تو اُن ملائکہ کے خلاف دوسری طرح کے ملائکہ ٹاٹ میں کہ اُس سے بدبو آتی ہے اُس روح کو لیتے ہیں اور آسمان کی طرف لیجاتے ہیں اور کافر کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ ملائکہ نہیں کھولتے اور لعنت بھیجتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ہاویہ ہے تو ملائکہ اس کو سجّین میں گرا دیتے ہیں اور وہاں اس کا عمل نامہ پہنچاتے ہیں۔ اور سجّین ایک پتھر کا نام ہے کہ دوزخ کے اوپر رکھا ہوا ہے وہاں کفار کے اعمال لکھنے والے ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور جو ملائکہ اس کام کے دروغہ ہیں ان کے حوالے وہ عمل نامہ کر دیتے ہیں۔ اور وہاں روح کی حاضری دلوا کر پھر اُس مُردے کے بدن کے پاس اُس روح کو پہنچاتے ہیں اور صالحین مومنین کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ ملائکہ کھول دیتے اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہتر روح ہے کہ زمین کی

طرف سے آئی ہے۔ خدا کی رحمت تجھ پر ہو اور اُس بدن پر جس میں تو دنیا میں تھی اور اس کو تو نے آباد کیا تھا اور اس روح کو ملائکہ علیین تک لیجاتے ہیں۔ اور علیین وہ مقام ہے کہ وہاں ملائکہ مقربین حاضر ہوتے ہیں۔ اور انسانوں میں جو کاملین ہوتے ہیں وہاں پہنچائے جاتے ہیں تو ملائکہ اس روح کی حاضری وہاں دلواتے ہیں اور اس کا عمل نامہ حوالے کرتے ہیں پھر اسکو اس کے بدن کے پاس لے آتے ہیں اور ہنوز اس میت کو غسل دینے میں اور اس کی تجہیز و تکفین کے سامان میں لوگ مصروف رہتے ہیں۔ کہ ملائکہ وہ روح ہاتھ میں لیے ہوئے وہاں حاضر ہوجاتے ہیں اور جب جنازہ لے جاتے ہیں اور جب ... رکھتے ہیں یا اگر ... کافر ہے تو جب اس کو آگ میں رکھتے ہیں تو ملائکہ اس کی روح اس کے بدن کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور خود چلے جاتے ہیں اور جب لوگ اس کے دفن سے فارغ ہوتے ہیں یا اگر وہ کافر ہے تو جب لوگ اس کے جلانے سے فارغ ہوتے ہیں تو دو فرشتے کہ ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے فرشتے کا نام نکیر ہے آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں۔ تو اگر وہ ایمان والا ہوتا ہے تو بلا تشویش اطمینان کے ساتھ بیٹھتا ہے اور بعض لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ آفتاب کے غروب کا وقت ہے تو کہتا ہے کہ مجھ کو جلد چھوڑ دو کہ عصر کی نماز سے فارغ ہوجاؤں، آفتاب غروب کے قریب ہے۔ اور وقت چلا جاتا ہے۔ بہر حال ہر میت سے پوچھتے ہیں تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تو اپنے دین میں کس کا تابع اور آپ کے حق میں یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا اعتقاد رکھتا ہے۔ تو بندہ مومن کہتا ہے کہ میرا معبود خدا ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حق تعالےٰ کی کتاب ہمارے پاس پہنچائی اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حقیقت دریافت کی اور میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے آپ کی متابعت کی تو وہ فرشتے اُس میت کو اس کے عمل سے آگاہ کرتے ہیں۔ کہ وہ عمل اس کے ان اعمال میں سے ہوتا ہے جو ایمان کے بعد وہ بجا لایا اور اس عمل کے ذریعے وہ بخشا گیا۔ اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اب تو آرام سے سو رہ جس طرح اطمینان سے بلا تشویش عروس سوتی ہے۔ اور اُس کی قبر جہاں تک اُس کی نظر جاتی ہے کشادہ کرتے ہیں اور روشن کر دیتے ہیں اور پہلے دوزخ کی طرف سے دریچہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ حق تعالےٰ نے بڑی بلا تیرے سر سے دفع کی اور پھر وہ دریچہ بند کر دیتے ہیں اور اُس کے بعد بہشت کی طرف سے دریچہ کھول دیتے ہیں اور یہ شخص اُس کی تازگی خوشبو سے بہرہ مند اور خوش ہوتا ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ایک شخص آتا ہے۔ وہ شخص نہایت خشکیل و جمیل اور خوبصورت ہوتا ہے اور نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں قرآن ہوں تم ہمیشہ میرے ساتھ رہے یا وہ شخص کہتا ہے کہ میں فلاں

علم ہوں کہ میرے ساتھ تم کو دُنیا میں نسبت تھی یا کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں کہ دُنیا میں تم نے میرا لحاظ رکھا، یہ سب رزق و فرش اوٗر لباس تمہارے آرام کے لیے اسباب ہے۔ تو وہ شخص خراماں خراماں آہستہ آہستہ بطور سیر کے اس طرف پھرتا ہے۔ اور اپنے عزیز و اقارب اور اپنے دوستوں کے ساتھ کہ اس جہاں سے فوت ہوئے ہیں ملاقات کرتا ہے اوٗر وہ لوگ بطور ضیافت کے اوٗر کبھی بطور تفریح کے اپنے مقام میں اس کو لے جاتے ہیں اوٗر کبھی بطور تہنیت کے خود اس کے پاس آتے ہیں، اور روز بروز اس کے دل کا اطمینان زیادہ ہوتا ہے اوٗر جن لوگوں کی نجات ہوجاتی ہے۔ ان کے لیے چار طرح کا مکان وہاں رہتا ہے۔ ایک مکان خلوت کا رہتا ہے اوٗر گویا وہ ایسا مکان ہوتا ہے۔ جیسے رات کے وقت رہنے کیلئے مکان ہوتا ہے اوٗر دوسرا مکان دربار کا رہتا ہے۔ کہ جو لوگ اس کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے ان کے ساتھ اس مکان میں دربار کرتا ہے۔ اوٗر تیسرا مکان سیر و تماشا کے لیے رہتا ہے اوٗر اس کے متعلق ایسی چیزیں رہتی ہیں، جیسے دُنیا میں چاہ زمزم اور مساجد متبرکہ اوٗر ایسے دوسرے مقامات ہیں کہ برزخ میں ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اوٗر چوتھا مکان دوستوں اوٗر ہمسایہ لوگوں سے ملاقات کرنے کے لیے رہتا ہے جیسے دیوان خانہ ہوتا ہے۔ اوٗر وہاں یہ مکانات بندہ کی آخر عمر میں تیار کیے جاتے ہیں اوٗر جب تیار ہو جاتے ہیں تو اس بندے کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔ اوٗر یہ گمان نہ کیا جاوے کہ یہ مکانات تنگ قبر کے اندر کس طرح ہوتے ہیں۔ تو ایسا نہیں بلکہ یہ تنگ قبر صرف بمنزلہ دروازے کے ہوتی ہے۔ کہ اس دروازے سے ہو کر ان مکانات میں جاتے ہیں۔ اوٗر ان مکانات سے بعضے مکان آسمان اوٗر زمین کے درمیان میں ہیں۔ اوٗر بعضے مکانات دوسرے اوٗر تیسرے آسمان پر ہیں اوٗر شہداء کے لیے بطور مکانات پُر نور قندیلیں ہیں۔ کہ عرش کے نیچے آویزاں کی ہوئی ہیں اوٗر لوگ وہاں صرف سیر حاصل ہونے کی غرض سے ذکر اوٗر تلاوت اوٗر نماز اوٗر متبرک مقامات کی زیارت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اوٗر قوم کے جو لوگ بزرگی میں وہاں بچوں کی نسبت کہ یہاں سے فوت ہو کر گئے ہیں باہم مقرر کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لڑکوں اوٗر لڑکیوں کے درمیان باہم تزویج کا عقد منعقد کریں گے۔ اوٗر وہاں یعنی برزخ میں جماع کی لذت کے سوا ہر طرح کی لذّت حاصل ہوتی ہے۔ اوٗر عبادتوں میں روزہ کے سوا اوٗر جو عبادت کرنے کی خواہش ہوئے کر سکتا ہے۔ اوٗر اوقات متبرکہ میں مثلاً شب قدر اوٗر شب جمعہ میں اپنے اُن عزیزوں کے پاس گزرتے ہیں۔ کہ وُہ عزیز اُن اموات کو یاد کرتے ہیں اوٗر ان کے اہل و عیال جو زندہ رہتے ہیں ان کے احوال سے اُن اموات کو اطلاع ہوا کرتی ہے۔ کبھی اس ذریعہ سے اطلاع ہوتی ہے۔ کہ وُہ اموات خود ان کے پاس آتے ہیں اوٗر

لے یہ مفتی صاحب کا خود اپنا خیال ہے ورنہ قرآن و حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے برزخی روح سے ارواح اپنے اپنے عزیز و اقارب کا حال پوچھتے ہیں اور وہ بتاتا ہے۔ فافہم (سعیدی)

کبھی ملائکہ ان کا احوال پہنچاتے ہیں کہ فرشتے اموات سے ملاقات کرتے اور زندہ لوگوں کا پیغام اور احوال پہنچاتے ہیں اور اموات کے پاس جو شخص جاتا ہے اور دعا کرتا ہے اور کلام کرتا ہے تو ان اموات کو یہ سب معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ اُن کا حواس باقی رہتا ہے کہ یہ سب ان کو معلوم کرایا جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بزرگانِ دین پر غیب کے امورات منکشف کرائے جاتے ہیں اور جو کچھ شدنی اور ناشدنی ہے بواسطہ ارواح طیبہ کے ملاءِ اعلیٰ اور متکفلان کارخانہ قضا و قدر سے بزرگانِ دین کو معلوم کرایا جاتا ہے۔ اور میت خود خواب میں زندہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فرشتہ روح پر مؤکل ہے وہ ان کی صورت کے ساتھ متشکل ہو کر نیک و بد احوال سے اطلاع دیتا ہے۔ لیکن کفار اور منکرین اور منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ سب سوال میں متحیر ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ یہ کون تھے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارا دین فلاں دین ہے اور ہمارا معبود فلاں بت ہے، یا فلاں روح ہے تو ان پر عذاب کرتے ہیں بعضوں پر یہ عذاب ہوتا ہے کہ قبر دونوں طرف سے ملا دی جاتی ہے اور ان کی ہڈی شہرے کی مانند ہو جاتی ہے۔ اور کبھی آگ کا عذاب کرتے ہیں اور کبھی سانپ اور بچھو مسلط کرتے ہیں۔ اور کبھی آہنیں اور آتشیں گرز سے مارتے ہیں کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر گرز اُٹھانے کے ساتھ ہی اس کا بدن تیار ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح انواع اقسام کا عذاب اس پر کرتے ہیں اور جو لوگ دُنیا میں صبح کی نماز نہیں پڑھتے ان کو دانتے ہیں اور جو شخص خودکشی کرتا ہے۔ وہ جس طور سے اپنی جان مارتا ہے۔ اسی طور سے بعد موت کے وہ خود اپنے اوپر عذاب کیا کرتا ہے اور جو شخص اپنی حلال عورت چھوڑ کر زنا کی رغبت کرتا ہے۔ اس پر یہ عذاب ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کھانے کے دو طبق رکھتے جاتے ہیں، ایک طبق میں عمدہ پاکیزہ کھانا رہتا ہے اور دوسرے طبق میں نجس متعفن کھانے کی چیز رہتی ہے۔ اور اس کو وہ ناپاک چیز کھلاتے ہیں اور جو شخص نہیں کھاتا تو اسکو خبیث خون کی نہر میں ڈال دیتے ہیں اور جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ پر پتھر مارتے ہیں اور اس کو نکلنے نہیں دیتے اور بعضوں پر یہ عذاب کرتے ہیں کہ اس کو فقر اور گرسنگی اور برہنگی میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور ذلت و رسوائی کے ساتھ دربدر پھراتے ہیں اور جو شخص دُنیا میں زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو اس کا مال دوزخ کی آگ سے گرم کرتے ہیں اور اس سے اس کی پیشانی اور پیٹھ اور اس کے دونوں پہلو داغتے ہیں اور یہ سب عذاب ہمیشہ سب گناہگاروں پر نہیں ہوتا ہے بلکہ بعضے گنہگاروں پر یہ عذاب ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور وہ برابر اس تکلیف میں مبتلا رہیں گے۔ اور بعضے گنہگاروں پر ہر روز کسی وقت عذاب ہوتا ہے۔ اور کسی وقت ان کو عذاب سے رہا کرتے ہیں۔ اور بعضے

گنہ گاروں پر یہ صرف شب جمعہ تک عذاب ہوتا ہے یعنی جب وُہ مرتے ہیں۔ تو اس دن سے شب جمعہ کے آنے تک ان پر عذاب ہوتا ہے۔ اور جب شب جمعہ آتی ہے۔ تو پھر وہ عذاب رہا کردیے جاتے ہیں اور پھر کبھی اُن پر برزخ میں عذاب نہیں ہوتا۔ اور بعضے گنہگاروں پر رمضان شریف کے مہینے تک عذاب ہوتا ہے یعنی جب وہ مرجاتے ہیں اس وقت رمضان شریف کا مہینہ آنے تک ان پر عذاب ہوتا ہے۔ پھر جب رمضان شریف آتا ہے تو وُہ عذاب سے رہا کردیے جاتے ہیں اور پھر ان پر کبھی برزخ میں عذاب نہیں ہوتا ہے اور بعضے گنہگاروں پر اس وقت تک عذاب ہوتا ہے کہ ان کے حق میں شفاعت ہووے اور پھر شفاعت کے بعد عذاب سے لوگ رہا کردیے جاتے ہیں۔ فقط (فتاوی عزیزی جلد دوم صہ ۲۵۸)

سوال: کیا مردوں کی روح دُنیا میں آتی ہے؟

جواب: یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب بعض سادہ لوح لوگ جمعرات یا جمعہ کو کھانا پکا کر اپنے محلہ کے امام مسجد کو بُلاتے ہیں اور ختم وغیرہ مروجہ طریق پر دلاتے اور مرنے والوں کی ارواح کو ثواب پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان کے ائمہ مساجد یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعرات کو روح قبروں یا گھروں میں آتی اور اپنے ورثاء سے توقع کرتی ہیں کہ انہیں کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ طبعی طور پر ہر شخص کے دل پر اثر پڑتا ہے کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے اچھے طریق پر دُنیا میں کاوش کی اب وُہ بے بس ہیں ان کو کچھ دینا چاہیئے۔

یہ تو ہیں عوام میں جذباتی تخیلات۔ بلکہ یوں کہیے کہ موہوم خیالات۔ مگر اس بن دیکھی داستان کے لیے کسی کے بے چین دل کو مطمئن کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس کی تصدیق اللہ اور اس کے رسُول کریں۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مرجاتے ہیں وہ دوبارہ اس دُنیا میں نہیں آتے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے حَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کردیا وُہ دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کا مفہوم یوں ادا کرتے ہیں قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وجب یعنی قد قدر ان کل قریۃ اھلکوا انھم لا یرجعون الی الدنیا قبل یوم القیامۃ ھکذا صرح بہ ابن عباس وابوجعفر الباقر وقتادۃ وغیر واحد ابن کثیر مصری جلد ۳ صہ ۱۹۴ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ٹھیک مقدر کردیا گیا کہ ہر بستی

والے پر جو ہلاک کر دیئے گئے ہیں وہ دُنیا کی طرف قیامت سے پہلے واپس نہ آئیں گے۔ یہی صورت ابوجعفر۔ قتادہ اور دوسرے بزرگوں نے کی ہے اسی تفسیر میں بحوالہ صحیح مسلم روایت ہے۔ ان ارواح الشھداء فی حواصل طیور خضر تسرح فی الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی قنادیل معلقة تحت العرش فاطلع علیھم ربك اطلاعة فقال ماذا تبغون فقالوا یاربنا ای شئ نبغی وقد اعطیتنا مالم تعط احدا من خلقك ثم عاد علیھم بمثل ھذا فلما راوا انھم لا یترکون من ان یسئلوا قالوا نرید ان تردنا الی الدار الدنیا فنقاتل فی سبیلك حتی نقتل فیك مرة اخری لما یرون من ثواب الشھادة فیقول الرب جل جلالہ انی کتبت انھم لا یرجعون (ابن کثیر مصری جلد ۱ ص ۱۹۷ یعنی شہیدوں کی روحیں سبز رنگ جانوروں پیٹوں کے اندر جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتی ہیں۔ پھر وہ عرش کے نیچے لٹکتی ہیں۔ قندیلوں پر آرام کرتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی طرف نظر کر کے فرماتا ہے۔ کہ تم کچھ اور چاہتے ہو، وہ کہتے ہیں یا اللہ ہمیں اور کیا چاہیئے تونے ہمیں وہ نعمت عطا فرمائی ہے جو کسی کو نہیں دی۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، کچھ مانگو۔ تب سوال کرتی ہیں کہ ہمیں دُنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ تیری راہ میں لڑ کر پھر شہید ہوں اور شہادت کا لطف اٹھائیں کیوں کہ وہ شہادت کا ثواب اور مزہ دیکھ چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ دُنیا کی طرف دوبارہ جانا نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ تمہارا یہ مطالبہ خُدائی قانون کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ نہیں مانا جائے گا۔ اسی تفسیر میں ایک روایت بحوالہ امام احمد و شافعی و مالک رحمہم اللہ درج ہے، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسمة المؤمنین طائر تعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللہ الی جسدہ یوم یبعثه مومن کی روح جنت کے درختوں میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے جسم کی طرف قیامت کے دن لوٹائے گا۔ صاحب تفسیر فرماتے ہیں۔ ففیه دلالة لعموم المؤمنین ایضا وان کان الشھداء قد خصصوا بالذکر فی القرآن تشریفا لھم وتکریما وتعظیما اس میں عام مومنوں کے ارواح کی شمولیت پہ دلالت موجود ہے اگرچہ شہداء کا خاص ذکر ہے۔ اور یہ ان کی عزت و کرامت کے لیے ہے۔

یہ وہ مضبوط عقیدہ ہے جو قرآن اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور عقل سلیم بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ اس کے خلاف مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا رسالہ چھوٹا سا ہے۔ جس کے ٹائیٹل پر لکھا ہے ارواحِ مومنین کن دنوں میں اپنے گھر میں آتی ہے۔ اور اپنے عزیزوں سے کہتی ہیں اور شہدا و صالحین کی روحیں کس قدر

آزاد اور کفار کی روحیں مقید ہیں۔ اس بارے میں حضور پُرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بدلل مکمل رسالہ: "اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح" اس دعوے کے بعد ضرورت تھی کہ اس کے خلاف عقل اور غیر مرئی امر پر کوئی نقلی قطعی دلیل پیش کی جاتی۔ مگر اعلیٰ حضرت موصوفؒ نے صحیح حدیث اور قرآنی آیت کے مقابلہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ بہت ہی بودے ہیں۔ کہیں شیخ عبدالحق کا فتوے' کہیں کشف الغطاء کا حوالہ کہیں امام سیوطیؒ کی شرح الصدور سے ضعاف روایات کا حوالہ ذکر کرکے غیظ و غضب میں لکھتے ہیں۔ لکن الوھابیۃ قوم یجھلون وہابی جاہل قوم ہیں ولکن النجدیۃ یجھدون الحق دھم یعلمون لیکن نجدی جان بوجھ کر حق سے انکار کرتے ہیں۔ اتیان الارواح صفحہ ۲۵ پر جو دلائل آپ نے پیش کیے اس قدر غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) شیخ عبدالحق فرماتے ہیں: "ودر بعضے روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق میکنند از وے یا نہ۔"

(۲) شیخ الاسلام کشف الغطاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں: "ودر غرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ خود را ہر شب جمعہ و روز عید و روز عاشورہ و شب برات۔ پس ایستادہ می کنند بیرون خانہ ہاں خود و ندامی کند ہر یکے با آوازہ بلند اندو ہگیں۔ اے اہل و اولاد من۔ نزدیکان من مہربانی کنید برما بصدقہ الخ در شرح الصدور احادیث شتّی در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثر خالی از ضعف نیست اتیان الارواح ۳"

(۳) خزانۃ الروایات میں ہے عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاءُ الی مقابرھم ثم جاءُ فی بیوتھم یعنی خزانۃ الروایات میں ہے کہ بعض محققین علماء سے روایت ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی ہیں۔ پہلے وہ اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں اتیان الارواح ص۵ ان تمام حوالوں میں کوئی ایک بھی قابلِ اعتماد دلیل نہیں جو دل کو مطمئن کر سکے۔ اس لیے کہ غیر مرئی اور غیر محسوس چیز کو تسلیم کرانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح فرمان ہی تسلی بخش ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں کہ فلاں شخص نے خواب دیکھا یا یہ کہنا کہ علمائے محققین نے فرمایا ہے بعض روایات میں آیا ہے۔ اگر وہ ضعیف ہیں مگر ان کو مان لینا چاہیے' کسی طرح بھی قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتیں۔ اس کے خلاف قرآن اور حدیث صحیح سے روحوں کا آنا امر ثابت ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ

محقق علماء کی تحقیق بھی سن لیجئے۔

۱۔ مولانا شاہ محمد اسحاق ؒ کی کتاب مائۃ مسائل کے اُردو ترجمہ امداد السائل ص ۱۹ میں ہے۔ کھانے کی چیزوں شیرینی وغیرہ پر فاتحہ دلانا ان راتوں میں یعنی جمعہ کی رات، شب عاشورہ، شب برات، شب قدر وغیرہ احادیث وکتب معتبرہ کی روایات سے ثابت نہیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد سے ارواح کا ان راتوں میں آنا ثابت نہیں۔ فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۱۲۵

۲۔ فتاوٰی نذیریہ میں ہے کوئی حدیث صحیح قابلِ اطمینان سماع موتیٰ میں نہیں آتی اور جو ہیں وہ ضعاف ومنکرات ورآیاتِ قرآنیہ کے خلاف اور مسائل اربعین مولانا اسحاق صاحب محدث نے بھی سماع موتیٰ سے انکار کیا (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول صفحہ ۱۳۵ بحوالہ فتاوٰے نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۹۹ اس عقیدہ کو ثابت کرنے والے ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی دنیا کی کتاب القبور سے ایک روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استأنس بہ ورد علیہ حتی یقوم۔ روایت ہذا کے معانی میں جو نکارت ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ اس کی سند ذکر نہیں کی گئی جس پر بحث ہو سکے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے بھی اس کو بے سند ہی روایت کیا ہے۔ کیوں کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ایسے مسائل میں بے سند روایت بھی کام دے دیتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام سیوطیؒ کا ایک حوالہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں امام جلال الملت والدین سیوطی مناھل الصفا میں فرماتے ہیں لم اجدہ فی شیء من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلک سندا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام (ایمان الارواح ص ۔) یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا ہے۔ ایسی حدیث کے لیے اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام کے متعلق نہیں۔

اس کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے کہ اس عقیدہ کے قائل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس موضوع پر حدیث بے سند بھی دلیل ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ ایسی ان دیکھی اور عقل میں نہ آنے والی چیز کے متعلق اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تسلی بخش طریق پر کوئی بات پہنچ جائے اور یہاں صحیح حدیث اور قرآنی آیات کے مقابلہ بے سند روایت بلکہ خوابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دلیل یہ ہے کہ ایک بزرگ اپنے باپ کی قبر پر روتا روتا سو گیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ قبر پھٹ گئی اور باپ نظر آیا اس نے کہا

بیٹا میں تجھے ہر روز پہنچاتا ہوں۔ اور ایسی ہی دیگر حکایات ذکر کر کے صاحب تفسیر (ابن کثیر ۱۲) لکھتے ہیں:۔ وھذا باب فیہ آثار کثیرۃ عن الصحابۃ۔ اس وہمی طریق استدلال کو قرآن کریم کی نص صریح اور حدیث صحیح کے معارضہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ عجیب استدلال۔

وقد علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا راؤ القبور ان یقولوا السلام علیکم اھل الدیار الخ فھو السلام والخطاب والنداء یوجب لیسمع ویخاطب یعقل ویرد وان لم یعلم المسلم الرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ جب قبروں کو دیکھوں تو سلام کہو تو یہ سلام اور یہ خطاب اور آواز اسی مخاطب کو دی جاتی ہے، جو سمجھے اور سنے اور جواب بھی دے سکے اگر سلام دینے والا اس کا جواب نہ سن سکے۔

اس استدلال میں کمزوری استدلال کنندہ گان بھی محسوس کرتے ہیں چنانچہ واپسی جواب کے غیر معلوم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، مگر یہ باور کرتے ہیں کہ اگرچہ وہ جواب سنا نہیں جاتا مگر وہ جواب دیتے ہیں کیوں کہ بصیغہ خطاب سلام کہنا اس امر کی دلیل ہے۔ حالاں کہ عبرت کی غرض سے جمادات کو بھی بصیغہ خطاب مخاطب کیا جانا منقول ہے۔ صحیح روایات میں باسند ذکر آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو خطاب کیا تھا یا حَجَرُ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ اے حجرِ اسود میں جانتا ہوں تو نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

اہلِ قبور کو سلام کہنے اور ان کی زیارت میں حکمت خود رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرما دی: فانھا تزھد عن الدنیا وتذکر الاخرۃ۔ قبروں کی زیارت وغیرہ سے عبرت ملتی ہے کہ کل یہی مخاطب بالمشافہ سلام کا جواب دیتا تھا اور آج خاموشی کے عالم میں ہے۔ الاعتصام جلد ۵ ش ۱

کیا مُردے قبروں سے باہر نکلتے ہیں؟

میرے عزیز مستری یٰسین صاحب نے جدیدہ خدام الدین مجریہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۳ء کا صفحہ ۱۱ دکھایا جس میں اللہ کے نیک بندوں کی فراست اور کرامات کے تحت مولانا سید امین الحق صاحب شیخوپوری نے کتاب الروح لحافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جو تابعی ہیں کی کرامت یوں بیان کی ہے مطرف بن عبداللہ اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔ قبرستان گزرے آپ نے دیکھا کہ اہلِ قبور اپنی قبروں سے باہر بیٹھے ہیں اور کہا یہ مطرف جمعہ پڑھ کر واپس جا رہا ہے۔ مستری صاحب نے مجھ سے دریافت کیا، کیا یہ حکایت کتاب

الروح میں ہے۔ میں نے کتاب الروح نکالی اور جہاں جہاں گمان اغلب تھا اس کو دیکھا چنانچہ کتاب الروح کے صفحہ ۶ پر یہ حکایت مل گئی۔ میں فرض سمجھتا ہوں کہ اس روایت کی چھان بین کروں تاکہ مغالطہ رفع ہو۔ روایت اصل الفاظ مع سند مندرجہ ذیل ہیں:۔ حدثنا خالد بن خداش حدثنا جعفر بن سلیمان عن ابی التیاح قال کان مطرف یغدو فاذا کان یوم الجمعة ادلج قال وسمعت ابا التیاح یقول بلغنا انه کان ینور له فی سوطه فاقبل لیلة حتی اذا کان عند مقابر القوم وھو علی فرسه فرأی اھل القبور کل صاحب قبر جالساً علی قبرہ فقالوا ھذا مطرف یاتی الجمعة قلت و تعلمون عندکم یوم الجمعة قالو نعم و نعلم ما یقول فیه الطیر قلت و ما یقولون قالوا سلام سلام۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل میں یہ روایت ابن ابی الدنیا کی ہے۔ جیسا کہ کتاب الروح کے صہ سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۲ جلد ۲ حافظ ابن ابی الدنیا کے شیوخ کی فہرست دی ہے جن میں خالد بن خداش کا ذکر کیا ہے بلکہ ص ۲۲۵ جلد ۲ میں ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کی سند میں خالد بن خداش موجود ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے صہ سے لے کر کئی صفحوں پر اسی ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور سے روائتیں نقل کی ہیں۔ بعینہ یہ روایت حافظ صاحب نے اپنی کتاب زاد المعاد ص ۱۱۶ جلد اول مطبوعہ مصر میں نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت حافظ ابن ابی الدنیا کی کتاب المناجات کی ہے۔ حافظ ابن ابی الدنیا کا ترجمہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب ص ۱۲۔۱۳ جلد ۶ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شیوخ میں دو کذاب تھے ایک محمد بن اسحاق بلخی دوسرا محمد بن الحسین البرجلانی۔ نیز نواب صاحب نے بھی آثار الادہار سے محمد بن اسحاق بلخی کذاب کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو التاج المکلل ص ۹۹ حافظ ابن حجرؒ نے لسان ص ۶۶ میں و حافظ ابن ذہبی نے المیزان ص ۲۴ جلد ۳ پر محمد بن اسحاق بلخی کو کذاب کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے لسان ص ۱۳۶ و حافظ ذہبی نے المیزان ص ۴۴ پر محمد بن الحسین البرجلانی پر علماء کی تنقید نقل کی ہے۔ کتاب الروح کی روایت میں خالد بن خداش پہلا راوی ہے جس کو علی بن المدینی اور زکریا الساجی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تہذیب ص ۸۵ جلد ۳ دوسرا راوی جعفر بن سلیمان ہے۔ یہ شیعہ رجال میں سے ہے ملاحظہ ہو لسان ۱۲۵ جلد ۲ والمیزان ص ۱۸۹ جلد ا و ص ۱۹۰ و تہذیب ص ۹۵ تا ۹۸ جلد ۲ مطرف بن سلیمان کا واقعہ بیان کرنے والے ابو التیاح ہیں جو بلغنا سے بیان کرتے ہیں روایت میں انقطاع ہے۔ الخبر محتمل الصدق و الکذب صاحب مضمون کے اسم گرامی سے پہلے رأس المحققین اسوۃ الصالحین، کے القاب درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پوری تحقیق سے یہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے، لیکن

افسوس ہے کہ آپ نے تحقیق کو ہاتھ تک نہیں لگایا، حالاں کہ محقق کا کام ہے کہ روایت کی مکمل چھان بین کرے۔ یہ روایت کتاب الزہد صہ ۲۹۳ پر امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کی ہے۔ اگر رأس المحققین کتاب الزہد دیکھ لیتے تو ان کو یہ واقعہ بیان کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ الزہد کی روایت میں ہے: حتیٰ اذا کان عند القبور ھو مرعلی فرسہ فرائی اھل القبور الحدیث یعنی مطرف بن عبد اللہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ قبرستان کے نزدیک پہنچے ان کو گھوڑے پر نیند آگئی اور خواب میں اہل قبور کو دیکھا۔ افسوس ہے کتنا بڑا مغالطہ ہے۔ واقعہ خواب کا ہے اور بیان کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے یقظہ کی حالت میں مردوں کو دیکھا۔ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم اگر کتاب الزہد آپ کو نہ ملی تھی تو حافظ ابن قیمؒ کی زاد المعاد بھی دیکھ لی ہوتی جس میں صاف لکھا ہے، یہ روایت ابن ابی الدنیا کی کتاب المناجات سے لی ہے۔ یہ خوابوں کا قصہ ہے غیر ممکن الوجود کو ممکن الوجود بنا لیتا ہے۔ اگر آپ اس کو یقظہ یا عیاں سے تعبیر کریں تو آپ کو قرآن کی بہت سی نصوص کا انکار کرنا پڑے گا۔

استدراک زاد المعاد میں ابو التیاح کا اسم لاحق بن حمید بیان کیا گیا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے ان کا اصل نام یزید بن حمید ہے تہذیب صہ ۳۲۰ جلد ۱۱ الزہد میں عبید بن حسان کتابت کی غلطی ہے حالاں کہ اصل نام عبید بن الحساب ہے تہذیب صہ ۳۲۹ جلد ۱۱ (الاعتصام جلد ۵ ش ۱۷)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں کے بارے میں:-

۱۔ بعض علمائے دیوبندی فرماتے ہیں کہ میرے درس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں صَدَقْتَ صَدَقْتَ اور مجھے کسی کے درس میں لطف نہیں آتا، صرف تمہارے درس میں مزہ آتا ہے۔ کیا حضور واقعی دنیا میں آتے ہیں اور درس سنتے ہیں۔

۲۔ بعض علمائے اہلحدیث فرماتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ دن کو (میں جاگتا تھا کتاب لکھ رہا تھا) میری بیٹھک میں تشریف فرما ہوئے۔ کیا صحیح ہے کہ حضورؐ مولویوں کے گھر تشریف لاتے ہیں۔

۳۔ علمائے دیوبند راوی ہیں کہ بعض بزرگ مر گئے مگر مرنے کے بعد کھڑا کھڑا کے آئے اور ایک بزرگ بعد مرگ بولے احمد علی۔ کیا یہ ممکن ہے۔ مردہ بول سکتا ہے یا ہنس سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: آپ کے سوالات کے متعلق کچھ عرض کرنا مشکل ہے اس لحاظ سے نہیں کہ سوالات میں کوئی خاص اشکال ہے۔ صرف اس لیے کہ عوام میں اہلِ توحید و سنت کے متعلق مغالطہ پیدا کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نہ تصوف سے آشنا ہیں نہ کرامات کے قائل ہیں نہ اہلِ توحید میں کوئی ولی ہوا ہے اور بعینہٖ یہ خیال حضرات دیوبند کے متعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب تعصب کی کارفرمائی ہے حقیقت ہو یا نہ ہو۔ ایک دوسرے پر طعن علماء کی بھی عادت سی ہوگئی ہے اس عادت سے شاید ہی علمائے کرام کا کچھ طبقہ محفوظ ہو۔ اس کا لازمی سا ثمرہ ہے کہ ایسے حضرات اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مبالغہ آمیزی شروع ہو جاتی ہے قرآن عزیز نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے۔ جو دوسروں سے اپنی تعریف سُننا پسند کریں: يُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا لیکن یہاں یہ حال ہے کہ خود اپنے منہ سے اپنی تعریف شروع کر دیتے ہیں حالاں کہ قرآن عزیز نے صراحۃً اس سے منع فرمایا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ اپنے منہ سے اپنی تعریف نہ کرو اللہ تعالیٰ اہلِ تقوےٰ کو خوب جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے دیوبند اکابر میں یہ عادت نہ تھی لیکن اب نئے حضرات اس میدان میں اُتر رہے ہیں، وہ درس و تدریس کے ساتھ بیعت و ارادت کا کام بھی کرتے ہیں اور یہ سارا کام کاروباری انداز سے ہوتا ہے۔ فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَىٰ گویا خُدا تعالیٰ اور آنحضرت فداہ ابی و امی بھی ان حضرات کے کاروبار کا سرمایہ ہیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہٖ الاطہر اس دُنیا میں تشریف نہیں لاتے۔ نہ وہ ہر مقام پر حاضر و ناظر ہیں، نہ ہی ان کو دنیوی زندگی حاصل ہے۔ برزخی زندگی کی شرعاً یہ نوعیت نہیں کہ اس دُنیا سے قطع تعلق کے بعد پھر وہ اس دُنیا میں آئیں ان حضرات کے مواعظ اور درس سنیں جن کے علم کی حیثیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔ آں حضرت علم نبوۃ کی وجہ سے نظری بلکہ وہمی علوم سے قطعی بے نیاز ہیں۔ پھر آں حضرت ان کے درس سے کیوں استفادہ فرمادیں۔ پھر ان کی تصدیق فرمادیں اور تصدیق کی آواز بھی یہی حضرات حاضرین تک پہنچائیں۔ عجیب ماجرا ہے۔ اگر آں حضرت کی اس دُنیا میں واپسی کا ذرہ بھی امکان ہوتا یا آپ فداہ روحی اس معاملہ میں کسی خدائی قانون کے پابند نہ ہوتے۔ تو واقعہ حرہ میں ضرور تشریف لاتے اور اس سانحہ کو روک دیتے۔ سقیفہ بنوساعدہ میں تشریف لاتے اور اس سانحہ کو روک دیتے۔ سقیفہ بنوساعدہ میں تشریف لاکر خلافت کا فیصلہ بذاتِ خود فرماتے، واقعہ کربلا کو ناممکن بنا دیتے۔ مختار ثقفی کا فتنہ قطعاً نمودار نہ ہوسکتا۔ حجاج بن یوسف کے مظالم

کا امکان ہی نہ رہتا۔ اگر وعظ ونصیحت سننا ہی حضرت کا مقصود ہوتا تو حضرت ابوبکر رضہ حضرت عمر رضہ حضرت عثمان رضہ حضرت علی رضہ کے خطبات ضرور سنتے اور صدقت اور مرحبا کی سند عطا فرماتے۔ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی فقہوں کے اختلافی مسائل میں بذاتِ خود فیصلہ فرما کر اختلافات ختم فرما دیتے امام بخاری اور باقی ائمہ حدیث کو حدیث کے صحت وسقم کے متعلق براہِ راست ہدایات فرماتے نہ علم جرح وتعدیل کی ضرورت ہوتی۔ علماء اصول حدیث اور اصولِ فقہ کے ان اسفار ودفاتر کی ضرورت نہ ہوتی۔ حافظ ابن جوزیؒ شیخ عبدالقادر حنبلی، جنید، شبلیؒ ودیگر اکابر ائمہ تصوف سے ملتے یا یہ حضرات آں حضرت سے ملتے اور یہ حضرات اپنی تصانیف اور ملفوظات میں ان ملاقاتوں کا ضرور تذکرہ فرماتے۔ افسوس ہے ان مقدس بزرگوں سے ایسی کوئی شئی منقول نہیں ہے

وائے برو دعوئے اسلام ودیں　　بو دبے شبل و نہ جنید این چنیں

ظاہر ہے کہ آں حضرت کی اس طرح تشریف آوری کا شرعًا کوئی ثبوت نہیں۔ ابن قیمؒ کی کتاب الروح اور حافظ سیوطیؒ کی شرح صدور، شیخ عبدالحق کی مدارج النبوت مواہب لدنیہ وغیرہ میں بعض بزرگوں کے متعلق اس سے ملتی جلتی کہانیاں مرقوم ہیں۔ لیکن یہ قصے شرعی حجت نہیں۔ گذشتہ ایام میں جب آں حضرتؐ کی حیات یا موت کی بحث احباب دیوبند میں چھڑی تھی۔ تو مدعیانِ حیات کا انحصار حضرات دیوبند کی ایسی ہی بعض تحریرات پر تھا۔ معلوم کہ اس قدر اہم اعتقادی مسئلہ کے لیے یہ کہانیاں مفید نہیں ہو سکتیں۔ تصوف قدیم اور ائمہ سنت کے ارشادات میں آں حضرت کی اس طرح کی زندگی کا قطعی پتہ نہیں نہ ہی کسی وعظ میں حضرت تشریف لائے نہ درس سن کر صدقت صدقت کی سند عطا فرمائی۔ تصوف جدید جس کا رواج اب دینا علما دیوبند میں عام ہو رہا ہے اور جا بجا بیعت کی دکانیں چھائی جا رہی ہیں) بھی ایسی باتیں سننے میں راضی ہیں اگر کوئی مثالی یا کشفی صورت نظر بھی آجائے تو ان میں اچھے لوگ عوام میں ذکر نہیں کرتے نہ ہی ریا وسمعہ سے اپنی دکان کو رونق دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اسے چھپاتے ہیں اس لیے کہ یہ چیزیں ظنی ہیں اس میں شیطانی وسوسوں کا کافی حد تک امکان ہے۔

۳۔ اگر کسی نام کے اہلحدیث کو بھی اس قسم کا جنون سمایا ہے اسے بھی دماغی ہسپتال بھجوانے کی کوشش کیجئے۔ تاکہ نہ خود برباد ہو نہ دوسروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرے اسی قسم کے قصے بعض خوابوں کی صورت میں بعض حضرات سے منقول ہیں لیکن خواب شرعی حجت نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کوئی بزرگ خواب میں نظر آئے اور کوئی نصیحت یا ہدایت فرمائے مگر وہ خواب ہی ہو گا، شرعی دلیل نہ ہو گا۔

سے قرآن اور سنت میں میری ناقص رائے میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ۔آں حضرت اور صحابہ ہمارے لیے اسوہ ہیں ۔مولانا احمد علی صاحب مرحوم کے متعلق ان کے ورثا سے دریافت فرمائیں وہ ہنسے تھے یا نہیں ، موت کے بعد کچھ فرمایا تھا یا نہیں ، مرحوم کی قبر سے خوشبو کے متعلق بڑی شہرت بھی تھی وہ بھی غپ ہی ثابت ہوئی جب تک عرق گلاب اور عطر کا اثر قائم رہا جو ان کے عقیدت مندوں نے قبر پر گرایا تھا خوشبو آتی رہی وہ عشاق اپنے اپنے مشاغل میں لگ گئے خوشبو ختم ہو گئی ، اب مرحوم کے کچھ بے وقوف مرید مرحوم کی قبر پر پھول ڈالتے قبر کے پاس تسبیحات پڑھتے ہیں یہ جہالت ہے ، مولانا کے ورثاء کو چاہیے کہ اس بدعت کو بزور بند کریں مولانا مرحوم کی ابتدائی زندگی بڑی مجاہدانہ تھی ان کے مجاہدانہ میں سادگی اور توحید نمایاں تھی جوں جوں مرحوم جدید تصوف میں پھنستے گئے وہ رنگ جاتا رہا ۔بریلوی پیروں کی طرح عام دست بوسی اور رسمی آداب مرحوم پر غالب ہو گئے نہ پہلا زہد رہا نہ ہر واعظ میں توحید کا رنگ غالب رہا ہے تاہم مرحوم کا وجود غنیمت تھا ۔آج کے حضرات دیو بندی تو روز بروز بریلوی حضرات کے قریب تر ہو رہے ہیں ۔ البتہ مولانا حسین علی کے تلامذہ اس سے کافی حد تک محفوظ ہیں مگر تصوف مستحدث ان میں بھی راسخ ہو رہا ہے ۔ہمارے سادہ لوح اہل حدیث کو دیو بند کے موحد اور متساہل حضرات میں امتیاز کرنا چاہیے ۔اب ان میں اکثر حضرات رسمی پیری مریدی بطور کاروبار کر کے بریلوی حضرات کی طرح خانقاہی نظام کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ وہ کوشش کرتے ہیں اہلحدیث سے لوگوں کو متنفر کریں جب بریلوی اور اہلحدیث اختلاف کا تذکرہ آئے تو یہ عموماً شرک پسند حضرات کو اہل توحید پر ترجیح دیتے ہیں اہل کتاب کی طرح هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں اور شرک پسند حضرات کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں ہمارے سادہ لوح اہلحدیث حضرات چونکہ اس نئی پالیسی سے بے خبر ہیں اور وہ پرانے تصورات کے مطابق ان حضرات کی ان کہانیوں تذکیہ اور توحید کے دعووں سے غلطی کھا کر ان دعاوی کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں چند افراد اب بھی احباب دیو بند میں موجود ہیں جن کے دل میں توحید کے لیے ایک سوز اور تڑپ پائی جاتی ہے ۔ان کا انداز بھی کاروباری نہیں مجھے احباب دیو بند سے حسن ظن ہے ان میں دین کی خدمت اور توحید کا جذبہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے مگر یہ نئی پالیسی جو جدید دنیائے دیو بند میں پائی جا رہی ہے اس سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے ۔ بزرگوں کے متعلق یہ قصے اور کہانیاں جن کا سائل نے ذکر کیا ہے ۔اسی جدید پالیسی کا نتیجہ ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تصوف جدید کے بہت بڑے ماہر تھے ترجمان تھے ان کے انبار

کرام اور تلامذہ پر بھی یہ ذوق غالب ہے اس کے باوجود وہ تصوف جدید کے رسوم سے متنفر اور مخالف ہیں۔ اپنے وصیت نامہ میں ... وصیت ۳۲ کے آخر میں فرماتے ہیں: نسبتہاء صوفیہ غنیمت کبرے است و رسوم ایشاں ہیچ نے ارزد و ایں سخن گراں خواہد بود اما مرو کارے فرمودہ اند بحسب آں مے باید کرد۔ صہ ۱۱۶ ملحقہ عقد الجید اسی وصیت ۳ کے شروع میں فرماتے ہیں: وصیت دیگر آن است کہ درست و دوست مشائخ ایں زماں کہ بانواع بدعت مبتلا ہستند ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد۔ و بغلو عام مغرور نباید بود و نہ بکرامات زیرا کہ اکثر غلو عام سبب رسم است و امور رسمیہ بحقیقت اعتبارے نیست و کرامات فروشاں ایں زماں ہمہ الا ما شاء اللہ طلسمات و نیرنجات را کرامات دانستہ اند۔ صہ ۱۱۴

اس زمانہ کے مشائخ کی بیعت نہیں کرنا چاہیئے لوگ مختلف قسم کی بدعات سے ملوث ہیں اور ان کے عام غلو سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے نہ ہی ان کی کرامات پر توجہ دینی چاہیئے۔ یہ غلو رسوم کا نتیجہ ہے اور رسمی چیزوں کی حقیقت کے بالمقابل کوئی قیمت نہیں۔ اس زمانے کے کرامت فروش طلسمات اور شعبدہ بازیوں کو کرامت سمجھے ہیں آپ نے تینوں سوالات میں جن بعض دیو بندی اہل حدیث حضرات کا ذکر فرمایا ہے وہی حضرات ہیں جن کو شاہ صاحب نے کرامت فروشی کا خطاب دیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہم (الاعتصام جلد ۱۹ ش ۴۴)

سوال: علیین اور سجین کہاں ہیں، روح کا تعلق قبر سے کیسا ہے کیا روح اور جسد دونوں کو راحت یا عذاب ہے یا کہ صرف روح کو؟

جواب: علیین اور سجین دو کتابیں ہیں۔ ایک میں نیکوں کے اعمال ہیں اور ایک میں بدوں کے اعمال۔ قرآن مجید میں ہے کتاب مرقوم۔ (الاعتصام جلد ۲ ش ۳۷)

توضیح الکلام علیین اور سجین دو کتابیں ہیں۔ ایک سجین اور ایک علیین۔ سجین سجن سے ہے اور سجن قید خانہ اور تنگ جگہ کو کہتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ کافر کی روح کے بارہ میں جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا نام کتاب سجین میں لکھ دو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔ ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے۔ صحیح بات یہ ہے

کہ اس کے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے۔ نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی۔ آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسط مرکز ہے۔ چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے زیادہ نیچے ہے اور جگہ ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی ہم نے اسے پھر نیچوں کا نیچ کر دیا، ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے۔ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا جب وُہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دئے جائیں گے۔ وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یہ سجین کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لیے لکھا جا چکا ہے کہ آخر ش جہنم میں پہنچیں گے ان کا نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اُس میں اب کچھ زیادتی ہو نہ کمی تو فرمایا ان کا انجام سجین میں ہونا ہماری کتاب میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ نیکوں کا ٹھکانہ علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے حضرت عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اسمیں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتویں آسمان پر ہے اور اسمیں مومنوں کی روحیں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے۔ عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے ظاہر یہ ہے کہ لفظ عُلو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے، جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہوگی۔ اسی لیے اُس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لیے فرمایا تمہیں اُس کی حقیقت معلوم ہی نہیں پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی ہے کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں (تفسیر ابن کثیر مترجم دہلی جلد ۵ ص ۴۳۹/۴۴) باقی رہا روح اور جسم کا تعلق کہ راحت یا عذاب دونوں کو ہے یا صرف روح کو۔ جب احکامِ الٰہی کے دونوں مکلف ہیں۔ دونوں مل کر احکام الٰہی کی ادائیگی کرتے، خلاف ورزی کی صورت میں دونوں نفسانی خواہشات کی لذت حاصل کرتے ہیں تو راحت یا عذاب میں ایک کو مخصوص کرنا قانونِ قدرت اور انسانی عقل کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا راحت یا عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے۔ باقی اس کی کیفیت سو قرآنی تعلیم کے مطابق وَلَا تَقْفُ

مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ " یہ برزخی معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سونپنا چاہیئے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب تحرہ علی محمد سعیدی

سوال: بعض لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ تمام روحیں جمعرات کے دن اپنے اپنے گھروں کو آتی ہیں اور گھر والے اگر خیرات کرتے ہیں تو وہ خوش ہو کر واپس لوٹتی ہیں، کیا ایسا کرنا چاہیئے اور یہ صحیح ہے؟

جواب: جمعرات میں ارواح کی آمد و رفت کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ (الاعتصام جلد ۳۳ ش نمبر ۲)

سوال: میری ایک حنفی دیوبندی سے بحث چل رہی ہے اس نے تین حدیثیں پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ تمام نبی اپنی اپنی قبروں میں زندہ اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر اس نے دعوےٰ کیا ہے کہ کوئی اہلحدیث عالم ان تینوں حدیثوں کو اور ان کے راویوں کو غلط ثابت نہیں کر سکتا؟ عبدالغفور گوجرانوالہ

جواب: انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یہ زندگی برزخی نہ کہ دنیوی انبیاء علیہم السلام برزخ میں زندہ ہیں بلکہ سب لوگ زندہ ہیں اسی لیے وہاں تعظیم و تعذیب کی صورت ہے۔ حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون" حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (فتح الباری) اور علامہ ذہبی نے اس کو منکر قرار دیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز پڑھنے کی روایت کا تعلق بھی عالم برزخ سے ہے نہ کہ دنیا سے اور یہ حدیث مسلم میں ہے اور قبر کے پاس درود پڑھنے سے آپ سنتے ہیں اس حدیث کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے اس کی سند جید ہے۔ مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اعرج ہے جو مجہول الحال ہے۔ مگر درود قبر کے پاس سننے میں بحث نہیں۔ (الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۸)

سوال: جمعہ اور عاشورہ کی رات ارواح کے گھروں کی طرف آنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات عید کے دن اور عاشورہ کی رات اور شعبان کی نصف رات کو گھروں میں آتی ہیں۔ صحن میں کھڑی ہو کر ہر ایک کو غمگین آواز سے پکارتی ہیں۔ اے میرے اہل و عیال اور اعزا و اقربا صدقہ کے ذریعہ ہم پر مہربانی کرو۔ ہمیں یاد کرو بھلاؤ نہیں۔ ہماری غربت میں ہم پر رحم کرو

جب کہ ہم تنگ وتاریک اور مضبوط جیل کی کوٹھڑی اور طویل ترین غم اور شدید ترین فقر میں مبتلا ہیں اور جو مال اب تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ کسی وقت ہمارے پاس تھا۔ اگر ہم اسے اللہ کی راہ میں صرف کرتے تو آج تم سے سوال کی ضرورت نہ پڑتی اب تم تو کھاتے پیتے ہو، مگر ہم عذاب الٰہی میں مبتلا ہیں۔ ___ جب اہل خانہ ان پر رحم وکرم نہیں کرتے تو وہ حزین وغمگین واپس ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ پکارتی ہوئی واپس ہوتی ہے ___ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے مایوس کردے جس طرح انہوں نے ہمیں صدقہ اور دعا سے محروم کر دیا۔ اھ فتاویٰ غرائب (مترجماً من العربیۃ)

اقول ___ (تعاقب) الحمد للہ رب العلمین سائل کو چاہیئے تھا کہ اس طرح سوال کرتا کہ روحوں کی آمد ثابت ہے یا نہیں۔ اور جواب اس طرح ہوتا کہ ثابت ہے (پھر اس پر کوئی دلیل ہوتی) جاننا چاہیئے کہ مذکورۃ الصدر دنوں اور راتوں میں ارواح کی آمد کی دلیل کسی مرفوع مسند اور متصل السند حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ ہاں اگر ان راتوں میں بغیر فرضیت اور وجوب کے عقیدہ واصرار کے صدقہ کریں تو یہ جائز ہے مگر اصرار وتاکید سے اس طور پر مستحب بھی کہنا کہ کبھی نہ چھوڑا جائے یہ شیطان کا حصہ ہے (صدقہ لوجہ اللہ نہیں ہے) جیسا کہ ملا علی قاری حنفی طیبی اور سید نے شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔ لا یجعل للشیطان شیئاً من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ کہ جو شخص مستحب امر پر اصرار کرے اور اسے لازمی اور ضروری قرار دے اور اس کی رخصت پر کبھی عمل نہ کرے وہ سمجھے کہ شیطان اسے گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے اب آپ خود ہی اندازہ فرمالیں کہ ایک بدعت اور منکر امر پر اصرار کرنے والے کا کیا حکم ہو سکتا ہے۔ (کذا فی مائۃ مسائل ص ۱۲)

اگرچہ معترضین (سائلین) کے کلام میں صدقہ کا ذکر نہیں تھا، مگر چونکہ اہل بدعت اور مشرکین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ (اہلحدیث) جمعہ کی رات کو صدقہ کرنے سے منع کرتے ہیں اسی لئے مناسب خیال کرکے مائۃ مسائل کی پوری عبارت ذکر کر دی گئی ہے۔ اور معترضین کی بھی یہی غرض تھی مگر چونکہ ان کے پاس دلیل نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس پر اکتفا کیا ہے۔

بعد ازاں واضح ہو کہ فریق مخالف کے لئے صرف چار چیزیں مسکت جواب بن سکتی ہیں، کتاب اللہ سنت رسول اللہ مستند اجماع امت۔ اور قیاس جلی جو کہ ان تینوں سے مستنبط ہوا اور غرائب فتاویٰ کا نقل

کر دینا اور وہ بھی خلاف عقل و نقل ہوں۔ مد مقابل پر حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔ اور ان کے غرائب فتاویٰ سے نقل کرتے ہیں اس بات پر قوی دلیل ہے کہ ان ذلیل لوگوں کو علم حدیث و اسناد بلکہ دین اسلام سے کوئی مس نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ حدیث کو غرائب فتاویٰ سے نقل کرتے ہیں۔ اور نشاندہی بھی نہیں کرتے کہ یہ حدیث ہے (چونکہ خود بھی نہیں سمجھتے) اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ حوالہ کا ذکر بھی نہیں کرتے کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے۔

یہ حدیث حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اخبار بالغیب کے قبیل میں سے ہے۔ اور اس قسم کی خبروں کا انبیاء کرام کے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ اور برزخ کے جمیع مسائل انبیاء کرام کو سونپ دیئے گئے ہیں۔ کسی عالم یا مولوی کے احساس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ غرائب کی مذکورۃ الصدر عبارت مخالفین کے خیال میں حدیث ہے۔ اور ہم ثابت کریں گے کہ ایسے الفاظ حدیث کے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی نے اس کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ وہ شخص اس سے استدلال کیسے کر سکتا ہے۔ جو علم سے تہی دامن ہو اور عقل و ایمان سے کورا ہو سوائے ان رسوائے زمانہ علم سے بھاگنے والوں کے۔

یہ بات کہ جمعہ کے دن صدقہ دینا باقی ایام پر زیادہ ثواب کا حق رکھتا ہے۔ جب شارع علیہ السلام نے کسی دن کی تخصیص نہیں کی۔ تو ہمیں کسی دن کی تخصیص کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور دوسرے ہفتہ بھر کے تمام دنوں میں بقدر وسعت صدقہ دینا چاہیئے۔ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم بلوغ المرام کی شرح مسک الختام میں حدیث۔ لا تخصوا ليلة الجمعة بقيام من الليالی ولا تخصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام (الحديث) کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کی رات کو نماز و تلاوت اور دیگر عبادات کے لئے مخصوص کرنا حرام ہے ہاں جن چیزوں کی نص آگئی ہے۔ انہیں خاص کرنا چاہیئے جیسے سورۃ کہف وغیرہ کی تلاوت ہے۔ اھ نیز نواب صاحب۔ شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کی اقرب وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ کہ وہ مخصوص ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور انہیں ہی اطاعت و عبادت کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار

کو خاص کیا ہوا ہے۔ ہاں جن چیزوں کی تخصیص شرع شریف میں وارد ہوگئی ہے۔ وہ جائز ہے اور ثابت ہے۔ مگر ہمیں اپنی طرف سے تخصیص کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں۔ بندہ ضعیف عفی عنہ کہتا ہے کہ اس انہی کا سبب یہ ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ ہر وقت اطاعت و عبادت الٰہی میں مشغول رہے بعض اوقات کو مخصوص کر لینا اور دوسرے اوقات کو معطل کر دینا کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ سبب جمعہ کی رات کو قیام کی نہی کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کما لا یخفٰی علی المتفطن اھ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث کے ذیل میں رقمطراز ہیں۔

السر فیہ شیئان احدھما سد التعمق لان الشارع لما خصہ بطاعات وبین فضلہ کان مظنۃ ان یتعمق المتعمقون فیلحقون بہا حرم بذالک الیوم اھ

یہ مضمون تلاش و جستجو سے دوسری احادیث سے بھی مل سکتا ہے۔ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ مومنوں کی روحیں آسمان پر رہتی ہیں۔ — عن عبد الرحمٰن بن کعب عن ابیہ قال لما حضرت کعب الوفاۃ اتتہ ام بشر بنت البراء بن معرور فقالت یا ابا عبد الرحمٰن ان لقیت فلانا فاقرأ علیہ منی السلام فقال غفر اللہ لک یا ام بشر نحن اشغل من ذالک فقالت یا ابا عبد الرحمٰن اما سمعت رسول اللہ یقول ان ارواح المؤمنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ فقال بلیٰ قالت فہو ذالک رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی کتاب البعث والنشور اھ

وعنہ عن ابیہ انہ کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ تعالیٰ فی جسدہ یوم یبعثہ اللہ رواہ مالک والنسائی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور وذکرھا صاحب المشکوٰۃ خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مومنوں کی روحیں جنت کے درختوں میں عیش و عشرت سے رہتی ہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بدنوں میں واپس کریں قیامت کے دن۔

کسی بھی گمراہ آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سی حدیث ہدایت کر سکتی ہے۔ اگر کسی کی فطرت سلیم ہو اور وہ شیطان کے اغواء سے محفوظ ہو تو فوراً جان لے گا کہ حدیث الفاظ۔ تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ روحیں ہمیشہ جنت میں رہتی ہیں۔

یا پھر اس حدیث کی تخصیص کے لئے بھی حدیث ہو جو یہ بتائے کہ مومنوں کی روحیں گھروں کو آتی ہیں مخصص حدیث حدیث بالا سے اصح ہو یا کم از کم اس کی ہم پلہ ہی ہو۔ چنانچہ مندرجہ بالا احادیث کی تائید میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت بھی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضر المؤمن الموت اتت ملٰئکۃ الرحمۃ بحریرۃ بیضاء فیقولون اخرجی راضیۃ مرضیا عنک الی روح اللہ وریحان ورب غیر غضبان فتخرج کاطیب ریح المسک حتی انہ لیناولہ بعضھم بعضا حتی یا تون بہ ابواب السماء فیقولون ما اطیب ھذہ الریح اللتی جا تکم من الارض فیأتون بہ ارواح المومنین فھم اشد فرحًا بہ من احدکم بغا ئبہٖ یقدم علیہ فیسألونہ ماذا فعل فلان ماذا فعل فلان فیقولون دعوہ فانہ کان فی غم الدنیا فیقول قدمات اما اتاکم فیقولون قد ذھب بہ الی امہ الھاویۃ وان الکافر اذا احضرا تتہ ملٰئکۃ العذاب بمسح فیقولون اخرجی ساخطۃ مسخوطًا علیک الی عذاب اللہ عزوجل فتخرج کانتن ریح جیفۃ حتی یأتون بہ الی باب الارض فیقولون ماانْتَنَ ھذہ الریح حتی یأتون بہ الی ارواح الکفار رواہ احمد والنسائی کذا فی المشکوٰۃ۔

سوال یہ ہے کہ اگر مومنوں کی روحیں گھروں کو آتی ہیں۔ تو پھر وہ مرنے والے کے روح سے کیوں کہتی ہیں۔ مَاذا فعل فلان مَاذا فعل فلان انہیں اپنے اہل خانہ کے حالات کا علم کیوں نہیں ہوتا۔ جب کہ وہ خود بھی ہر آٹھ روز کے بعد گھروں کو واپس آتی ہیں۔ اور فیقولون دعوہ فانہ کان فی غم الدنیا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نابکار ملحدین کے گھروں میں بھی نہیں آتیں خواہ ان کے اعزا و اقارب ہی ہوں اور مشکوٰۃ کے باب المعراج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت موجود ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء فلما جئت الی السماء الدنیا قال جبریل لخازن السماء افتح قال من ھذا قال ھذا جبریل قال ھل معک قال نعم معی محمد صلے اللہ علیہ وسلم قال ارسل الیہ قال نعم فلما علونا السماء الدنیا اذا رجل قاعد عن یمینہ اسودۃ وعن یسارہ اسودۃ اذا نظر قبل یمینہ ضحک واذا نظر قبل شمالہ

بکی فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قلت لجبریل من ھذا قال ھذا آدم وھذہ الاسودۃ عن یمینہ وعن شمالہ نسم بنیہ فاھل الیمین منہم اھل الجنۃ والاسودۃ اللتی عن شمالہ اھل النار فاذا نظر قبل یمینہ ضحک واذا نظر قبل شمالہ بکی ۔ (الحدیث)

معلوم ہونا چاہئے کہ موتوں کی روحیں دو امروں سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو ان پر نعمت کے آثار مترتب ہیں، یا عذاب کے آثار اگر آثار نعمت ہیں تو انہیں اہل دنیا سے مانگنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جیسا کہ عبد الرحمان کی حدیث گذشتہ میں ہے کہ قیامت تک جنت میں رہیں گے۔ اگر اس کا عکس ہے۔ تو ان پہ عذاب کے آثار مرتب ہوں گے۔ جیسا کہ سمرہ بن جندب کی روایت (جو بخاری میں ہے) سے معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ مشکوٰۃ المصابیح کے کتاب الرؤیا میں بھی مذکور ہے۔ کہ دو آدمی آئے اور مجھے اوپر لے گئے۔ میں نے وہاں لوگوں کو گونا گوں عذاب میں مبتلا دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ تو مجھے ان کے بارے میں بتایا گیا چنانچہ اس طویل حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فیضع بہ ما ترٰی الی یوم القیامۃ یعنی انہیں قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کفار کی روحیں عذاب میں مبتلا ہیں تو گھر کیسے آسکتی ہیں لیکن اس قسم کے مسائل صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل نور ایمان سے روشن ہو۔ اور اس نے سنت رسول کا ذوق بھی چکھا ہو ان اہل بدعت کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوسوں دور ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا الخ الآیۃ ؛

پس جو شخص منصف مزاج اور سنت کا پیروکار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے۔ اور جو شخص متعصب اور ہوا و ہوس کا لوجاری ہے۔ وہ شور وغوغا کرتا ہے۔ اور فاسقین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

ویسے یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے بھی نہیں ہے۔ اگر کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت کر دیں۔ تو سر آنکھوں پر ہمیں اس سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر ہوائے نفسانی کی وجہ سے وہابی ہونے کا طعنہ دیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ پھر وہ اس آیت شریفہ کا مصداق ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ قد تمت

فتاویٰ صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان صہ قلمی از مولانا محمد بن محمد حسن القاضی الخانفوری المولود سنہ ۱۲۷ھ ۴ شعبان والمتوفی ۶ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۲۸ھ تلمیذ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دھلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

۱۔ تصدیقات سید نذیر حسین محدث دہلوی م ۱۰ رجب سنہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء

۲۔ سید شریف حسین محدث دہلوی م سنہ ۱۳۰۴ھ سنہ ۱۸۸۶ء

۳۔ ڈپٹی احمد حسن محدث دہلوی م سنہ ۱۳۳۸ھ سنہ ۱۹۲۰ء

۴۔ سید عبدالواحد الغزنوی م

۵۔ محمد بن عبداللہ الغزنوی م سنہ ۱۲۹۶ھ

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وغیرہم فارسی سے اردو ترجمہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے۔ اور ان کو علم اور شعور رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے دوست اور آشنا وغیرہ کو پہچانتا ہے جس وقت اس کی قبر پر زیارت کو آئیں۔ اور یہاں تک کہ ان کی جوتیوں کی کھٹک اور ان کی آواز کو سنتا ہے۔ اور علاوہ ازیں جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے۔ اور اپنے ثبوت کے لئے اس حدیث شریف کو پیش کرتا ہے۔ عن[۱] انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا رواہ مسلم۔ اس کے جواب میں عمرو کہتا ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ ومن[۲] اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن

---

[۱] جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو جب لوگ واپس آتے ہیں وہ ان کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے [۲] اس سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے جو اس کو قیامت تک جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔

دعائھم غافلون ۔ بمصداق اس دلیل مبین کے ان کا سننا اور جاننا غیر ممکن ہے اور وہ ہرگز ہرگز قیامت تک نہیں سنیں گے اور نہ ان کی پکار کو پہنچیں گے۔ پس آپ حضرات کی خدمات مبارکات میں عرض ہے کہ زید اور عمرو کے خیالات کو موافق قرآن حدیث کے بیان فرما کر طرفین کے شک اور وہم کو رفع کر دیں۔ اور اس مسئلہ میں کس طرح اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اور خوب واضح طور سے بیان فرمائیں تاکہ یقین کامل آجاوے۔ بینوا توجروا۔

جواب ۔ قرآن وحدیث کی رو سے زید کا قول غلط ہے۔ اور عمرو کا قول صحیح ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قول کے لئے قرآن وحدیث میں دلیل موجود ہے چنانچہ ایک دلیل وہی آیت ومن[1] اضل ممن یدعوا من دون اللہ ہے جو عمرو کے قول میں موجود ہے۔ اور زید کے قول کے لئے قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ باقی رہی یہ حدیث (ان المیت اذا وضع فی قبرہ الخ) جو زید نے اپنے قول کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ اس سے اس کا قول ثابت نہیں ہوتا کیونکہ زید کا اپنے قول میں پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے۔ زید نے اپنے اس قول میں کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا اس کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں ہمیشہ باقی رہتی ہے حالانکہ حدیث مذکور سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ تو میت لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت قبر میں روح باقی رہتی ہے۔ باقی اور اوقات میں روح کا قبر میں رہنا حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا۔ زید کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اہل قبور کو علم وشعور رہتا ہے کہ جس کی وجہ سے زیارت کے وقت وہ اپنے دوست وآشنا وغیرہ کو پہچانتے ہیں۔ اور ان کے جوتوں کی آواز اور ان کی آواز کو سنتے ہیں۔ اس مقام میں بھی زید نے کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا۔ لہذا یہاں بھی اس دعوے کا ظاہر مطلب یہی ہوگا کہ اہل قبور کو ہمیشہ علم وشعور رہتا ہے۔ لیکن یہ دعوے بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ تو میت لوگوں کے جوتوں کی

[1] اور اس سے زیادہ گمراہ کون۔

آواز سنتا ہے۔ اور یہ میت کا سننا اس واسطے ہے کہ صحیح حدیث کے موافق اس وقت مردے کے جسم میں روح آجاتی ہے۔ سوا اس وقت کے آنے سے ہمیشہ مردے جسم میں روح کا آنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت میت کو علم وشعور رہتا ہے۔ اور حدیث مذکور سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ دفن کر کے لوٹنے کے بعد بھی اہل قبور کو علم وشعور رہتا ہے۔ لہٰذا اہل قبور کو ہمیشہ علم وشعور کا رہنا بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا۔ پس زید کا دوسرا دعویٰ بھی غلط ہوگیا۔ تیسرا دعویٰ زید کا یہ ہے کہ جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے یہ دعوے حدیث مذکور سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ پرندوں میں فرق کرکے پہچاننا بصارت یعنی آنکھ سے دیکھنے کے متعلق ہے حالانکہ حدیث مذکور سے میت کے لئے بصارت کا ہونا نہیں ثابت ہوتا لہٰذا حدیث مذکور سے میت کا پرندوں میں فرق کرکے پہچان لینا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اس کے علاوہ زید کا یہ دعوے عقلاً بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اپنی زندگی میں بھی اکثر پرندوں کے نر و مادہ میں نہیں فرق کرسکتا تو موت کے بعد کیونکر ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زید کا یہ قول بے سند اور خلاف شرع ہے اور عمرو کا قول مدلل اور شرع کے موافق ہے لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ زید کے قول سے پرہیز کریں۔ اور عمرو کے قول کو اختیار کریں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ[1] (پارہ ۲۲ سورہ فاطر) یعنی نہیں ہے۔ تو سنانے والا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اور فرماتا ہے۔ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ[2] (پارہ ۲۰ سورہ نمل) یعنی بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو یہ دونوں آیتیں نص صریح ہیں۔ اس بات پر کہ مردے نہیں سنتے ہیں۔ اور مردے کا سننا جیسا کہ زید کہتا ہے کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور زید کی یہ بات بھی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ قبروں پر جو لوگ زیارت کو آتے ہیں ان کو مردے پہچان لیتے ہیں۔ اور قبروں پر کوئی پرندہ بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کرکے پہچان لیتے

[1] تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ [2] تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

ہیں۔ اور زید نے اپنے ثبوت کے لئے جو حدیث شریف پیش کی ہے۔ اس سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا
چونکہ اس زمانہ میں بہت سے عوام و جہال احناف کا قریب قریب وہی خیال ہے جو زید کا ہے۔ اس لئے
یہاں غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار مصنفہ مولوی خرم علی صاحب حنفی سے سماع موتے کے متعلق ایک
مضمون نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ فتح القدیر میں مذکور
ہے۔ کہ میت کو سماع نہیں تو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہوتی ہے نہ میت
کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی
لاشوں کو کنویں میں ڈلوا کر ان سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار اس کو
تم نے سچا پایا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ مردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ تو فرمایا قسم
ہے اس ذات پاک کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ تر نہیں سنتے ہو۔ اس کا ایک
جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث ثابت ہے کہ عائشہ صدیقہ نے
اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا اول آیت یہ ہے کہ (وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ)
یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ اور ثانی آیت یہ ہے (فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ)
یعنی مقرر تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا۔ زندوں کی
نصیحت کے واسطے چنانچہ حضرت علی مرتضےٰ سے منقول ہے کہ قبرستان میں جا کر فرمایا کہ تمہاری عورتوں
کے نکاح ہو گئے۔ اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے۔ اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ ساکن ہو گئے یہ خبر
تمہاری ہے ہمارے پاس سو ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع
موتے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے تھا۔ بنا بر اعجاز کے تا کہ کافروں کو حسرت
زیادہ ہو اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ
اس کو دفن کر کے پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جوابدہی
سوال منکر اور نکیر کا اس خصوصیت کی یہ وجہ ہے تا اور حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے
تعارض نہ باقی رہے اس واسطے کہ دونوں آیتیں عدم سماع موتے کے مفید ہیں انتہی کلام الفتح نہر
الفائق میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور سماع بطریق معجزہ تھا

تو اس سے عموم سماعت موتیٰ ثابت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث صحیح سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر مومن سے جواب معقول سنتے ہیں۔ تو اس سے کہتے ہیں کہ نم کنومۃ العروس یعنے آرام سے سو جیسے دولہ سوتا ہے ظاہرا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن اس عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔ بالجملہ ہم لوگ اہل تقلید ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے پھر جن فقہا کے ہم مقلد ہیں۔ جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم انتہی مافی غایۃ الاوطار صفحہ ۲۸۵ جلد ۲۔

الحاصل میت کے سماع اور شعور کے متعلق زید کا قول کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کا قول غلط و باطل ہے۔ اور آیات مذکورہ بالا سے اور بعض احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے بعض اوقات مردوں کو سنا دے جیسا کہ وہ اپنی قدرت سے شجر و حجر وغیرہ کو سنا سکتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۱)

سوال۔ ماقولکم[1] رحمکم اللہ در مسئلہ سماع موتے در مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقید باب کتاب ہدایت فرمایند و نیز معنے سماع ارشاد فرمایند۔

جواب۔ باید دانست کہ در کتب فقہ حنفی مانند کنز الدقائق و شرح وقایہ و ہدایہ و عنایہ و کفایہ و بنایہ حواشی ہدایہ و مستخلص و عینی شرح کنز و در مختار وغیرہ در کتاب الایمان یعنی کتابیکہ در حلف کردن در قول و فعل مشتمل است مذکور است کہ اگر کسے حلف کرد کہ از فلان کس کلام نخواہم کرد این فلان کس بمرد و حالف بعد مردن او بر جنازہ یا بر قبر وے کلام از کرد حانث نخواہد بود زیرا کہ مقصود از کلام افہام یعنی فہمیدن است فہمیدن تعلق بہ شنیدن می دارد و مردہ لیاقت شنیدن ندارد زیرا کہ در مردہ حیات نیست لان الموت

[1] جناب کیا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ کتاب اور باب کے

زوال الحیات کذا فی الهدایۃ وغیرها وقوله وکذلك الکلام بان حلف لا یکلم فلانا لان المقصود من الکلام الافهام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت کذا فی الکفایۃ والعینی حاشیۃ الهدایۃ اما الکلام فلان المقصود منه الافهام والموت ینافیه ولا یرد ما فی صحیح البخاری من قوله صلعم لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یارسول الله فقالؑ والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من هولاء اومنهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی وذلك لان عائشة ردته بقوله تعالیٰ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وانه انما قال علی وجه الموعظة لِلْاَحْیَآءِ وبانه مخصوص باولئك تضعیفا للحسرة علیهم وبانه

حوالے سے جواب عنایت فرماویں۔

جواب۔ کتب فقہ حنفی مثلاً کنز الدقائق۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ عنایہ۔ کفایہ۔ بنایہ۔ مستخلص عینی۔ شرح کنز۔ درمختار وغیرہ کے باب الایمان میں مذکور ہے کہ "اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ فلاں آدمی سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس کے مرنے کے بعد یا اس کے جنازہ پر یا قبر پر جاکر بات کرے۔ تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے۔ اور سمجھ کا تعلق سننے سے ہے۔ اور مردہ سننے کی قابلیت نہیں رکھتا کیونکہ مردہ میں زندگی نہیں ہے۔ کیونکہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے باقی رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے گفتگو فرمائی تھی۔ تو اس کا جواب مشائخ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ بعض نے کہا یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ اس وقت تھا۔ جب کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں مردہ کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں رہتا۔ اور بعض نے کہا یہ من حیث المعنی ثابت نہیں۔ بلکہ مقصد زندوں کو تنبیہ کرنا تھا۔ نہ کہ کافروں کو سنانا جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور قرآن مجید میں ہے کہ مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ البتہ اس حدیث کے جواب میں اشکال واقع ہوتا ہے۔ کہ مردہ واپس آنے والے لوگوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے تو اس کو بھی اول وقت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کہ جب منکر ونکیر قبر میں سوال کرنے کے

خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکنہ یشکل ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الان یخص ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیما الکفار بالموتی لعدم الافاضۃ بعد سماعہم وھو فرع عدم سماع الموتی ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح فی الجنائز ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جہۃ المعنی لعلۃ تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام وھی مخالفۃ القرآن۔ تمام شد عبارت رد المختار در آخر باب کتاب الایمان وہم چنین مفتی الثقلین صاحب منار وکنز در کافی شرح وافی کہ در اعتبار واعتماد مثل ہدایہ است بہ بسط وتفصیل نوشتہ است بر کرا شک وشبہ باشد

لئے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے۔اس وقت سن بھی لیتا ہے۔ اس طرح حدیث اور قرآن کا مطلب آپس میں متعارض نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں کفار کو سننے کے بعد عدم افاضہ میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ عدم سماع موتی کی شاخ ہے یہ خلاصہ ہے کتب مندرجہ بالا کا۔

اور صاحب منار وکنز نے کافی شرح وافی میں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے باب عذاب القبر میں حضرت عائشہ وابن عمر کی متعارض حدیثیں بیان کی ہیں۔ اگر مردہ میں سماع نہیں ہے تو ابن عمر کی حدیث بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت سننے کی قوت بحال کر دی جاتی ہے۔ اس وقت سن لیتا ہے بعد میں نہیں سنتا جب کہ کافر اور مومن میں بعد ازاں راحت یا عذاب محسوس کرنے کی قوت باقی رکھی جاتی ہے۔ علامہ عینی حنفی نے شرح بخاری باب عذاب القبر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی آیت کہ "تو مردوں کو نہیں سنا سکتا" اور "تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا"، کے بعد اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہ جاتا کہ مردے نہیں سنتے فقہ حنفی کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں صرف دو چار اقتباس بطور نمونہ درج کئے ہیں۔

ہاں معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ کا عقیدہ ہے کہ مردہ میں علم سماعت قدرت اور ارادہ کی قوتیں بحال رہتی ہیں۔ اور ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مردہ ان صفات کی موجودگی میں بھی مردہ ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی زندہ نہیں ہیں کیونکہ یہ صفات تو ان کے نزدیک مردہ کی ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

درکافی نظر کند و بیند فان قلت ما وجہ ذکر حدیث ابن عمر وحدیث عائشۃ و ہما متعارضان فی ترجمۃ عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اہل القلیب کلامہ وتوبیخہ صلعم لہم دل ادراکہم کلامہ بحاسۃ السمع علی جواز ادراکہم الم العذاب بہ بقیۃ الحواس فحسن ذکرہما فی ہذہ الترجمۃ ثم التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبۃ اہل القلیب کانت وقت المسئلۃ ووقتہا اعادۃ الروح الی الجسد وقد ثبت من الاحادیث الاخری ان الکافر المسئول یعذب وان حدیث عائشۃ محمول علی غیر وقت المسئلۃ فبہذا اتفق الخبران کذا قال العینی الحنفی فی شرح البخاری من باب عذاب القبر واما قولہ تعالیٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان المیت لایسمع انتہی ماقال التفتازانی فی شرح المقاصد من کتب العقائد وروایات فقہ حنفی درباب عدم سماعت موتی بسیار اند بنا براختصار بر دو سہ روایت اکتفا کردہ شد وفرقہ صالحیۃ از معتزلہ قیام علم وقدرت وارادہ و سمع وبصر بمیت تجویز می کنند وثابت می نمایند الصالحیۃ اصحاب الصالحی مذہبہم انہم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت ویلزمہم جواز ان یکون الناس مع اتصافہم بہذہ الصفات امواتا وان لایکون الباری تعالیٰ حیا انتہی مافی شرح المواقف فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۳۳)

سوال۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندرین مسئلہ کہ سماعت موتے کلام احیاء ثابت است یا نہ بینوا توجروا۔

جواب۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ ارواح مفارقہ را ادراکے بخلق نوعے حیات بقدر مایتألم ویتلذذ بہ حاصل است قال الامام الاعظم رحمہ اللہ فی الفقہ الاکبر واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق وقال علی القاری فی شرحہ بعد اتمام

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردے زندوں کی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

القول اعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر مایتألم ویتلذذ الخ اما سماع موتے پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آں چنانچہ در کتاب ایمان بالاتفاق تصریح کردہ اند کہ میت را سماع نیست وآنکہ شیخ عبدالحق در شرح مشکوٰۃ نوشتہ کہ اکثر فقہا منکر اند و بعضے فقہاء واکثر مشائخ قائل اند۔ ادعائے محض است بشہادت یک روایت کہ مفید مدعائش باشد وموجب اذعان سامع گردد وتصدیق اختلافے کہ ہست در سماع موتے قلیل است ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ومن تبعہا ازاں منکر اند و تحدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ مَا اَنْتَ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ را بر سہو ونسیان حمل کردند و بعضے دیگر آں را قبول نمودہ بہ محل اعجاز و خرق عادت فرود آوردہ اند وبجواب از استدلال ام المومنین پرداشتہ اند چنانچہ از مواہب لدنیہ مفہوم می شود و در نفی سماع مطلق از موتے ہیچ شکے نیست در اینجا بنا بر آں ایراد کردہ می شود واحادیثے کہ در شرح صدور در اثبات سماع موتے وارد اند قابل تمسک نمی تواں شمرد کہ اکثر احادیث رسائل جلال الدین سیوطے از طبقہ رابعہ می باشند واحادیث طبقہ رابعہ قابل آں نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے تمسک باں کردہ شود چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی در عجالہ نافعہ می فرمایند کہ مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در رسائل ونوادر خود ہمیں کتابہا است

جواب۔ روح کو جسم سے الگ ہونے کے بعد قبر میں ایک ایسی زندگی نصیب ہوتی ہے جس سے وہ لذت حاصل کر سکتا ہے یا عذاب محسوس کرتا ہے۔ امام اعظم نے اس کو فقہ اکبر میں بیان کیا ہے اور ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے کو قبر میں دکھ اور لذت کا احساس ہوتا ہے باقی رہا سننے کا معاملہ تو اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ مردے نہیں سنتے چنانچہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو یہ لکھا ہے کہ "اکثر فقہاء سننے کا انکار کرتے ہیں اور کچھ فقہاء اور اکثر مشائخ اس کے قائل ہیں" یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے اور شیخ صاحب نے اپنے اس دعوے پر ایک بھی دلیل بیان نہیں فرمائی جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتی اور یہ تو تحقیق سے ثابت ہے کہ علمائے حنفیہ میں سے ایک بھی سماع موتے کا قائل نہیں ہے ہاں دوسرے لوگوں میں بقدر قلیل کچھ لوگ سماع موتیٰ کی طرف گئے ہیں اور حضرت عائشہ نے ان لوگوں کے جواب دے دیئے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ لفظ آئے ہیں مَا اَنْتَ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ (تو ان سے زیادہ نہیں سنتا) تو بعض نے ان الفاظ کو حضرت عمر کے نسیان پر محمول کیا ہے اور بعض

پس ماوامیکہ تصحیح۔ احادیث بتحقیق نمی شود استدلال بآنہا از داب محققین نیست حالا نقل روایات فقہیہ کہ در عدم سماع موتے در کتب متداولہ واقع اند پرداختہ می آید در در والمختار مرقوم است فلو قال ان ضربتك اوكسوتك اوكلمتك اودخلت عليك اوقبلتك تقيد كل منها بالحيات حتى لوعلق بها طلاقا اوعتقا لم يحنث بفعلها بميت انتہی مافی الدر المختار وعلامہ سید محمد امین معروف بابن عابدین در رد المختار حاشیہ در المختار نوشتہ اند۔ قوله تقيد كل منها بالحيات اه۔ اما الضرب فلانه اسم لفعل مولم يتصل بالبدن او استعمال آلة التاديب فى محل يقبله والا يلام والادب لا يتحقق فى الميت ولا يرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحيوة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعلوا الحيوة فى تلك الاجزاء المتصرفة التى لا يدركها البصر واما الكسوة فلان التمليك معتبر فى مفهومها كما فى الكفارة ولهذا لو قال كسوتك هذا الثوب كان هبة والميت ليس اهلا للتمليك وقال الفقيه ابو الليث لو كان بالفارسية ينبغى ان يحنث لانه يراد به اللبس دون التمليك ولا يرد قولهم انه لو نصب شبكة فتعلق بها صيد بعد موته ملكه لانه مستند الى وقت الحيوة والنصب والمراد انه على حكم ملكه فتملكه الورثة حقيقة لا هو وايضا هذا ملك لا تمليك

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ پر چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضؓ کے استدلال کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ مولسب لدینہ میں اس کی تصریح ہے اور جن احادیث سے مردے کا سننا ثابت ہوتا ہے وہ جلال الدین سیوطی کے رسائل سے نقل کی گئی ہیں، اور سیوطی کا ماخذ طبقہ رابعہ کی کتابیں ہیں جو عقیدہ کے اثبات کے لئے غیر معتبر ہیں۔ شاہ عبد العزیز دہلوی نے عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ سیوطی کی روایات جب تک ثابت نہ ہو جائیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں۔

اب فقہ حنفی اور تفسیر کی کتابوں کا دوبارہ سماع موتی اقتباس ملاحظہ فرماویں۔ رد محتار حاشیہ در مختار۔ فتح القدیر جا مع صغیر۔ ہدایہ۔ شرح مواقف۔ شرح مقاصد۔ فصول فی علم الاصول نظم الدلائل۔ اصول شاشی تفسیر درمنثور تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر جامع البیان۔ تفسیر جلالین۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر موضح القرآن۔ عینی شرح کنز میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی

هذا ما ظهر لی واما الکلام فلان المقصود منه الافهام والموت ینافیه ولا یرد ما فی الصحیح من قوله صلعم لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یارسول الله فقال علیه السلام والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من هولاء او منهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی وذلك لان العایشة ردته بقوله تعالیٰ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وانه انما قاله علی وجه الموعظة لِلْأَحْيَاءِ وبانه مخصوص باولئك تضعیفا للحسرة علیهم وبانه خصوصیته له علیه السلام معجزة لکن یشکل علیهم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه وبین الأیتین فانه شبه فیهما الکفار بالموتی لافادة عدم سماعهم وهو فرع سماع الموتی هذا حاصل ما ذکره فی الفتح هٰهنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انه وان صح سنده لکنه معلول من جهة المعنی بعلة یقتضی عدم ثبوته عنه علیه السلام وهی مخالفة للقرآن فافهم انتهی۔ ودر

قسم اٹھائے کہ میں تجھ سے بات کروں یا تجھ کو کپڑا پہناؤں یا تجھ کو ماروں یا تیرے پاس آؤں یا میں تیرا بوسہ لوں تو میری عورت کو طلاق ہو یا میرا غلام آزاد ہو جائے تو یہ تمام چیزیں زندگی کے ساتھ مقید ہوں گی اگر مرنے کے بعد اس سے کلام کرے یا اس کو کفن پہنائے یا مرنے کے بعد اس کو مارے یا اس کی میت کے پاس جائے۔ تو اس صورت میں نہ اس کی قسم ٹوٹے گی نہ عورت کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا۔ کیونکہ مار یا ادب سکھانے کے لئے ہوتی ہے یا سزا دینے کے لئے اور یہ دونوں چیزیں مردے میں نہیں ہیں۔ اگر کہا جائے۔ کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں رکھے جانے کے بعد ایک طرح کی زندگی اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ برزخ کے عذاب کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ جو فقہاء کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی لگائے اور اس کے مرنے کے بعد مچھلی کنڈی میں اٹک جائے۔ تو اس مچھلی کا وہ مالک ہوگا۔ اگر مردہ کسی چیز کا مالک نہیں تو پھر اس کا مالک کیسے بنے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے۔ اور میت کی ملک سمجھ کر ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور

جامع صغیر نوشتہ وکذلک الکلام لان معناہ الافہام والموت ینافیہ الاتری الی قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ۔ ودرہدایہ نوشتہ من قال ان ضربتک فعبدی حر فمات تضرب فہو علی الحیات لان الضرب اسم بفعل مؤلم یتصل بالبدن والا یلام لا یتحقق فی المیت ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ ودرعنایہ می نویسد قولہ وکذلک الکلام بان حلف لایکلم فلانا ولا یدخل دار فلان لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت الخ انتہی۔ و درشرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم و قدرت وارادہ وسمع وبصر بمیت مذہب فرقہ صالحیہ از معتزلہ است عبارتش ایں است الصالحیۃ اصحاب الصالحی وہذا من ھبہم انہم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت و یلزمہم جوازان یکون الناس مع اتصافہم بہذہ الصفات اموا تا وان لا یکون تعالی حیا انتہی درشرح مقاصد علامہ تفتازانی مرقوم است۔ اما قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان الموتی لاتسمع انتہی ودرغرائب فی تحقیق المذاہب نوشتہ رأی الامام الاعظم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بدر کے کافروں سے خطاب کیا تھا. تو وہ من حیث المعنیٰ ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے قرآن پاک کی آیت وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اور أَنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ سے اس کی تردید کر دی تھی۔ پھر بعض نے اس کو معجزہ پر محمول کیا بعض نے زندوں کی عبرت کے لئے اس کو کہا اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے وہ قبر میں منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت ہوتا ہے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ مردے نہیں سنتے البتہ معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ مرے کے لئے علم۔ قدرت۔ سماعت۔ بصارت ثابت کرتے ہیں ان کے مذہب کے مطابق خداوند تعالے ان صفات کے ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں ہیں بلکہ مردہ ہیں۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے کہ ایک

ابو حنیفة من یاتی قبورا هل الصلاح فیسلم و یخاطب و یتکلم و یقول یا اهل القبور هل لکم من خبر و هل عندکم من اثر فانی اتیتکم و نادیتکم من شهور و لیس سوالی منکم الا الدعاء فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفة یقول مخاطبة لهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال سحقا لك و تربت یداك کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا و لا یملکون شیئا و لا یسمعون صوتا و قرأ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ انتهی۔ و در فصول فی علم الاصول می نویسد لو حلف لا یکلم فلانا و کلمه بعد الموت او ضربه بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافهام و الایلام انتهی۔ و در نظم الدلائل می نویسد ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکون مرئی انتهی و در شاشی نویسد من حلف لا یکلم فلانا فکلمه بعد الموت لا یحنث لعدم الاسماع انتهی۔ و در تفسیر در منثور می نویسد اخرج ابو سهل السدی بن سهل بن الجنید النیشاپوری فی الخامس من حدیثه من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَ: مَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یقف علی القتلی یوم بدر و یقول هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا یا فلان یا فلان الم تکفر بربك الم تکذب بنبیك الم تقطع رحمك فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما تقول فقال ما انتم باسمع منهم لما اقول فانزل اللہ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ انتهی و در تفسیر بیضاوی نوشته انما یستجیب الذین ای یستجیب

آدمی قبرستان میں نیک لوگوں کی قبروں کے پاس جاکر کہہ رہا تھا کہ کیا تم کچھ سنتے ہو یا نہیں؟ تم میں کوئی بھلائی ہے یا نہیں؟ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آرہا ہوں میری التجا صرف یہ ہے کہ تم میرے حق میں دعائے خیر کرو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا انہوں نے تجھ کو کوئی جواب دیا ہے؟ کہنے لگا نہیں آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تجھ پر افسوس تو مردوں سے کلام کرتا ہے۔ جو تجھے کوئی جواب نہیں دے سکتے جو آواز نہیں سن سکتے پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ

الذین یسمعون بفہم و تأمل کقولہ تعالیٰ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ و ھولاء کالموتی الذین لا یسمعون ودر تفسیر جامع البیان تحت آیت کریمۃ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰہُ می نویسد ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون انتہی ودر جلالین تحت وَالْمَوْتٰی می نویسد ای الکفار شبههم بهم فی عدم السماع انتہی ودر نیشاپوری وکشاف تحت آیۃ کریمۃ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ می نویسد یعنی ان الذین تحرص علی ان یصدقوک بمنزلۃ الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من سمع انتہی۔ ودر معالم التنزیل تحت ہمیں آیت می نویسد انهم لفرط اعراضهم عما یدعون الله کالمیت الذی لا سبیل الی سماعه والصم الذی لا یسمع انتہی۔ در موضح القرآن تحت فائدہ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰہُ مرقوم است کہ یہ کافر مثل مردے کے ہیں سنتے نہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے انتہی وفی فتح القدیر فی کتاب الجنائز هذا عند اکثر مشائخنا وهو ان المیت لا یسمع عندهم علی ما صرحوا به فی کتاب الایمان فی باب الیمین بالضرب لو حلف لا یکلم فلانا فکلمه میتا لا یحنث لانها تنعقد علی ما حیث یفهم والمیت لیس کذلک لعدم استماع انتہی وایضا فیه فی ذلک الباب قوله وکذلک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلمه اقتصر علی الحیوۃ فلو کلمه بعد موته لا یحنث فان المقصود منه الافهام والموت ینافیه لانه لا یسمع فلا یفهم انتہی وفی العینی شرح الکنز عبارته هکذا الیمین فی الضرب و القتل وغیر ذلک ولو قال رجل ان ضربتک فعبدی حر وان کسوتک فعلی کذا

مَنْ فِی الْقُبُوْرِ (تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا) تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار کے مقتولوں سے سوال کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ خداوند تعالےٰ نے کفار کو عدم سماع کی وجہ سے مردوں سے تشبیہ دی ہے اگر مردے سن سکتے ہوتے تو اللہ تعالےٰ یہ تشبیہ بیان نہ کرتے قصہ مختصر یہ کہ قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ واللہ اعلم۔

وان کلمتك فامرأتی طالق وان دخلت علیك فامتی حرة تفیه یمین بحیوۃ المخاطب ولو فعل به هذه الاشیاء بعد موت المخاطب لم یحنث لان هذه الاشیاء لا یتحقق فی المیت لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لا یتصور ومن یعذب فی القبر توضع فیه الحیوۃ علی الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتها الی ان قال والکلام للافهام فلا یتحقق فی المیت فان قلت قال صلی اللہ علیه وسلم لقتلی بدر من المشرکین هل وجدتم ما وعد ربکم حقا قلت رد ته عائشة رض وقالت قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ولئن ثبت فهو مختص بالنبی صلی اللہ علیه وسلم و یجوز ان یکون ذلك لوعظ الاحیاء لا علی سبیل الخطاب للموتی انتہی۔ بالجملہ از کتاب و سنت ثابت ست کہ موتے را سماع حاصل نیست واللہ تعالےٰ اعلم۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید شریف حسین	سید محمد نذیر حسین

سید شریف حسین محدث دہلویؒ

بن شیخ الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلویؒ م ۱۳۲۰ھ کے اکلوتے فرزند تھے ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے مختلف اساتذہ سے مختلف علوم پڑھے حدیث وفقہ اپنے قابل صد فخر والد گرامی سے پڑھی سند واجازت حضرتؒ الاجابی سید نواب صدیق حسنؒ بھوپالی م ۱۳۰۷ھ اور شیخ حسین بن محسن انصاریؒ یمنی م ۱۳۲۶ھ سے حاصل کیا بڑے ذہین وفطین تھے فتویٰ نویسی میں مکمل دسترس حاصل تھی بڑے نیک دل اور صالح تھے میاں صاحب کی مسجد کے امام بھی تھے اور اسکے متعلق میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "میرا سا امام دلی سے کلکتہ تک نہیں" قرآن وحدیث کا درس بڑی خوش سلوبی سے ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک روز گلی میں بیٹھ کر حدیث پڑھا رہے تھے کہ آپکے ماموں مولوی عبدالرب صاحب آنکلے کہنے لگے گلی میں بیٹھ کر پڑھا رہے ہو؟ جواب میں کہنے لگے انشاء اللہ اسیطرح گلی گلی قرآن وحدیث پھیلے گا۔ چونکہ حضرت میاں صاحب کی زندگی میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ اسلئے لوگوں کا رجحان آپ کی طرف نہ ہوا۔ ورنہ اپنے والد کی طرح بڑے بلند پایہ شیخ الحدیث تھے۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ

(عبدالرشید اظہر)

باب التعزیّت

سوال :۔ اگر کسی شخص کے رشتہ دار قریبی کسی شہر میں جو کہ فاصلہ پر ہو تو۔ اس کو بطور تعزیت کے سفر کر کے وہاں جانا درست ہے، یا نہیں۔

جواب :۔ یہ امر ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان کو وقتاً فوقتاً مختلف مقامات میں سفر کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے، خواہ وہ ضرورت شدید ہو یا خفیف۔ بعض اوقات بلا ضرورت محض سیر و سیاحت اور تفریح طبع کے لئے بھی سفر کیا جاتا ہے، شریعت نے اس کو بھی مباح و مشروع فرمایا ہے۔ اور اس میں قصر صلوٰۃ و افطار صوم کی رخصت فرمائی ہے۔ یہ قید نہیں لگائی۔ کہ سفر اگر ضروری ہو تو رخصت پر عمل کیا جائے، اور اگر غیر ضروری ہو تو نہ کیا جائے، سفر کبھی تجارت اور تحصیل علم کے لئے کیا جاتا ہے، اور کبھی جویہ یش و اقارب و احباب کی ملاقات اور دردمندی اور نفع رسانی وغیرہ کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان بندوں کی مدح و ثنا فرماتا ہے۔ جو تجارت و حصول علم کے لئے سفر کرتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلک طریقا یطلب علما سہّل اللہ لہٗ طریقًا الی الجنۃ۔ رواہ الترمذی وغیرہ ائمہ محدثین و مجتہدین نے احادیث کی تلاش و جستجو و تحقیق کے لئے بڑے بڑے سفر کئے، ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز منزلیں طے فرمائیں۔ ایسے ہی تعزیت و بیمار پرسی کے لئے سفر کرنا مشروع و محمود ہے، کیونکہ اس میں غائت درجہ کی صلہ رحمی اور اخوت و دردمندی پائی جاتی ہے، اور صلہ رحمی کے لئے جس قدر تاکید قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ اس کی تشریح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی،

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ یعنی سب اہل ایمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اگر دو بھائیوں میں نزاع واقع ہو تو۔ رفع نزاع اور مصالحت میں کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ہم کو معلوم ہو کہ فلاں مقام پر جو کہ اپنے وطن سے دور دراز فاصلہ پہ واقع ہے، چند مسلمانوں میں خانہ جنگی اور نزاع وخلاف کا شعلہ بھڑک رہا ہے، تو یہ کون کہہ سکتا ہے، کہ اس کے بجھانے، اور فرد کرنے کے لئے ہم کو سفر کرنا، اور مقام مذکور پر پہنچنا جائز نہیں۔ بلکہ بہت مناسب اور پسندیدہ اور عمدہ طور پر اتباع سنت وتعمیل ارشاد خداوندی ہے:

اور جس حدیث سے اس قسم کے سفر کی ناجوازی کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی کیفیت مختصر طور پہ بیان کی جاتی ہے، وہ حدیث یہ ہے، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد۔ یعنی سوا تین مسجدوں کے (مسجد الحرام ومسجد نبوی ومسجد الاقصیٰ اور کسی کی طرف سفر نہ کیا جائے، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں تحت اس حدیث کے بعد بیان اختلاف ونقل دلائل فریقین کے لکھتے ہیں: قال بعض المحققین قولہ الا الی ثلثۃ مساجد المستثنی منہ محذوف فاما ان یقدر عاما فیصیر لا تشد الرحال الی مکان الا الی الثلثۃ او اخص من ذلک لا سبیل الی الاول لافضائہ الی سد باب السفر للتجارۃ وصلۃ الرحم وطلب العلم وغیرھا۔ فتعین الثانی والاولی ان یقدر ما ھو اشد مناسبۃ وھو لا تشد الرحال الی مسجد للصلوۃ فیہ الا الی الثلثۃ فیبطل بذلک قول من منع شد الرحال الی زیارۃ القبر الشریف وغیرھا من قبور الصالحین واللہ اعلم وقال السبکی الکبیر لیس فی الارض بقعۃ لہا فضل لذاتہا حتی تشد الرحال الیہا غیر البلاد الثلثۃ ومرادی بالفضل ما شہد الشرع باعتبارہ ورتب علیہ حکما شرعیا واما غیرھا من البلاد فلا تشد الیہا لذاتہا بل لزیارۃ او جہاد او علم او نحو ذلک من

المباحات والمندوبات وقد التبس ذلك على بعضهم فزعم ان شد الرحال الى الزيارة لمن فى غير الثلثة داخل فى المنع وهو خطاء لان الاستثناء انما يكون من جنس المستثنى منه فمعنى الحديث لا تشد الرحال الى مسجد من المساجد او الى مكان من الامكنة لاجل ذلك المكان الا الى الثلثة المذكورة وشد الرحال والى زيارة او طلب علم ليس الى المكان بل الى من فى ذلك المكان والله اعلم۔

یعنی بعض محققین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ سوائے تین مسجدوں کے کسی کی طرف سفر کرنا جائز نہیں۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کسی مقام کی طرف خواہ وہ مسجد ہو یا غیر مسجد سفر کرنا سوائے تین مسجدوں کے جائز نہیں۔ دوئم یہ کہ کسی مسجد کی طرف سوائے تین مسجدوں کے سفر کرنا جائز نہیں۔ پہلے معنی تو صحیح نہیں ہو سکتے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تجارت و طلب علم و صلہ رحم کے لئے بھی سفر نہ کیا جائے، پس معنی دوم صحیح ہوئے، زیادہ تر مناسب معنی اس حدیث کے یہ ہیں۔ کہ ادائے نماز کے لئے کسی مسجد کی طرف سوائے تین مسجدوں کیلئے سفر کرنا درست نہیں، پس جو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت یا اولیا و صالحین کی زیارت قبور کے لئے سفر کرنا منع کرتے ہیں۔ ان کا قول اس سے باطل ہے، علامہ سبکی کہتے ہیں۔ روئے زمین پر سوائے تین مسجدوں کے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو ذاتی فضیلت اور شرافت ثابت ہو، اور اس قابل ہو کہ اس کی طرف سفر کیا جائے، فضیلت سے مراد وہ ہے، جس کا شریعت نے اعتبار کیا، اور اس پر حکم شرعی قائم فرمایا، ان تین کے سوا اور کسی شہر و مقام کو ذاتی فضیلت و کرامت ثابت نہیں، اس لئے خاص ان کی ذات کے لئے سفر کرنا درست نہیں، بلکہ زیارت یا طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لئے مشروع ہے،

بعض علماء کو اس سے شبہ پیدا ہوا، انہوں نے زیارت کے لئے کسی مقام کی طرف سوا ان تین مسجدوں کے سفر کرنا درست نہیں قرار دیا، یہ اُن کی غلطی ہے، کیونکہ استثناء مستثنےٰ منہ کی جنس سے ہونا چاہئے، پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ کسی مسجد یا مکان کی طرف خاص اس کی ذات کے لئے سفر کرنا، سوا ان تین مسجدوں کے جائز نہیں، زیارت یا طلب علم کے لئے کسی مقام کی طرف سفر کرنا خاص اس مکان کی ذات کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ اس مکان میں جو موجود ہوتا ہے، (علم والا یا قابل زیارت) اس کے لئے ہوتا ہے، (فتح الباری پارہ پنجم صفحہ ۶۲۲) پس معلوم ہوا کہ کسی رشتہ دار یا دوست وغیرہ کی تعزیت و عیادت کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں، بلکہ فعل محمود اور موجب ثواب ہے، اگر یہ شبہ گذرے کہ اس سفر کے مشروع قرار دینے سے یہ خرابی ہوگی کہ لوگ کثرت سے زیارت قبور کیلئے سفر کریں گے اور افعال شرکیہ بجالائیں گے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس قسم کے اشخاص ہر زمانہ میں بکثرت پائے گئے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاً زیارت قبور سے اسی لئے منع فرمایا تھا کہ لوگ افعال شرکیہ و جزع و فزع میں مبتلا ہوتے ہیں، جب اسلام کی ترقی ہوئی، اور احکام شرعیہ بخوبی شائع ہوئے، تب آپ نے فرمایا کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔ بغیر سفر کے زیارت قبور میں لوگ افعال شرکیہ کرتے ہیں، یہی کیفیت سفر کی ہے، واللہ اعلم۔

(فتاویٰ ارشاد السائلین الی المسائل الثلثین صفحہ ۳۱/۳۲) | حررہ عبدالجبار عمرپوری

توضیح الکلام:۔ زیارت قبور کا مقصد صرف عبرت حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، فزوروا القبور فانہا تذکرا لموت۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۵۴ جلد ۱ بحوالہ مسلم شریف اولیاء و صلحاء اور خویش واقربا، (فوت شدہ) کی ملاقات مقصود نہیں ہے، چونکہ نہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں، اور نہ ان سے ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:۔ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ۔

جب ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے، اور نہ ہی گفتگو کر سکتے ہیں۔ تو پھر دور دراز کے سفر کی کیا ضرورت

ہے، دیدۂ عبرت نگاہ ہو تو قرب و جوار کے قبرستان ہی کافی ہیں، بلکہ حصول مقصد کے لئے کوئی بوسیدہ اور گرا ہوا قبرستان زیادہ موزوں ہے،

سلف و خلف میں سے کسی محدث و فقیہ سے زیارت قبور کے لئے دور دراز کا سفر کرنا منقول نہیں ہے، حالانکہ تجارت، طالب علم، صلہ رحمی، تعزیت اور ہمدردی کے لئے جانا ثابت ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے لئے عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں، صرف زیارت قبور کے لئے دور دراز کے سفر کر کے جانے پر کوئی عقلی و نقلی دلیل نہیں ہے، واللہ اعلم۔

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

جنازہ کیلئے سپیکر پر اعلان

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

(۱) نماز جنازہ کے لئے سپیکر پر مسجد میں اعلان کرنا، کہ فلاں وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یا فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اور از روئے شریعت جائز ہے کہ نہیں یا صحابہ کرام رضی تابعین و اتباع تابعین و دیگر سلف و صالحین سے اس کا ثبوت ملتا ہے، کہ کسی نے کسی کی وفات پر مسجد میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر جنازہ کا اعلان کیا ہو۔

جواب بعون الوہاب:۔ نماز جنازہ کے لئے اعلان کرنا جائز ہے، سنن سعید بن منصور میں ابراہیم نخعی کا قول ہے،

لا باس اذا مات الرجل ان یؤذن صدیقہ واصحابہ (نیل ص ۵۶ ج ۴)

یعنی جب کوئی شخص فوت ہو جائے، تو اپنے دوست اور رشتہ داروں اور رفیقوں کو خبر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابوداؤد میں حصین بن وحوح انصاری سے روایت ہے، کہ طلحہ بن براء بیمار تھے، اور قریب المرگ تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب یہ فوت

ہو جائے، فاذنونی بہ (تو مجھے خبر دینا)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ موتہ کے شہداء کے فوت ہونے کی خبر دی۔ فالحاصل ان الاعلام للغسل والتکفین والصلوٰۃ والحمل والدفن مخصوص من عموم النھی الخ (نیل صفحہ ج ۴)۔ یعنی حاصل کلام کا یہ ہے، کہ غسل۔ کفن دفن اور نماز جنازہ . . . . کے لئے خبر دینا عموم نہی سے مخصوص ہے، کہ یہ جائز ہیں۔

محمد عبد اللہ، ادارہ علوم اثریہ لائلپور

تعاقب از عارف حصاری:۔

واضح ہو کہ اس فتوی کے مفتی صاحب کوئی معمولی عالم یا مولوی نہیں ہیں۔ بلکہ ادارہ علوم اثریہ کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم ہیں، جن کا اسم گرامی بیخ تعریف مولانا عبد اللہ صاحب محدث لائل پوری مدظلہ العالی ہے، لیکن حیرانگی یہ ہے کہ انہوں نے فتویٰ ایسا صادر کیا ہے، جو آن کے شایانِ شان نہیں ہے، باوجودیکہ خود محدث اور شیخ الحدیث ہیں، اور بلند پایہ محدث مرحوم کے شاگرد ہیں، پھر ایسا سادگی سے فتویٰ لکھا ہے، کہ وہ سوال کے مطابق نہیں ہے، جبکہ اس مقولہ کا مصداق ہے، "سوال از آسمان جواب از ریسماں"۔ یا یوں کہیئے، سوال گندم جواب چنا، علم اور ناظرین دانشور خود سوال وجواب پڑھ کر غور فرمالیں۔ کہ سوال سائل کا لاؤڈ سپیکر پر مسجد میں منادی کرنے کا ہے، جیسا کہ عام رواج ہے، کہ دیہات اور شہروں میں ایسا کر رہے ہیں، لیکن، حضرت مفتی نے ادارہ علوم اثریہ کے سمندر علمی میں غوطہ لگا کر جواہرات نکالے ہیں، وہ یہ ہیں کہ موت کی خبر کرنا، اپنے احباب رشتہ داروں اور رفیقوں کو جائز ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے، کہ عام منادی کرنا، اور چیز ہے، اور کسی شخص کا اپنے احباب اور اقرباء سے ملتے ہوئے کسی کی موت کی خبر بتانا، اور چیز ہے، سائل کا سوال اول صورت سے ہے، دوسری کے جائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے، تو سب مسلمان ایک دوسرے کو خبر بتا کر اظہار افسوس کرتے ہیں، نہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ اپنے امام عالم کو خبر دے کر

بلانا جائز ہے، نہلانے والے کو اطلاع دے کر، غسل کروانا جائز ہے، اور قبر کھودنے والوں کو بلانا اور بتانا جائز ہے،

لیکن لاؤڈ سپیکر پر اعلان اور منادی کرنا، یا بازاروں میں کسی ڈھنڈورچی کو بھیج کر منادی کرانا، کہ فلاں شخص عالم یا خان صاحب، یا چودھری، یا لیڈر، یا صدر مملکت یا وزیر اعظم یا مجسٹریٹ یا سشن جج یا شیخ الحدیث یا علامہ محدث وغیرہ کا نام لے کر اعلان اور منادی کرنا، اور نماز جنازہ کا وقت بتلانا تاکہ اس وقت لوگوں کا کثیر اجتماع ہو جائے، بلکہ کسی عالم کے جنازہ کو روک رکھنا، اور دور، دور کے شہروں کے علماء اور عوام کو بذریعہ تار یا ٹیلیفون کے خبر دے کر جنازہ پر بلانا یہ صورت جائز ہے یا نہیں سائل کا مقصد یہی ہے،

حضرت العلام مولانا عبداللہ صاحب محدث لائل پوری کو اس صورت کا مدلل جواب دینا چاہئے تھا۔ ان کے پاس ماشاء اللہ کتب شرعیہ کا اس قدر ذخیرہ ہے، کہ اس کا نصف حصہ بھی اس قلیل البضاعۃ کے پاس نہیں ہے، لیکن ان کا فتویٰ محدثانہ نہیں ہے، اور نہ فقیہانہ ہے بلکہ عامیانہ ہے، اور طرز استدلال علماء اہل حدیث کا نہیں ہے، بلکہ اہل رائے اور زمانہ کی مصلحت پر مبنی ہے، سائل نے عرض کیا تھا۔ کہ فتویٰ از روئے شریعت محمدیہ کے دیا جائے، اور آنجناب نے سب سے پہلے ابراہیم نخعی پیشوا اہل رای کا قول پیش کر دیا ہے، جو سوال کے جواب سے دور ہے، ابراہیم نخعی یہ فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اپنے احباب اور ساتھیوں کو یہ بتا دے، کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، تو اس میں کوئی قیامت نہیں ہے،

یہ دلیل سائل کے سوال کا جواب نہیں ہے، مفتی صاحب محدثانہ طرز استدلال اختیار کرتے، تو یوں جواب دیتے کہ منتقی الاخبار مع نیل الاوطار کے صہ۵۶ ج۴ پر یوں باب منعقد کیا گیا ہے۔ باب ماجاء فی کراھیۃ النعی یعنی یہ باب اس مسئلہ کے بیان میں ہے، کہ موت کا اعلان کرنا مکروہ ہے، اور ترمذی شریف کا حوالہ دیتے کہ اس کے صہ۱۱۱ میں، باب ماجاء فی کراھیۃ النعی پھر آپ یہ حدیث مرفوع پیش کرتے عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال اذا مت فلا تؤذنوا بی احدا فانی اخاف ان یکون نعیا وانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ینھیٰ عن النعی (ھٰذا حدیث حسن) یعنی حضرت حذیفہ صحابیؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے فرمایا، کہ جب میں فوت ہو جاؤں، تو میری موت کی عام طور پر خبر نہ کرنا۔ مجھے اندیشہ ہے، کہ یہ خبر کرنا نعی کی صورت اختیار نہ کر جائے۔ میں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، کہ آپ نے موت کی خبر عام پھیلانے اور مشہور کرنے سے منع فرمایا ہے، باب اور حدیث سے نعی کی ممانعت ثابت ہے، پھر امام ترمذی نے یہ حدیث پیش کی ہے جو پہلی حدیث کی مؤید ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والنعی فان النعی من عمل الجاھلیۃ قال عبد اللہ والنعی اذان بالمیت۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا، کہ جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میت کا اعلان کرنے سے بچو، کیونکہ اعلان کفر کے زمانہ کی رسم ہے، عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ اعلان اور منادی کرنی کفر کے زمانہ کی رسم ہے، اس سے بچو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔ قد کرہ بعض اھل العلم النعی۔ بعض علماء نے نعی کو بُرا سمجھا ہے، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں۔ والنعی عندھم ان ینادی فی الناس بان فلانا مات لیشھدوا جنازتہ یعنی نعی عربی محاورہ میں اہل علم کے نزدیک یہ ہے، کہ لوگوں میں عام منادی کرنی کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اس کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ لوگ اس میت کے جنازہ پر حاضر ہو جائیں، پھر ابراہیم نخعی کا قول لکھا ہے، کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ دار کو بتا دے، کہ فلاں شخص مر گیا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، دیگر اہل علم نے بھی یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے قریبی کو اور اپنے بھائیوں کو خبر کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے،

اس صراحت سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ موت کی خبر ایک دوسرے کو بتانا تو جائز ہے، لیکن منادی بازاروں میں اور سپیکر پر کرنا منع ہے، اس سے سائل کا سوال حل ہو گیا ہے، کہ مسجد میں جو عام منادی کرتے ہیں، کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، یا فلاں شخص کا جنازہ تیار ہے،

نماز کے لئے حاضر ہو جاؤ، یہ منع ہے، اگر منادی کرنا جائز ہوتا تو اذان اور تثویب جائز کی جاتی، حالانکہ یہ فرض کفایہ ہے، اس کے لئے ندا، اذان اور تثویب مشروع نہیں کی گئی، اس لئے حضرت حذیفہ جو اعلم بالمراد ہیں، اپنی قوم کے کسی میت کی عام خبر پھیلانے سے منع کرتے تھے، چنانچہ مسند احمد جلد نمبر ۵ ص۴۰۶ باب ماجاء فی النھی المیت کے تحت یہ حدیث ہے عن حذیفۃ ابن الیمان رضی اللہ عنہ انہ کان اذا مات لاتوذنوا بہ احداً انی اخاف ان یکون نعیا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن النعی"

یعنی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، کہ وہ جب ان کا کوئی شخص فوت ہوتا تو اس کی عام طور پر خبر نہ کرتے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ اس نعی کی صورت اختیار نہ کر جائے جو منع ہے، کیونکہ میں نے آنحضرت سے یہ سنا ہے کہ آپ کسی کی موت کا اعلان کرنے سے منع فرماتے تھے، اب مفتی صاحب انصاف کریں کہ جب صحابی بصورت احتیاط عام خبر پھیلانے سے منع فرماتے تو لاؤڈ سپیکر کی منادی کیسے جائز ہوگی، یہ تھا محدثانہ استدلال جس سے آپ نے دور رہ کر عامیانہ بھول روی کا طریقہ اختیار کیا کہ موت کی خبر دینی جائز ہے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ آپ نے فخر ادارہ علوم اثریہ میں چھپا ان کر دیا، جو شان محدثانہ نہیں ہے۔

آپ یہ بھی جانئے کہ منادی اور اعلان اور اعلام اور آذان بالمیت میں بہت فرق ہے، منادی کا معنی ہے پکارنے والا، اعلان کا معنی ہے مشتہر کرنا، کھولنا، پھیلانا، ظاہر کرنا، دونوں کا مطلب یہ ہوا کہ بازاروں میں یا لاؤڈ سپیکر پر کوئی شخص پکار کر اعلان کرے، اور خبر پھیلائے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، یا یہ کہے کہ فلاں شخص کا جنازہ تیار ہے، یا فلاں شخص وفات پا گیا، یہ نعی ممنوع ہے اعلام اور اذان بالمیت یہ ہے کہ اپنے کسی دوست یا رشتہ دار یا اپنے امام کو یہ اطلاع اور خبر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، یا یہ کہے کہ فلاں شخص کی نماز جنازہ تیار ہے، یہ ایک دوسرے کو بتلانا درست ہے جن حدیثوں میں اذان بالمیت کا ذکر ہے اس سے یہی صورت مراد ہے، منادی مراد نہیں ہے، فاختر فا، حضرت حذیفہ نے احتیاطاً اس دوسری صورت اعلام سے بھی پرہیز کیا کہ کہیں یہ صورت اعلان ممنوعہ کی نہ ہو جائے چنانچہ لفظ انی اخاف اس مراد کا مظہر ہے، فتدبر کر وا۔

اس لئے سائل نے کہ وہ بھی ایک عالم ہے، سوال ۳ میں یہ لکھا ہے کہ کسی کی وفات کی صرف ایک دوسرے کو خبر دینے اور بذریعہ سپیکر اعلان کرنے میں کیا فرق ہے، اور ان دونوں میں سے کون سی چیز پر عمل کرنا جائز ہے اگر مفتی صاحب نے بہ سہولت کرتے ہوئے اس کا جواب نہ دیا، اور صرف یہ لکھنے پر کفایت کی کہ اس سوال کا جواب ۱ میں آگیا ہے، حالانکہ اس کا جواب بالکل نہیں آیا۔

اگر آیا ہوتا تو سائل عارف حصاری کے پاس اس مسئلہ کا عرفان حاصل کرنے کو فتویٰ کیوں بھیجتا، عوام تو آپ کے فتویٰ سے دھوکہ یا شبہ کھا سکتے ہیں۔ عالم کو تسلی بغیر دلیل شرعی کے نہیں ہو سکتی، حقیقت یہ ہے کہ شرعی حکم اور صورت اور ہے۔ اور رواج عام دوسرے دیہات میں جہاں سپیکر نہیں ہے، وہاں نقارہ بجاتے ہیں یہ بھی بدعت ہے، دیہاتی مولوی اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی اعلام اور اذان بالمیت کی صورت ہے، یہ بھی مفتی صاحب کی طرح قیاس کرتے ہیں، یہ قیاس مردود ہے، نقارہ بجانا بھی اعلان اور منادی میں شمار ہے، جو ممنوع ہے، پھر مفتی صاحب نے ابو داؤد کے حوالہ سے حصین بن وحوح انصاری کی حدیث پیش کی ہے، اسمیں بھی منادی اور اعلان کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریب المرگ ہے جب یہ فوت ہو جائے تو اسکی مجھے خبر دینا، یہ کسی دانشمند کے نزدیک بھی منادی نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ آنجناب نے منادی اور نعی کی تعریف سے پیش نظر جواب نہیں لکھا ہے، پھر تیسری دلیل جنگ موتہ کے شہداء کی خبر کرنے کی پیش کی ہے۔ کہ یہ بھی سوال کے مطابق نہیں ہے، لفظ اذان کئی محاوروں میں مشترک ہے، لغوی معنیٰ اس کے آگاہ کرنے کے ہیں۔ شرعی معنی یہ ہیں کہ نماز کے لئے پکارنا، جیسے صلوات خمسہ کیلئے اذان دی جاتی ہے کہ اس میں پکارنے کا مفہوم ہے، جب کسی بات کی خبر دی جائے۔ تو اسکو بھی اذان کہتے ہیں، جیسے جھاڑو دینے والی عورت کو رات کو دفن کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کی تو آپ نے فرمایا، الا آذنتمونی تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی، اور ایک حدیث میں ہے، فاذا فرغتن فاذنننی یعنی تم میت کے غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا، اس طرح شہداء کی آپ نے لوگوں کو خبر دی، نجاشی کی وفات کی خبر دی، یہ نعی ممنوع نہیں ہے، نعی کی تعریف ص۳۵ میں نہایہ کے حوالہ سے یہ لکھی ہے، نعی المیت نعیا اذاع موتہ اخبر بہ کہ میت کی نعی یہ ہے کہ اس کی موت کا اعلان کرنا اور اس کی لوگوں کو خبر دینا پھر فتح الباری کے حوالہ سے یہ لکھا ہے، انما نھی عما کان اھل الجاھلیۃ یصنعونہ کانوا یرسلون من یعلن بخبر موت المیت علی ابواب الدور والاسواق یعنی کفر کے زمانہ کے لوگ جو نعی کرتے تھے، اس سے منع فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ اہل میت کسی کو بھیجتے تاکہ وہ لوگوں میں عام اعلان کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے وہ لوگوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلان کرتا پھرتا اس واسطے ابن عون نے کہا کہ قلت لابراھیم ھل کانوا یکرھون النعی قال نعم کہیں نے ابراہیم نخعی سے پوچھا کہ صحابہ کرام نعی کو مکروہ جانتے تھے اس نے کہا ہاں ہے۔ انما کان یکرہ ان یطاف فی المجالس کہ مکروہ یہ ہے کہ منادی کو مجلسوں میں پھرایا جائے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اعلان اور منادی کی صورت ہے جو شرعاً منع ہے، پھر امام شوکانی نے نعی کے تین حالات بیان کئے ہیں، اول یہ کہ اپنے رشتہ داروں کو اور دوستوں کو اور صالح لوگوں کو موت سے آگاہ کرنا، یہ تو سنت ہے، دوسرا یہ کہ اعلان کرنا کہ لوگ کثرت سے جمع ہو جائیں، اور وہ فخر کریں کہ ہماری میت پر اجتماع کثیر تھا، تیسرا یہ کہ نوحہ اور بین کر کے لوگوں کو خبردار کرنا یہ دونوں حرام ہیں، پہلا جائز ہے، پہلے اعلام میں صرف ایک دوسرے سے ذکر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، یہ اعلان عام نہیں ہے، مجمع الزوائد جلد ۳ ص۲ میں ہے عن ابن عباس قال جاء رجل یؤذن بجنازۃ الناس فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایھا الناس سلوا الی اللہ لموتاکم ولا تؤذنون بھم الناس رواہ الطبرانی فی الکبیر یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص جنازہ کی لوگوں میں منادی کرتا ہوا آیا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم اپنے مردوں کی بابت اللہ تعالیٰ کی طرف سوال کرو، اور لوگوں میں ان کے متعلق منادی نہ کرو۔

عبد القادر عارف حصاری (الاعتصام ہفت روزہ اہلحدیث لاہور، جلد ۲۶، شمارہ ۳۰)

توضیح الکلام بر فتاویٰ علماء کرام:۔ سابق مفتی صاحب کا نظریہ درست ہے، لیکن سوال کے جواب میں تشنگی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔

سوال:۔ ہمیں یہ دریافت کیا گیا ہے، کہ نماز جنازہ کیلئے لاؤڈ سپیکر میں اعلان کرنا جائز ہے، یا نہیں، کیا صحابہ کرام تابعین

اور تبع تابعین سے اعلان کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ ہمیں جواب یہ تھا کہ اصل مقصد رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر صلحاء کو میت کی بخشش کی سفارش کے لئے مدعو کرنا ہے اور ساتھ ہی اہل میت کی ہمدردی، دلجوئی اور تعزیت بھی ہو جائے، باقی رہا سپیکر کا استعمال سو یہ دور حاضرہ کی ایجاد ہے جس کے استعمال پر علماء کرام کا عموماً اتفاق ہو چکا ہے، اور اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ یہ صرف جواز ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، سپیکر کے مسئلہ پر تفصیلی بحث فتاویٰ علماء حدیث کی جلد چہارم کے صفحہ ۸،۹،۷، پر گزر چکی ہے جس میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی کے خیالات ہیں۔

باقی محقق عارف حصاری صاحب مدظلہ کے تعاقب میں افراط و تفریط ہے، بعض ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، کہ جن کے نہ صرف سابق مفتی (مولانا محمد عبد اللہ صاحب) بلکہ جماعت اہلحدیث کا کوئی فرد بھی قائل نہ ہوگا، مثلاً گلی کوچوں اور بازاروں میں ڈھنڈورچی بھیج کر منادی کرانا وغیرہ محترم حصاری صاحب نے "نعی المیت" کی جو تعریف نہایہ ابن الاثیر اور فتح الباری سے نقل کی ہے، وہ صحیح ہے، لیکن وما نحن فیہ، سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی کفر کے زمانہ میں لوگ جو نعی کرتے تھے، وہ یہ ہے کہ اہل بیت کسی کو بھیجتے تاکہ وہ عامۃ الناس میں اعلان کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، وہ لوگوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلان کرتا تھا، اسی نعی کے بارے میں ابن عون نے ابراہیم نخعی سے دریافت کیا تھا کہ ھل کانوا یکرھون النعی یعنی کیا صحابہ کرام نعی کو مکروہ جانتے تھے تو ابراہیم نے جواب دیا۔ انما یکرہ ان یطاف فی المجالس۔ یعنی منادی کو مجالس میں پھرانا مکروہ ہے، منادی اور اعلان کی یہ صورت شرعاً منع ہے، پھر محقق شہیر نے نعی کے بارے میں امام شوکانی سے تین صورتیں ذکر کی ہیں، اوّل یہ کہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر صلحاء کو مطلع کرنا یہ تو درست ہے، دوم یہ کہ اعلان کرنا تاکہ لوگ بکثرت جمع ہو جائیں، اور اہل میت اس کثرت پر فخر کریں، سوم یہ کہ نوحہ اور بین کر کے لوگوں کو خبردار کرنا آخری دونوں صورتیں ناجائز ہیں سپیکر میں اعلان کرنا منادی اور ڈھنڈورہ نہیں ہے، بلکہ اعزاء و اقربا اور احباب کو اطلاع دینے کا ایک طریقہ ہے، جو پہلی صورت میں داخل اور جائز ہے۔

تعزیتی اجلاس:۔ جو عام رواج پذیر ہے، اور کچھ عرصہ سے ہماری جماعت اہل حدیث بھی اس میں مبتلا ہو گئی ہے، محل نظر ہے، وہ صرف میت کے اوصاف و محامد اور ان پر فخر و مباہات کے لئے ہی منعقد کیا جاتا ہے، واضح ہے، کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف صالحین میں اس کی مثال نہیں ملتی، حالانکہ اگر اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو صحابہ کرام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تعزیتی اجلاس کرتے آپ کی سیرت اور اوصاف و محامد کا تذکرہ کرتے یہ محض ایک رسم ہے خصوصاً مدعیان اتباع سنت خیر الانام علیہ وعلی اصحابہ افضل التحیات والسلام کو اس کی سنیت اور عدم سنیت پر غور کرنا چاہیئے، ہذا والسلام۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ علی محمد سعیدی

(مرتب) ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فقہ اہلحدیث کے باب میں گراں قدر اضافہ

مکتبہ سعیدیہ کی عظیم الشان پیشکش

ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ماضی کے فاضل محققین علماء اہلحدیث کی علمی و تحقیقی نگارشات کو یکجا کر دیا جائے تاکہ ہر جویائے حق بسہولت اہل علم کے مختلف نقطہ ہائے نظر بیک وقت سامنے رکھ کر راہنمائی حاصل کر سکے۔ بناریں مکتبہ سعیدیہ خانیوال نے اس شدید ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس عظیم کام کو سر انجام دینے کی ٹھان لی۔

بحمد للہ اب تک "فتاویٰ علمائے حدیث" کی چھ جلدیں طبع ہو کر اہل نظر و فکر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ باقی جلدیں زیر طبع و ترتیب ہیں انشاء اللہ بہت جلد اصحاب ذوق ان بکھرے ہوئے انمول موتیوں کو یکجا پائیں گے۔ احباب سے دعا اور تعاون کی ضرورت ہے۔

کاغذ گلیز۔ آفسٹ طباعت۔ رنگین ٹائیٹل۔ نفیس کتابت۔ اعلیٰ جلد۔

تمام خوبیوں کے باوجود قیمت جلد اول ۸/۰۰ جلد دوم ۱۶/۰۰

جلد سوم ۱۵/۰۰ جلد چہارم ۲۴/۰۰ جلد پنجم ۳۶/۰۰ جلد ششم زیر ترتیب ہے

علاوہ ازیں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ کی مایہ ناز کتاب

عجالہ نافعہ عربی۔ ٹائپ۔ قیمت ۹/۰۰

جلد ہفتم مطبوعہ ۱۵/۰۰

— ملنے کا پتہ —

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

(شاہ ایڈ سنز پریس پرسٹر لاہور)